تذکرہ

شہیدِ اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

ترتیب

شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ



عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارے دادا جان شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہ کواللہ رب العزت نے اپنے فضل واحسان سے خوب نوازا تھا، آپؒ نے اپنے اکابرین کے مسلک ومشرب پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے دین متین کی اشاعت وترویج، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تقاریر وتحریر، فقہی واصلاحی خدمات، سلوک واحسان، ردِفرق باطلہ، قادیانیت کا تعاقب، مدارس دینیہ کی سرپرستی، اندرون وبیرون ملک ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت، اصلاح معاشرہ ایسے میدانوں میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

آپؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' بلاشبہ اردو ادب کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ علمی وصحافتی دنیا میں آپ کی تبحرِ علمی، قلم کی روانی وسلاست، تبلیغی واصلاحی اندازِ تحریر جیسی خداداد صلاحیتوں اور محاسن وکمالات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم نے حضرت شہیدِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر مشتمل مختصر سوانح ''تذکرہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے مرتب فرمائی ہے۔ جس سے معزز قارئین، ہمارے حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت، آپ کے خصائل وکمالات اور ملک و ملت کے لیے آپ کی دینی واسلامی خدمات سے کما حقہ آگاہ ہوسکیں گے۔

افادۂ عام کے لیے اِس کتاب کو ''شہیدِ اسلام ڈاٹ کام'' کے پلیٹ فارم سے انٹرنیٹ کی دنیا میں متعارف کرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرمائے۔ آمین

جن حضرات کی دعاؤں اور توجہات سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد مشکور ہوں خصوصاً میرے والد ماجد مولانا محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم، میرے چچا جان صاحبزادہ مولانا محمد طیب لدھیانوی مدظلہ اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔ اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر، جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔ آمین۔

محمد الیاس لدھیانوی
بانی ومنتظم ''شہیدِ اسلام'' ویب پورٹل

فہرست

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الۡاَنۡبِیَآءِ

اَمَّا بَعۡدُ!

بہت برس بیت گئے کہ کراچی سفر کے دوران فقیر راقم نے حضرت مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی مدظلہم کی خدمت میں حاضر ہوکران سے گزارش کی کہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح پر آپ کتاب مرتب کریں۔

آں مخدوم زادہ صاحب کے ہمراہ اس دِن حضرت مولانا احمد بنوری مدظلہم سے ملاقات کی اوران سے درخواست گزاری کی کہ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ پر کتاب تالیف فرمائیں۔اور پھر آخر میں حضرت مولانا محمد حذیفہ رحمانی مدظلہم سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ آپ اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ پر کتاب تصنیف فرمائیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان سے بھی یہی درخواست کرنا چاہتا تھا، غالباً ان حضرات سے ملاقات تو نہ ہوسکی، شاید فون پر عرض کردیا ہوگا، لیکن اب کچھ یاد نہیں۔اس دِن کی محنت کا اتنا صلہ تو قدرت نے ضرور دیا کہ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ پر ماہنامہ ''بینات'' کراچی کا وقیع نمبر شائع ہوگیا،لیکن مستقل تصانیف ان متذکرہ بالا حضرات پر تاحال مارکیٹ میں نہ آسکیں۔حضرت مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی نے کتاب کے لئے رہنما

اُصول مرتب کر کے حضرت شہیدِ اسلامؒ کے متعلقین کو خطوط بھی بھجوائے، مگر آج کل ہر ساتھی مصروف ہے اور پھر ہر ایک کی اپنی ترجیحات ہیں، تاہم نا اُمیدی نہیں، یہ حضرات کوشش فرمائیں گے تو ان اکابر کی بہت عمدہ سوانحِ حیات مرتب ہو جائیں گی۔

اسی اثنا میں رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ میں مسجدِ نبوی شریف میں ایک دِن بیٹھے بیٹھے خیال آیا، ساتھ میں مخدومِ گرامی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب طاہر تلاوت فرما رہے تھے، ان سے اِستدعا کی کہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف جرائد کے نمبر، خطبات کے مجموعہ جات پر بہت کچھ مواد چھپ گیا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ اسی سے جستہ جستہ واقعات لے کر مختلف ابواب کے تحت انہیں تقسیم کر کے ایک مختصر مگر جامع کتاب مرتب کردی جائے، اگر آپ حامی بھریں تو اِبتدائی کام راقم کردے گا، تہذیب وترتیب کا کام آپ سرانجام دے دیں، تو ایک کتاب ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی طرف سے شائع کردیں۔ اگر تبویب کر کے ان واقعات کو یکجا کردیا تو آئندہ جسے بھی اللہ رَبّ العزّت توفیق دیں گے وہ اور زیادہ جامع کتاب مرتب کرلیں گے، یہ کتاب ان کے لئے اِشاریے کا کام دے جائے گی۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اس وقت تلاوت میں مصروف تھے، فقیر نے سمع خراشی شروع کی، سنتے رہے اور پھر ''بالکل ٹھیک ہے!'' فرما کر دوبارہ تلاوت شروع کردی۔ واپسی پر حضرت شہیدِ اسلامؒ پر اس وقت تک جو کچھ چھپ چکا ہے، اس کا فوٹو کرایا گیا، حضرت مولانا محمد وسیم اسلم صاحب ایڈیٹر انچارج ماہنامہ ''لولاک'' ملتان کی مدد سے ان واقعات کو علیحدہ علیحدہ پیسٹ کر کے لفافوں میں موضوع وار بند کیا اور مسوّدے کا بھاری بھرکم بنڈل کراچی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو بھجوادیا۔ ہفتہ وار ''ختمِ نبوّت'' کراچی کی اِشاعت اور ''مکتبہ لدھیانوی'' کراچی کی کتب کی پروف ریڈنگ کے اتنے سارے کاموں میں مصروفیت کے باوجود آپ نے کام کا آغاز کیا، اور یوں ان کی کشتی ساحلِ مراد پر آن لگی، آپ نے فائنل مسوّدہ ملتان بھجوادیا۔ فقیر نے باقی کام مؤخر کر کے دفتر

فہرست

کے کمپوزر برادر محمد عدنان سنپال کے سپرد کیا۔ انہوں نے مختصر وقت میں کمپوزنگ کا مرحلہ طے کرلیا۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نے پروف پڑھے اور آج ان کا مژدہ جاں فزا ملا کہ کتاب تکمیل کے مراحل میں ہے۔

اس کہانی کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین حضرات فیصلہ فرمائیں کہ کتاب تیار کرنے میں مکمل محنت اور جاں گسل کاوِش تو حضرت مولانا عبداللطیف صاحب طاہر کی ہے، لیکن ان کا حکم ہے کہ یہ آپ کے نام سے شائع ہوگی۔ لیجئے! مفت میں معتبری ملتی ہے تو کون چھوڑتا ہے۔

ان تمام دوستوں کو جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں جتنی محنت کی ہے، حق تعالیٰ دارین کی فوز و فلاح نصیب فرمائیں، آمین بحرمۃ النبی الکریم!

(فقیر) اللہ وسایا، ملتان

مورخہ یکم/اگست ۲۰۱۸ء

***

فہرست

قبائے نور سے سج کر، لہو سے باوضو ہوکر
وہ پہنچے بارگاہِ حق میں کتنے سرخرو ہوکر
نفیسؔ ان عاشقانِ پاک طینت کی حیات وموت
رہے گی نقشِ دہرِ اِسلامیوں کی آبرو ہوکر

***

فہرست

فہرست

کسی بھی موضوع تک رسائی کے لیے اُس پر کلک کریں۔

نوٹ: کسی بھی صفحہ پر موجود ''فہرست'' کے آپشن کا استعمال کر کے فہرست تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

٭٭٭

نوٹ: Mobile اور IPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے "Adobe Acrobat" کو "PDF Reader" کے طور پر استعمال کریں۔

خاندانی حالات وسوانح

تاریخِ ولادت باسعادت

سیّدی اُستاذی مرشدی ووسیلتی فی یومی وغدی حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوّر اللّٰہ مرقدہٗ کی ولادت باسعادت کا سن بقول حضرت اقدس ۱۹۳۱ء بمطابق ۱۳۵۱ھ ہے۔ حضرت اقدس لدھیانویؒ اپنی والدہ ماجدہؒ کے اکلوتے بیٹے تھے، آپ کی والدہ ماجدہؒ نہایت صالحہ، پرہیزگار، نیک دِل خاتون تھیں۔

والد ماجد حضرت لدھیانویؒ

حضرت اقدس لدھیانویؒ کے والد ماجد الحاج چوہدری اللّٰہ بخش رحمہ اللّٰہ اپنے والدین کی واحد نرینہ اولاد تھے۔ آپؒ کے پیدا ہونے سے قبل ہی آپؒ کے والد انتقال کر گئے تھے، جب کہ والدہ شیرخوارگی میں داغِ مفارقت دے گئیں۔ حضرت شہیدؒ کے والد ماجد جناب چوہدری اللّٰہ بخشؒ اعلیٰ کردار و عمل کے انسان اور اپنی نوعیت کی منفرد شخصیت تھے۔ نہایت عاقل ومدبر بزرگ تھے، بڑے ذاکر وشاغل، شب زندہ دار اور قرآن مجید کی تلاوت کے عاشق تھے، آپؒ دس پارے روزانہ تلاوت فرماتے۔ آخری عمر میں تلاوت گویا رُوح کی غذا بن گئی تھی۔ تہجد کے وقت رات کے سناٹے میں ذِکر بالجہر فرماتے تو پوری مسجد گونج گونج جاتی۔ بیعت واصلاح کا تعلق سرتاجِ اولیاء حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے تھا۔ دِینی مطالعہ بہت تھا۔ ''ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ'' اور ''فوائدِ عثمانیہ'' ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہتے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ وتعلیمات بہت پڑھتے

فہرست

تھے۔ اِبتداءً ملک میں دِینی مجلّات کی بہتات نہ تھی، غالباً تین رسالے مشہور تھے۔ ایک ہفت روزہ ’’خدام الدین‘‘ اور دو ماہنامے ایک ’’الصدیق‘‘ اپنے وقت کا نہایت مؤقر رسالہ، جو ملتان سے حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب، مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان کی زیرِ اِدارت نکلتا تھا۔ اور دُوسرا مولوی مسافر خانہ کراچی سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ پر مشتمل ’’الابقاء‘‘ تھا۔ یہ تینوں مجلّات آپ کے زیرِ مطالعہ رہتے۔ میں نے عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی، میل جول، ان کی خوشی غمی میں شریک ہونا، ان کے ساتھ ہمدردی وغمگساری وغیرہ، جتنی حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ کے والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم میں دیکھیں اتنی کہیں نہ دیکھیں۔ بہت زیادہ مہمان نواز اور غریب پروَر تھے۔ عقل ودانش، قوّتِ فیصلہ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ مقامی اور دُور دُور سے لاینحل پنچائتی فیصلے آپ کے پاس آتے، جنہیں آپ اپنی خداداد فہم وفراست سے ایسا حل کرتے کہ فریقین نہ صرف مطمئن ہوجاتے بلکہ خوش خوش واپس جاتے۔

دورِ طفولیت:... حضرت اقدس کا دورِ طفولیت آزادانہ ماحول میں نہیں بلکہ والد ماجدؒ کی سخت نگرانی میں بہت صاف ستھرا گزرا۔ سنتِ اِلٰہیہ بھی یہی ہے کہ اپنے مقبولین ومقربین کی شاہراہِ حیات میں قدم قدم پر حفاظت کی جاتی ہے کہ:

’’فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی!‘‘

آپ حد درجہ ذہین وفطین اور ذکی تھے، علم کا شوق فطرت میں ودیعت تھا، نیکی اور صلاح فطرتِ ثانیہ تھی، بڑوں کا ادب اور جذبۂ خدمت گزاری شروع سے تھا۔

(مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

خاندانی حالات

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت میں کسی علاقے یا خطے کا دخل نہ تھا، بلکہ یہ عطیۂ خداوندی اور آپؒ کی خداداد صلاحیت اور آپؒ کی علمی لگن اور عملی زندگی میں محنت وجستجو اور انابتِ الی اللہ کا ثمرہ تھا۔ تاریخِ ولادت قطعی اور یقینی طور پر کہیں لکھی ہوئی نہیں تھی، کیونکہ

فہرست

اس زمانے میں اس کا دستور نہ تھا۔ اندازے سے فرمایا کرتے تھے کہ ۱۳۵۱ھ اور ۱۹۳۲ء تھا۔ والدہ ماجدہؒ کی شفقتِ مادری سے آپ شیرخوارگی میں ہی محروم ہو گئے تھے اور اس کا قلق اور صدمہ آپ کو زندگی بھر رہا۔ اکثر آغوشِ مادر کا تذکرہ بہت زیادہ حسرت سے فرماتے۔ لیکن اس کے ساتھ والدِ محترمؒ کی شفقت کے دونوں پہلوؤں کا تذکرہ بہت ہی اچھے انداز سے فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''میری اس مولویت اور تصلّب فی الدّین میں والدِ محترم کی تربیت کا بہت زیادہ دخل ہے۔'' اس ضمن میں ایک واقعہ بھی اکثر سنایا کرتے تھے کہ والدِ محترمؒ سال میں ایک دفعہ درزی گھر بلوا کر سب گھر والوں کے کپڑے بنوایا کرتے۔ ایک دفعہ میں مدرسے سے چھٹیوں پر گھر آیا تو خاندانی درزی کپڑے سینے کے لئے آیا ہوا تھا۔ میں نے شہر میں نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے دیکھے تھے، میں نے اس خاندانی درزی سے کہا کہ: ''میری قمیص کی آستین کف والی بنا دینا!'' اس نے کہا: ''بہت اچھا!'' قبلہ والد صاحبؒ تشریف لائے تو اس نے تذکرہ کر دیا۔ میرے شام کو گھر آنے پر والد صاحبؒ نے فرمایا کہ: ''مولوی صاحب! بودی (خاص ہیئر کٹنگ) بھی بنوا لو!'' بس آپ کا ایک لفظ دِل پر ایسا اُترا کہ آج تک ان تمام فیشن زدہ چیزوں سے نفرت دِل میں بیٹھ گئی۔

والدِ گرامی حضرت لدھیانویؒ

حضرتؒ نے اپنے والد ماجدؒ کے حالات زندگی لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

''حضرت والد مرحوم کو حق تعالیٰ شانہٗ نے بہت سی سعادتوں سے نوازا تھا۔ عقل و دانش، فہم و فراست، صلاح و تقویٰ، اِخلاص و ایثار، اَخلاق و مروّت، مہمان نوازی، غریب پرَوری، کرم گستری اور خلقِ خدا کی نفع رسانی کی بنا پر بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے پیری تک وہ اپنے حلقۂ تعارف میں محبوب و معظم رہے۔

حضرت والد مرحوم نے اپنی حیاتِ مستعار کا آغاز نہایت بے کسی و کسمپرسی اور ناتوانی کی حالت میں کیا تھا۔ بساطِ حیات پر ابھی قدم نہ

فہرست

رکھا تھا کہ سایۂ پدری سر سے اُٹھ گیا اور عین شیر خوارگی کی حالت میں آغوشِ مادر چھن گئی۔ عالمِ اسباب میں اس یتیم کا سوائے دہ سالہ ہمشیرہ کے کوئی کفیل نہ تھا۔ نہ کوئی تایا، نہ چچا، نہ کوئی بھائی، نہ ماموں، نہ کوئی خویش وقریب۔ لیکن مالک کی قدرت کے قربان جایئے کہ یہی نادار اور بے کس یتیم بچہ ابھی اٹھارہ بیس کے سن کو نہیں پہنچا تھا کہ علاقے بھر کی پنچائتی عدالتوں میں اسے ''سرپنچ'' تسلیم کرلیا گیا اور پیچیدہ سے پیچیدہ تنازعات میں اس کے فیصلے قبول کئے جانے لگے۔ اس کا فیصلہ فہم وتدبر اور عقل ودانش کا آئینہ دار ہوتا تھا، جس سے مقدمہ کے دونوں فریق مطمئن ہوجاتے۔ پورے علاقے میں یہ فیصلے ایسی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے کہ ان کے بعد لوگوں کو کسی معاملے میں تھانے اور عدالت سے رُجوع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

حضرت والد مرحوم کی تعلیم معمولی نوِشت وخواند تک محدود تھی۔ قرآن مجید پُرانی وضع پر میاں جی صاحب سے پڑھا تھا۔ لیکن فطری سلامتی، علوِّ استعداد اور اہل اللہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کی وجہ سے دِینی معلومات میں وہ مجھ جیسے فارغ التحصیل علماء سے بدرجہا فائق تھے۔ کوئی عالم صحیح مسئلہ بیان کرے وہ اس پر اطمینانِ قلب اور اِنشراحِ صدر کا اِظہار فرماتے، اور اگر کبھی مسئلۂ شرعی کے بیان میں غلطی ہوجاتی تو والدِ مرحوم کا قلبِ صافی اسے قبول کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوتا۔ خود راقم الحروف کو اس نوعیت کے کئی واقعات پیش آئے۔ ایسے مواقع پر یہ ناکارہ اپنے احباب سے کہا کرتا تھا کہ بھئی ہمارا علم کتابی واِکتسابی ہے، کتاب کو صحیح سمجھا تو مسئلہ صحیح بتادیا، غلط سمجھا

تو بیان میں بھی غلطی ہوئی۔ لیکن حضرت والد صاحب کا علم کتابی نہیں بلکہ اہل اللہ کی صحبت سے ان کا آئینۂ قلب مجلیٰ ہے، اس لئے کسی غلط مسئلے کو ان کا قلب قبول ہی نہیں کرتا۔

حضرت والد مرحوم کو بچپن سے ہی بدعات سے نفرت تھی، سنتِ نبوی سے عشق تھا۔ دس بارہ برس کی عمر سے تہجد و شب خیزی کی عادت تھی، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی آخری نماز بھی تہجد ہوئی۔ ان کی فطرتِ سلیمہ نے اہل اللہ سے محبت واُلفت کی طرف رہنمائی کی۔ قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا اور اَوراد ووظائف کے پابند تھے۔ سحری کے وقت ذِکر بالجہر کرتے ہوئے قلب پر ''اِلَّا اللّٰہ'' کی ضرب کچھ ایسے انداز سے لگاتے کہ سننے والوں کے دِل ہل جاتے۔ اِشراق، اَوّابین، حزبِ اعظم اور تلاوتِ قرآن مجید تو گویا ان کی غذا بن گئے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ: ''تقسیم سے پہلے میرے ایک دوست جو مودودی صاحب سے متأثر تھے، وہ مجھے مودودی صاحب کی کتابیں پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے اور میں مودودی صاحب کی تحریر سے بہت ہی لطف اندوز ہوتا۔ پاکستان آکر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ پڑھنا شروع کئے۔ اس وقت مجھے حضرت تھانویؒ کے مواعظ کے سوا کسی کی تحریر میں لذت نہیں آتی تھی، اور اَب تو قرآن مجید کے سوا کسی اور چیز میں لذت نہیں رہی۔'' اس ناکارہ نے بارہا دیکھا کہ دُور دراز کے سفر سے تھکے ماندے تشریف لائے ہیں، لیکن بجائے آرام واِستراحت کے سیدھے مسجد پہنچے اور قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ ان

کی اِستقامت ورُسوخ فی العبادت کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۸۸ھ میں انہیں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ رُوسیاہ بھی دفعِ نظرِبد کے لئے ساتھ تھا۔ اپنی تو ممکن ہے کبھی جماعت بھی رہ گئی ہو، ورنہ ایک دو رکعتیں تو کئی بار جماعت سے فوت ہوئیں۔لیکن اس چار ماہ کے طویل سفر میں ملتان واپسی تک حضرت والدِ مرحوم کی ایک بار بھی تکبیرِ اُولیٰ فوت نہ ہوئی۔ حرمین شریفین میں کثرتِ اژدھام کے باوجود وہ اکثر صفِ اوّل میں اِمام کے پیچھے ہوتے تھے۔ان دِنوں پندرہ پارے یومیہ تلاوت کا معمول تھا۔سر درد کی شکایت ہوگئی تو اس ناکارہ کے عرض کرنے پر پندرہ کے بجائے دس پارے کردیئے۔

ہماری بستی میں کوئی حافظ نہیں تھا۔رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ کی تلاش میں ہمیشہ پریشانی ہوتی۔ بڑی حسرت کی ساتھ اس ناکارہ کو فرماتے کہ ’’تو خود ہی قرآن کیوں حفظ نہیں کرلیتا!‘‘ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والدِ مرحوم کی تمنا پوری فرمادی۔ان کی ترغیب وتحریص اور دُعا و برکت سے اس رُوسیاہ کو بھی کچا پکا یاد ہوگیا اور پھر رمضان المبارک میں اس ناکارہ نے ہمیشہ خود ہی سنانے کا اِلتزام کیا۔جس سے حضرت والدِ مرحوم کو بہت ہی قلبی راحت نصیب ہوئی۔

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا قرآنِ کریم سے شغف بلکہ عشق دراصل ’’رائے پوری نسبت‘‘ کا اثر تھا۔ جو ان کے دادا پیر حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ سے متواتر چلی آرہی ہے۔ یہ ناکارہ جب بھی رمضان گزارنے کے لئے ان کی خدمت میں اپنے گاؤں جاتا (یہ ان کا حکم تھا کہ تُو پورا سال تو مدرسے

میں رہتا ہے، کم ازکم رمضان المبارک کا مہینہ تو میرے پاس گزارا کر۔ اور یہ ناکارہ ان کے حکم کی تعمیل میں رمضان المبارک ان کے پاس گزارنے کا التزام کرتا) وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ: ''مولوی صاحب! یہاں گاؤں میں حفظِ قرآن کا مدرسہ بناؤ۔'' یہ ناکارہ عرض کرتا کہ گاؤں میں مدرسے کا کامیاب ہونا مشکل ہوتا ہے، دیہاتیوں کی آپس میں پارٹی بازی چلتی ہے تو نزلہ مسجد کے مولوی یا مدرسے کے مدرّس پر گرا کرتا ہے۔ ایک سال میں رمضان المبارک کے قریب حاضر ہوا تو جناب والد صاحب نے فرمایا کہ ہم نے گاؤں میں مدرسہ شروع کردیا ہے۔ اس ناکارہ نے عرض کیا کہ اگر آپ نے شروع کردیا ہے تو اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب تاحیات اس مدرسے کے کفیل رہے۔ کام کا آدمی ملنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے کئی سال کافی پریشانی رہی، بعد میں برادری ہی کے ایک حافظ کو (جو ماشاء اللہ فارغ التحصیل عالم بھی ہیں اور حضرت اقدس قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں) اس خدمت پر لگادیا۔ بحمداللہ! حضرت والدِ مرحوم کے حسنِ اخلاص کی برکت سے یہ مدرسہ تحفیظ القرآن بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور قریباً پچاس بچے قرآنِ کریم حفظ کرچکے ہیں۔ حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد اس ناکارہ نے عرض کیا کہ اس مدرسے کے لئے چندہ نہیں کیا جائے گا اور کوئی شخص اس میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ والدِ مرحوم کا یہ صدقۂ جاریہ قائم ودائم رکھیں۔ اس ناکارہ نے حضرت والدِ ماجد کو بارہا دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑے حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعائیں کرتے رہتے تھے۔ یہ

فہرست

انہی کی دعواتِ صالحہ اورتوجہاتِ عالیہ کا اثر ہے کہ ان کی اولاد بحمداللہ دِین سے وابستہ ہے۔کوئی دس پندرہ حافظِ قرآن اور فارغ التحصیل عالم خود اپنی اولاد اور دیگر عزیزوں میں دیکھ کر گئے ہیں۔

والدِ مرحوم دیکھنے میں ایک دُنیادار چوہدری تھے۔مگر انہوں نے دُنیا کے لئے نہ جائیداد بنائی نہ دُکان، نہ مکان۔ جو کچھ بنایا دِین کے لئے بنایا۔انسانی زندگی نشیب وفراز سے عبارت ہے، ان کی زندگی کا نصفِ اوّل بڑی تنگی وعسرت میں گزرا، اور نصفِ آخر میں حق تعالیٰ شانہٗ نے رزق کی بڑی فراوانی عطا فرمائی۔لیکن ان کے انداز بودوباش میں کبھی فرق نہیں آیا۔ جب ان کے پاس کچھ نہیں تھا وہ تب بھی سفید پوش تھے، اور جب اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا تب بھی انہوں نے اپنی یا اپنی اولاد کی آسائش کے لئے کچھ نہیں کیا، بلکہ جو کچھ آتا مہمان نوازی اور غریب پروَری کی نذر ہو جاتا تھا۔ وہ فرشتہ نہیں تھے، لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فرشتہ سیرت تھے۔ ان سے غلطیاں وکوتاہیاں بھی ہوتی تھیں، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے کہ ”اے اللہ! اگر آپ بخش دیں تو سب کچھ معاف کرسکتے ہیں اور آپ کا ایسا بندہ کون ہے جس نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو۔“) تاہم حضرت والدِ مرحوم کے حق میں ان کے جاننے والوں کی متفقہ شہادت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا، کسی سے زیادتی نہیں کی، کسی کا حق نہیں دبایا، کسی کو نہیں ستایا اور کبھی کسی کو غلط مشورہ نہیں دیا۔ جہاں تک بس چلتا ہر ایک کی خیرخواہی فرماتے، ہر ایک کو مشفقانہ مشورہ دیتے، ہر ایک سے حسنِ سلوک کی تلقین فرماتے۔حضرت والدِ ماجد ایک لطیفہ ہمیشہ سنایا کرتے تھے کہ ان

کے بزرگوں میں ایک صاحب تھے جو اپنے باپ دادے کے کارنامے بڑے مزے سے سنایا کرتے تھے۔ ”وہ اتنا کھاتے تھے، اتنا دوڑتے تھے، اتنا بوجھ اُٹھالیا کرتے تھے، اتنے بہادر تھے، اتنے طاقتور، وغیرہ وغیرہ۔“ ان صاحب کی داستان سرائی کی تان اس پر ٹوٹا کرتی تھی کہ باپ دادوں کا تذکرہ کرکے آخر میں یہ کہا کرتے کہ: ”سچ پوچھو! تو ہم ان کی اولاد ہی نہیں، کیونکہ ہمارا ان سے کوئی مقابلہ نہیں، کوئی نسبت ہی نہیں۔“ اس ناکارہ کو اس لطیفے سے ہمیشہ عبرت ہوا کرتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر اپنے اسلاف کے حالات وکمالات کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ ان کی اولاد ہی نہیں!

حضرت مرحوم ایک عرصے سے بلڈ پریشر کے مریض تھے، جس سے صحت کافی کمزور ہوگئی تھی۔ رمضان المبارک سے ایک مہینہ قبل ہی مسجد کے نمازیوں سے فرمانے لگے کہ: ”رمضان شریف آرہا ہے، روزہ رکھنے کی ہمت نہیں، اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ رمضان کا بابرکت مہینہ ہو اور میں بغیر روزے کے رہوں، اس لئے آپ حضرات دُعا فرمائیں۔“ چنانچہ ہر نماز کے بعد اِلتزام سے یہ دُعا کراتے کہ میں روزے رکھ سکوں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دُعا قبول فرمائی، پورے رمضان کے روزے رکھے، تراویح میں قرآن مجید سنا اور مغرب کے نوافل میں بھی قرآنِ کریم سنا اور معمول کے مطابق اِعتکاف بھی کیا۔ ماہِ مبارک میں ان کی صحت بہت ہی اچھی ہوگئی۔ عید کے ایک ہفتے بعد ملتان تشریف لے آئے۔ راقم الحروف کی اور چھوٹے بھائی کی رہائش ملتان میں تھی، نہایت ہشاش بشاش تھے، ۱۸؍شوال کا جمعہ (جو ان کی زندگی کا آخری جمعہ تھا) پڑھا، رات

کوحسبِ معمول نمازِ تہجد کے لئے اُٹھے، نماز سے فارغ ہوئے تو
مرض کا حملہ ہوا، بے ہوش ہو گئے۔ علاج معالجے کی تدابیر کی گئیں،
لیکن افاقہ نہ ہوا۔ منگل کی رات کو ہم لوگ انہیں گاؤں لے گئے۔
بالآخر جمعہ کی شب کو عشاء کی اَذان سن کر رُوح قفسِ عنصری سے پرواز
کرگئی، اور اپنے آقا کا یہ وفادار بندہ اور جادۂ حیات کا یہ تھکا ماندہ
مسافر اس جہان والوں کو ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گیا۔

صد شکر کہ آپہنچا لبِ گور جنازہ
لو بحرِ محبت کا کنارہ نظر آیا!

(شخصیات وتأثرات ص۲۸۵)

اس برگزیدہ ہستی کی تربیت کا ثمرہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ہی ملنا تھا۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: ''میرے اس درجے تک پہنچنے میں قبلہ والد صاحب کی تربیت اور دُعاؤں کا بہت زیادہ دخل ہے، آپ میری ایک ایک چیز پر نگاہ رکھتے۔'' حضرت شہیدؒ کی والدہ محترمہ شیرخوارگی میں آپ کو داغِ مفارقت دے چکی تھیں، اس لئے اکثر آپؒ شفقتِ مادر سے محرومی کا تذکرہ فرماتے۔ خاندانی ذرائع کے مطابق حضرت شہیدؒ کی والدہ محترمہ بہت عابدہ، زاہدہ تھیں، پورے خاندان میں آپ کی نیکی اور پارسائی کا تذکرہ تھا۔ معمولات کی پابند اور اللہ تعالیٰ سے لولگانے والی نیک سیرت خاتون کے خونِ جگر کی پرورِش نے آپ میں نیکی، صبروتحمل کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، اور طبعی طور پر آپ گناہوں سے متنفر ہو گئے تھے۔ اسی بنا پر خاندانی رسم ورِواج کے برخلاف آپ کی رغبت اور توجہ ابتدا ہی سے دِینی تعلیم کی طرف ہوگئی، حالانکہ خاندانی طور پر آپ کا گھرانہ نمبردار اور زمیندار طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ شفقتِ مادر سے محرومی کے باوجود آپ کا تعلیم کی طرف متوجہ ہونا آپ کے والدِ محترم کی تربیت اور آپ کی فطری نیکی کی طرف واضح اشارہ ہے۔

(مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

فہرست

برادرانِ یوسف

حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے بڑے بھائی جناب چوہدری عبدالباریؒ شریف النفس عاجزانہ زندگی گزارنے والے غریب وامیر دونوں کے مخلص دوست تھے۔ خدمتِ خلق ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرتؒ نے اپنے ہاتھ سے تجہیز وتکفین کی، تدفین سے واپسی پر فرمایا: ''جب میں بھائی صاحب کو قبر میں رکھ رہا تھا تو یوں محسوس ہوا کہ آج میں علاقے کی شرافت کو دفن کر رہا ہوں۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ میرے بھائی کتنی بڑی شخصیت تھے۔ میں تو ان کو دُنیادار ہی سمجھتا رہا۔'' ان کا بھی یہ معمول تھا کہ روزانہ تہجد کے لئے اُٹھتے، ذِکر واَذکار کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے اور اِشراق تک تلاوت کرتے رہتے۔ اس کے بعد مسجد سے باہر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جدِّامجد کے اِخلاص کی وجہ سے ہمارے خاندان کو دِین ودُنیا دونوں عطا کی تھیں۔

حضرتؒ کے دوسرے بھائی الحاج چوہدری عبدالغنی مدظلہٗ بھی دِین دار ہیں اور ان کی اولاد بھی دِین دار ہے۔ حضرتؒ کے سب سے چھوٹے بھائی جناب چوہدری عبدالستار صاحب بڑے ہی عابد وزاہد، بڑا دِینی مطالعہ رکھتے ہیں۔ ان کے چار صاحبزادے ہیں اور سب کے سب حافظ، قاری اور عالم ہیں۔ جب کہ مولانا قاری محمد عطاء اللہ صاحب مدظلہٗ العالی حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اسی طرح حضرتؒ کی ہمشیرہ صاحبہؒ بھی بہت ہی نیک، صالحہ، عابدہ اور تہجد گزار خاتون تھیں۔

۲۵؍نومبر ۱۹۹۶ء کو حضرت لدھیانویؒ پر اچانک فالج کا شدید حملہ ہوا، دو تین دن خاموش رہے، جب بولنا شروع کیا تو ڈاکٹر صاحب نے حضرتؒ سے پوچھا: ''آپ کو کسی قسم کی پریشانی یا صدمہ تو نہیں؟'' حضرت نے بڑا ہی عجیب جواب ارشاد فرمایا کہ: ''الحمدللہ! مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے، میں تو اپنے مالک وخالق سے کہتا ہوں کہ یااللہ! اگر تو نے مجھ ناکارہ سے مزید دِین کا کام لینا ہے تو مجھے مکمل صحت عطا فرمادے، اگر میرا دُنیا میں رہنا بے کار ہے تو مجھے جلد اپنے پاس بلالے۔ میں تیرے دیدار کے لئے بے تاب

فہرست

ہوں۔ باقی تو مجھے جس حال میں بھی رکھے میں تیرا بندہ ہوں اور تیری رضا پر راضی ہوں۔“

پچھلے سال ۱۷ر مئی ۱۹۹۹ء میں ختمِ نبوّت کانفرنس ملتان کے موقع پر حضرت گاؤں آئے، اپنے والد ماجد کی یاد میں بچیوں کا مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات چک نمبر ۳۳۵ ڈبلیو۔بی زیر انتظام (چوہدری اللہ بخشؒ ٹرسٹ) قائم فرمایا۔ جس کی افتتاحی تقریب میں حضرتؒ کے ساتھ حضرتؒ کے منظورِ نظر خلفاء حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مسندِ بخاری کے امین فقیہ العصر و شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ اور دیگر علماء گاؤں تشریف لائے۔ حضرت شہیدؒ کے خادمِ خاص، سفر و حضر کے ہمسفر مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ (نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال، کراچی) بھی تھے۔ حضرت شہیدؒ کے چھوٹے بھائی حاجی چوہدری عبدالغنی مرحوم، سب سے چھوٹے بھائی حاجی عبدالستار مرحوم اور والد ماجد چوہدری عبدالباری مرحوم کے جانشین اور میرے بڑے بھائی حافظ عبدالسلام نمبردار، اُستاذ القراء مولانا قاری محمد صدیق صاحبؒ، خطیب مسجد چک نمبر ۳۳۵ ڈبلیو۔بی، مفتی محمد شفیع مدظلہ العالی جہانیاں منڈی (خانیوال)، میرے چھوٹے بھائی اور حضرت اقدس شہیدؒ کے سب سے چھوٹے داماد مولانا قاری حبیب الرحمٰن لدھیانوی مدظلہ العالی حضرت کے چاروں صاحبزادگان، حافظ محمد سعید لدھیانوی، حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی مدیر ”مکتبہ لدھیانوی“ کراچی، مولانا محمد طیب لدھیانوی اور مولانا حافظ محمد یحییٰ لدھیانوی جانشین حضرت اقدس مولانا محمد یوسف شہیدؒ اور دیگر علمائے کرام تشریف فرما تھے۔

اس موقع پر حضرت اقدس لدھیانوی شہیدؒ نے جلسہ کے اختتامی بیان میں مدرسہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: میرے والد ماجد نے بچوں کا مدرسہ قائم فرمایا۔ مجھ ناکارہ نے اپنے والد ماجد کے گلشن میں ایک اور پودا لگا کر بچیوں کا مدرسہ قائم کیا جو کہ میرے والد ماجد کی یادگار میں قائم کیا گیا ہے۔ جس کی افتتاحی تقریب میں ہم سب شریک ہیں۔ میری تمام علاقہ والوں سے گزارش ہے کہ اپنی بچیوں کو قرآنِ پاک حفظ و ناظرہ اور دینی تعلیم کے

لئے بھیجیں۔ میری دِلی خواہش ہے کہ ہر گاؤں میں، ہر گھر سے قرآنِ پاک کی تلاوت کی آواز آئے، یہ بہت بڑی تجارت ہے۔

حضرت اقدس شہیدؒ نے فرمایا: جس طرح میرے خاندان میں بیس پچیّس حفاظِ کرام ہیں، اگر بچیوں کا مدرسہ پہلے قائم کردیا جاتا تو آج میرے خاندان اور گاؤں میں (حافظ) بچیوں کی تعداد شاید اس سے بھی زیادہ ہوتی۔ آج مجھے احساس ہورہا ہے کہ مجھے یہ کام بہت پہلے کرنا چاہئے تھا۔ الحمدللہ! اس وقت میرے اس چھوٹے سے گاؤں میں اسّی (۸۰) کے قریب حفاظِ کرام اور سترہ (۱۷) کے قریب علمائے کرام موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ناکارہ بھی ہے۔ یہ میرے والد ماجد کی دُعاؤں کا نتیجہ ہے۔

(حافظ عبدالرحمٰن، چک ۳۳۵-ڈبلیو-بی)

خودنوِشت سوانح

فہرست

جب ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی پہلی جلد تیار ہوکر طباعت کے لئے پریس جارہی تھی تو مفتی محمد جمیل خان مرحوم نے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ: ''حضرت! اس کتاب کے شروع میں آپ کے حالات آنے چاہئیں'' تو حضرت نے زور سے لاحول پڑھا اور فرمایا: ''میں کیا اور میرے حالات کیا؟ کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' دُوسرے دِن مفتی محمد جمیل خانؒ اپنے طور پر حضرت کے حالات پر مشتمل چند صفحات لکھ کر لائے اور حضرت کو دِکھائے۔ حضرت نے پہلا جملہ پڑھتے ہی غصّے میں وہ کاغذات پھینک دیئے اور پھر فرمایا: ''کوئی ضرورت نہیں!'' پھر دو تین دن کے بعد خود ہی فرمایا: ''جب تک مصنف و مؤلف کے حالات معلوم نہ ہوں اور یہ کہ اس نے کس سے استفادہ کیا؟ اور کن سے وابستگی رہی؟ لوگ کتاب پڑھتے بھی نہیں اور اس سے استفادہ بھی نہیں کرتے۔ اس لئے اپنے حالات میں خود ہی لکھ دیتا ہوں۔'' تو حضرتؒ نے اپنے حالات لکھے گویا کہ یہ آپ کی مختصر سی خودنوِشت سوانح ہے جو جلد اوّل میں ''تعارف'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ذیل میں بعینہٖ اسے نقل کیا جارہا ہے۔ البتہ کتب کی

فہرست میں وہ کتابیں بھی شامل کردی گئی ہیں جو بعد میں شائع ہوئیں، اور بعض وہ رسائل جو ''تحفۂ قادیانیت'' وغیرہ کتب میں آگئے ہیں، ان کا نام حذف کردیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ رقمطراز ہیں:

''مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حدِّ فاصل کا کام دیتا تھا۔ ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی ''عیسیٰ پور'' کے نام سے آباد تھی، جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی، یہ مصنف کا آبائی وطن تھا۔ تاریخِ ولادت محفوظ نہیں، اندازہ یہ ہے کہ سن ولادت ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء ہوگا۔ والدہ ماجدہ کا انتقال شیرخوارگی کے زمانے میں ہوگیا تھا۔ والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم ومغفور، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت اور ذاکر وشاغل اور زیرک وعاقل بزرگ تھے، دیہات میں پنچائتی فیصلے نمٹانے میں ان کا شُہرہ تھا۔ قریب کی بستی موضع جسووال میں والد صاحب کے پیر بھائی حضرت قاری ولی محمد صاحب ایک خضر صفت بزرگ تھے، قرآنِ کریم کی تعلیم انہی سے ہوئی۔ پرائمری کے بعد ۱۳ برس کی عمر ہوگی کہ لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے۔ یہاں حضرت مولانا امدادُ اللہ صاحب حصاروی سے فارسی پڑھی۔ اگلے سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا۔ دوسال یہاں مولانا انیس الرحمٰنؒ، مولانا لطف اللہ شہیدؒ ودیگر اساتذہ سے ابتدائی عربی کی کتابیں ہوئیں۔ ۲۷ر رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور مشرقی پنجاب سے مسلم آبادی کے انخلا کا ہنگامہ رستاخیز

پیش آیا۔ مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد چک ۵ ۳۳ ڈبلیو۔بی ضلع ملتان میں قیام ہوا۔ وہاں سے قریب منڈی جہانیاں میں چوہدری اللہ داد خان مرحوم کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں مدرسہ رحمانیہ تھا۔ وہاں حضرت مولانا غلام محمد لدھیانوی اور دیگر اساتذہ سے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ ایک سال مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاول نگر میں حضرت مولانا عبداللہ رائے پوریؒ، ان کے برادر خورد حضرت مولانا لطف اللہ شہید رائے پوریؒ اور حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدظلہ العالی سے متوسطات کی تعلیم ہوئی۔ اس کے بعد چار سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں تعلیم ہوئی۔ ۷۲۔۱۳۷۳ھ میں مشکوٰۃ شریف ہوئی۔ ۷۳۔۱۳۷۴ھ میں دورۂ حدیث اور دورۂ حدیث کے بعد ۷۴۔۱۳۷۵ھ میں تکمیل کی۔ خیر المدارس میں درج ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے:

حضرت اقدس استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ (بانی خیر المدارس وخلیفہ مجاز حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیرویؒ، حضرت مولانا محمد نورؒ، حضرت مولانا غلام حسینؒ، حضرت مولانا جمال الدینؒ، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ۔

تعلیم سے فراغت کے سال حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلۂ اشرفیہ، امدادیہ، صابریہ میں بیعت کی اور علومِ ظاہری کے ساتھ تعمیرِ باطن میں ان کے انوار وخیرات سے اِستفادہ کیا۔ تعلیم سے فراغت پر حضرت مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع

لائل پور کے مدرسے میں تدریس کے لئے تقرر ہوا، اور دو سال میں وہاں ابتدائی عربی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔ دو سال بعد حضرت مرشد نے ماموں کانجن ضلع لائل پور بھیج دیا۔ وہاں حضرت الاستاذ مولانا محمد شفیع ہوشیار پوریؒ کی معیت میں قریباً دس سال قیام رہا۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ لکھنے کا شوق شروع ہی سے تھا، مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں طبع زاد مشکوٰۃ کی تقریر ''التقرير النجيح'' کے نام سے تالیف کی تھی۔

سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریابادی کے رَدّ میں لکھا۔ موصوف نے ''صدقِ جدید'' میں ایک شذرہ قادیانیوں کی حمایت میں لکھا تھا، اس کے جواب میں ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ اس لئے برادرم مستری ذکراللہ کے ایما پر مرحوم کی تردید میں مضمون لکھا جو ''دارالعلوم'' ہی کی دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے ایڈیٹر مولانا ازہر شاہ قیصرؒ کی فرمائش پر ''فتنۂ اِنکارِ حدیث'' پر ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کے علاوہ ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں بھی شائع ہوا۔ جمعیت علمائے اسلام سرگودھا کے احباب نے اس کو کتاب کی شکل میں بھی شائع کیا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان ۱۹۶۲ء میں بی۔ڈی نظام کے تحت ملک کے صدر بنے تو پاکستان کے ''اکبرِ اعظم'' بننے کے خواب دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے رُفقاء کو ابوالفضل اور فیضی کا کردار ادا کرنے کے لئے بلایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی اسلام پر تابڑتوڑ حملے شروع کر دیئے۔ ان کے مضامین اخبارات

فہرست

کے علاوہ ''اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی'' کے ماہنامہ ''فکرونظر'' میں شائع ہورہے تھے۔ حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّراللہ مرقدہٗ کی تمام تر توجہ ''فضل الرحمانی فتنہ'' کے کچلنے میں لگی ہوئی تھی اور ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں اس فتنے کے خلاف جنگ کا بگل بجایا جاچکا تھا۔ ''بینات'' میں ڈاکٹر صاحب کے جو اِقتباسات شائع ہورہے تھے ان کی روشنی میں ایک مفصل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اُصول'' یہ مضمون ''بینات'' کو تصحیح کے لئے بھیجا تو حضرت اقدس بنوریؒ نے کراچی طلب فرمایا اور حکم فرمایا کہ ماموں کانجن سے ایک سال کی رُخصت لے کر کراچی آجاؤ۔ یہ ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی۔ سال ختم ہوا تو حکم فرمایا کہ یہاں مستقل قیام کرو۔ بعض وجوہ سے ان دِنوں کراچی میں مستقل قیام مشکل تھا، جب معذرت پیش کی تو فرمایا کہ کم سے کم ہر مہینے دس دِن ''بینات'' کے لئے دیا کرو۔ ہر مہینے دس دِن کا ناغہ ماموں کانجن کے حضرات نے قبول نہ کیا اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا حبیب اللہ رشیدی مرحوم ومغفور نے اس کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ تدریس کے لئے ماموں کانجن سے ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں تقرر ہوگیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک رہا، ۱۹۷۴ء میں حضرت اقدس بنوریؒ نے ''مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی امارت وصدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی تو جامعہ رشیدیہ کے بزرگوں سے فرمایا کہ ان کو جامعہ رشیدیہ سے ختمِ نبوّت کے مرکزی دفتر ملتان آنے کی اجازت دی جائے۔ ان حضرات نے بادِلِ نخواستہ اس کی اجازت دے دی۔ اس طرح

فہرست

جامعہ رشیدیہ سے تدریسی تعلق ختم ہوا۔ بیس دِن مجلس کے مرکزی دفتر ملتان میں اور دس دِن کراچی میں گزارنے کا سلسلہ حضرت کی وفات (۳؍ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ/ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۷۷ء) تک جاری رہا۔ حضرت بنوریؒ کا ہمیشہ اِصرار رہا کہ مستقل قیام کراچی میں رکھیں، ان کی وفات کے بعد ان کی خواہش کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح ۱۹۶۶ء سے آج تک ''بینات'' کی خدمت جاری ہے اور رَبِّ کریم کے فضل واحسان سے توقع ہے کہ مرتے دم تک جاری رہے گی۔

مئی ۱۹۷۸ء میں جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب نے ''جنگ'' کا اسلامی صفحہ ''اِقرأ'' جاری فرمایا تو ان کے اصرار اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا مفتی احمد الرحمنؒ کی تاکید وفرمائش پر اس سے منسلک ہوئے اور دیگر مضامین کے علاوہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کا مستقل سلسلہ شروع کیا۔ جس کے ذریعے بلامبالغہ لاکھوں مسائل کے جوابات، کچھ اخبارات کے ذریعے اور کچھ نجی طور پر لکھنے کی نوبت آئی۔ الحمدللہ! یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

بیعت کا تعلق حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری نوّراللہ مرقدہٗ سے تھا۔ ان کی وفات (۲۱؍شعبان ۱۳۹۰ھ/ ۲۲؍اکتوبر ۱۹۷۰ء) کے بعد حضرت قطب العالم ریحانۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نوّراللہ مرقدہٗ (المتوفی: ۲۴؍مئی ۱۹۸۲ء/ ۲۹؍رجب ۱۴۰۲ھ) سے رُجوع کیا اور حضرت شیخ نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ اسی کے ساتھ عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نوّراللہ مرقدہٗ (المتوفی: ۱۵؍رجب ۱۴۰۶ھ) نے بھی سندِ اجازت وخلافت عطا فرمائی۔''

ماہنامہ ''بینات''، ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' اور ماہنامہ ''اقرأ ڈائجسٹ'' کے علاوہ ملک کے مشہور علمی رسائل میں شائع شدہ سینکڑوں مضامین کے علاوہ چند کتابیں بھی تالیف کیں۔ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (مفتی خالد محمود، اقرأ روضۃ الاطفال)

حضرت شہید الاسلامؒ کی زندگی ایک نظر میں

شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی کمالات سے عبارت تھی اور کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں آپ کی نمایاں خدمات کو علمائے کرام نے خراجِ تحسین پیش نہ کیا ہو۔ قارئین کی سہولت کے لئے سن وار حضرت کی خدمات کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱۹۳۲ء:... ولادت بمقام عیسیٰ پور، ضلع لدھیانہ۔ والد کا نام چوہدری اللہ بخش تھا جو کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔

۱۹۳۴ء:... اس سال آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو عالم شیرخوارگی میں چھوڑ کر انتقال فرماگئیں۔

۱۹۴۴ء:... قاری ولی محمدؒ کے پاس قرآنِ کریم ناظرہ مکمل کیا اور اس عرصے میں پرائمری کی تعلیم بھی مکمل کی۔

۱۹۴۵ء:... مدرسہ محمودیہ اللہ والا ضلع لدھیانہ میں مولانا امداد اللہ صاحب سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۴۶ء:... مدرسہ انوریہ میں عربی کتابیں پڑھنے کے لئے داخلہ لیا۔

۱۹۴۸ء:... پاکستان کے قیام کے بعد ضلع ملتان میں منتقل ہوگئے اور وہاں مدرسہ رحمانیہ جہانیاں منڈی میں تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔

۱۹۴۹ء:... مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاول نگر میں مولانا لطف اللہ شہیدؒ اور مولانا عبداللہؒ سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔

فہرست

۱۹۵۰ء:... جامعہ خیرالمدارس ملتان میں خیرالاساتذہ حضرت اقدس مولانا خیرمحمد جالندھریؒ کی زیرِ سرپرستی تعلیم کا آغاز کیا۔

۱۹۵۲ء:... موقوف علیہ کی تعلیم (مع مشکوٰۃ شریف وغیرہ) کی تکمیل کر کے شاندار نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

۱۹۵۳ء:... دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور اوّل درجے میں کامیابی حاصل کر کے دستارِ فضیلت حاصل کی۔

اس سال حضرت اقدس مولانا خیرمحمد جالندھریؒ سے سلسلۂ اشرفیہ امدادیہ صابریہ میں بیعت کی اور علومِ ظاہریہ کے ساتھ علومِ باطنیہ میں بھی تدرج اور بلندی کا سلسلہ شروع ہوا، اور حضرت شہیدؒ نے اپنے آپ کو ہر اعتبار سے اپنے مرشد کے سپرد کردیا۔ اسی سال آپ کا پہلا عقد ہوا۔

فہرست

۱۹۵۴ء:... دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد دیگر علوم کی تکمیل کی۔ اسی سال اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ محمد سعید کی شکل میں فرزند عطا فرمایا۔

۱۹۵۵ء:... اپنے مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے مدرسہ سے تدریس کا آغاز کیا اور وہاں دو سال تک اِبتدائی عربی کتب سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تقریباً تمام ہی کتب پڑھائیں۔

۱۹۵۷ء:... مدرسہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن، ضلع لائل پور (فیصل آباد) میں مدرّس کی حیثیت سے دس سال قیام پذیر رہے۔

اس عرصہ میں آپ نے مختلف علوم وفنون کی تدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی شروع کردیا اور آپ کے مقالات ومضامین مختلف رسائل میں چھپنے شروع ہوگئے۔ ان رسائل میں ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ترجمانِ اسلام'' اور ماہنامہ ''بینات'' خاص طور پر شامل ہیں۔

۱۹۶۲ء:... پہلی اہلیہ رحلت فرماگئیں۔

۱۹۶۳ء:... پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی جانب سے ''صدقِ جدید'' میں قادیانیوں کی حمایت میں ایک شذرہ کے جواب میں تحریر فرمایا جو ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔

اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے مدیر نے ''اِنکارِ حدیث'' پر لکھنے کی فرمائش کی۔ یہ مضمون ''دارالعلوم'' دیوبند اور ''ترجمانِ اسلام'' میں شائع ہوا اور جمعیۃ علمائے اسلام نے کتابچے کی شکل میں شائع کراکر تقسیم کیا۔

۱۹۶۴ء:... دُوسرا عقد ہوا۔

۱۹۶۶ء:... حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کے حکم پر اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے مدرسہ سے ایک سال کی رُخصت لے کر کراچی تشریف لائے جہاں آپ نے ماہنامہ ''بینات'' کے کاموں کے سلسلے میں حضرت بنوریؒ کے معاون کے فرائض انجام دیئے۔

اس سال والدِ محترم کی خواہش پر حفظِ قرآن کی تکمیل کر کے رمضان المبارک میں والد صاحب کو قرآنِ کریم تراویح میں سنایا۔

صاحبزادہ محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی کی ولادت ہوئی۔

۱۹۶۷ء:... ایک سال ''بینات'' میں کام کرنے کے بعد آپ کا تقرر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں ہوا، لیکن اس طرح سے کہ آپ مہینے کے بیس دِن جامعہ رشیدیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے اور بقیہ دس دِن کے لئے کراچی تشریف لاتے، ماہنامہ ''بینات'' کا کام دیکھتے اور یہ سلسلہ سات، آٹھ سال چلتا رہا۔

۱۹۶۹ء:... والدِ محترم کے ہمراہ پہلے حج کی سعادت حاصل کی۔

۱۹۷۱ء:... صاحبزادہ محمد طیب لدھیانوی کی ولادت ہوئی۔

۱۹۷۲ء:... آپ نے علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کی فارسی تصنیف کا ترجمہ ''عہدِ نبوّت کے ماہ و سال'' کے عنوان سے شروع کیا۔

فہرست

۱۹۷۴ء:... یہ سال تحریکِ ختمِ نبوّت کے عروج کا تھا۔حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ نے ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی صدارت وامارت کی ذمہ داری سنبھالی تو حضرت لدھیانوی شہیدؒ کو بھی ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی دفتر ملتان طلب فرمالیا۔بعد ازاں آپ نے اپنے آپ کو دفترِ ختمِ نبوّت ملتان اور ماہنامہ ''بینات'' کے لئے مختص کردیا اور تدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

۱۹۷۵ء:... ''سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ'' نامی کتاب کے ترجمے کا آغاز۔

اس عرصے میں آپ بیس دِن ملتان دفترِ ختمِ نبوّت میں ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے کام کے سلسلے میں تشریف رکھتے، اور دس دِن کے لئے ''بینات'' کے کام کے لئے کراچی تشریف لاتے۔

۱۹۷۷ء:... اس سال حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے انتقال کے بعد آپ مستقل طور پر کراچی منتقل ہوگئے اور ماہنامہ ''بینات'' کی مستقل ذمہ داری سنبھال لی۔

فہرست

۱۹۷۸ء:... روزنامہ ''جنگ'' میں اسلامی صفحہ ''اِقرأ'' کے آغاز کے ساتھ ہی آپ نے اس کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے اس میں مختلف مضامین کے ساتھ ساتھ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے ایک کالم کے ذریعے عوام الناس کے فقہی مسائل کے جوابات لکھنے شروع کئے۔ یہ سلسلہ بے حد مقبول ہوا اور یہ آپ کی شہادت کے بعد بھی کئی ماہ تک چلتا رہا۔

اسی سال جون کے مہینے میں آپ کی مشہورِ زمانہ کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' شائع ہوکر مقبولِ عام ہوئی۔

۱۹۸۰ء:... جامع مسجد فلاح، فیڈرل بی ایریا، کراچی میں اِمامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کا آغاز فرمایا جو شہادت کے وقت تک جاری رہا۔

اسی سال حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ نے جن سے آپ نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے وصال کے بعد تجدیدِ بیعت کی

تھی، خلافت عطا فرمائی۔ یہ خلافت نامہ جب حضرت شہیدؒ نے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی جانب سے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

۱۹۸۱ء:...صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ کی ولادت ہوئی۔

۱۹۸۲ء:...ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' کا آپؒ کی زیرِ اِدارت آغاز ہوا۔

۱۹۸۵ء:...''اِقرأ ڈائجسٹ'' کی سرپرستی قبول فرمائی اور اس میں دیگر مضامین کے ساتھ ''مسائل کا حل'' نامی کالم تحریر فرمانا شروع کیا۔

رسالہ ''عصرِ حاضر احادیثِ نبوی کے آئینہ میں'' کی تالیف فرمائی۔

۱۹۸۸ء:... جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مفتی احمد الرحمٰنؒ کی خواہش پر دوبارہ تدریس کا آغاز کیا اور دورۂ حدیث شریف کتاب ابوداؤد شریف کا سبق شروع فرمایا۔

۱۹۸۹ء:...اس سال ستمبر کے مہینے میں روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے اسلامی صفحہ ''اِقرأ'' میں شائع ہونے والے آپ کے کالم ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' سے منتخب سوالات کے مجموعے کی پہلی جلد کی اسی نام سے اشاعت ہوئی۔

۱۹۹۰ء:...اس سال جون میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی دُوسری جلد شائع ہوئی۔

۱۹۹۱ء:...اس سال اگست میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی تیسری جلد کی اشاعت ہوئی۔

۱۹۹۳ء:...اس سال اپریل میں آپ کی کتاب ''شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم'' شائع ہوئی۔

۱۹۹۵ء:...اس سال جون کے مہینے میں ماہنامہ ''بینات'' میں شائع شدہ مختلف اہم شخصیات سے متعلق تأثرات پر مشتمل مجموعہ ''شخصیات وتأثرات'' کی اشاعت ہوئی۔

اسی ماہ درود شریف پر مشتمل آپ کا مجموعہ ''ذریعة الوصول الٰی جناب

الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔

ماہِ ستمبر میں ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کی چوتھی جلد شائع ہوئی۔

۱۹۹۶ء:...اس سال فروری کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت پر مشتمل آپ کی تالیف ’’اطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم ‘‘ شائع ہوکر منظرِ عام پر آئی۔

اسی سال آپ نے ’’اِقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ‘‘ کے بانی صدر حضرت مفتی ولی حسنؒ کے انتقال کے بعد اس ٹرسٹ کی صدارت قبول فرمائی۔

اسی سال ماہِ اپریل میں آپ کی تصنیف ’’رسائلِ یوسفی‘‘ منظرِ عام پر آئی۔

۱۹۹۷ء:...اس سال مارچ کے مہینے میں ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کی ساتویں جلد مرتب ہوکر منظرِ عام پر آئی۔

ماہِ اگست میں ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کی آٹھویں جلد شائع ہوئی۔

اس سال ماہِ دسمبر میں آپ کے مقالات کے مجموعہ ’’مقالاتِ یوسفی‘‘ المعروف بہ ’’حُسنِ یوسف‘‘ کی جلد اوّل کی اشاعت ہوئی (جو بعد میں ’’اربابِ اِقتدار سے کھری کھری باتیں‘‘ میں ضم کردی گئی)۔

۱۹۹۸ء:...اس سال ترمذی شریف کے ’’ابواب الزہد‘‘ کی احادیث کے ترجمے وتشریح پر مشتمل مجموعہ کی ’’دُنیا کی حقیقت‘‘ کے نام کتابی شکل میں اشاعت ہوئی۔

اسی سال آپ نے حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلویؒ کے مرتب کردہ دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اُصولوں پر مشتمل احادیث کے مجموعے کے ترجمے کا آغاز بھی فرمایا۔

اسی سال ماہ اکتوبر میں ’’دُنیا کی حقیقت‘‘ کی دُوسری جلد کی اشاعت ہوئی۔ (اب یہ کتاب مزید اضافہ کے ساتھ ’’معارفِ نبوی‘‘ کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہورہی ہے)۔

۱۹۹۹ء:...اس سال آپ نے ’’دعوت وتبلیغ کے چھ اُصولوں‘‘ کے ترجمے سے

فہرست

فراغت کے بعد اپنی آخری تصنیف حضرت العلامہ حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ کی عقائد پر مشتمل کتاب ''المعتمد فی المعتقد'' کے ترجمے کا آغاز فرمایا۔

اسی سال اگست میں ''رجم'' کے موضوع پر آپ کے مقالات ''رجم کی شرعی حیثیت'' کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوئے۔

اسی مہینے آپ کے مواعظ ''اِصلاحی مواعظ'' کی پہلی جلد کی شکل میں شائع ہوئے۔(اب ''اصلاحی مواعظ'' دس جلدوں پر مشتمل سیٹ ہے)۔

ماہِ نومبر میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی نویں جلد شائع ہوکر مقبولِ عام ہوئی۔(آپ کی شہادت کے بعد دسویں جلد شائع ہوئی۔اس کے بعد آپ کے تربیت یافتہ مفتیانِ کرام نے اس کتاب کی تخریج اور جدید ترتیب دی، اس طرح آٹھ جلدوں پر ضخیم مجموعہ مرتب ہوگیا)۔

فہرست

۲۰۰۰ء:...۷؍مارچ کو آخری سفرِ حج کے لئے روانگی ہوئی اور اسی ماہ کے آخر میں حج کے سفر سے واپس تشریف لائے۔

اسی سال مئی کے شروع میں آپ کے مقالات کے مجموعہ پر مشتمل کتاب ''دورِ حاضر کے تجدّد پسندوں کے افکار'' کی ترتیب وتکمیل ہوئی، جو حضرت کی شہادت کے بعد جون ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔

اس سال ۹؍مئی کو ملا محمد عمر مدظلہٗ کی دعوت پر افغانستان کے تاریخی سفر پر روانگی ہوئی۔''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے محاذوں کا دورہ فرمایا اور اگلے مورچوں پر شہادت کی تمنا اور دُعا فرمائی اور فائرنگ کی تربیت میں شرکت فرمائی۔

۱۶؍مئی بروز پیر کو عصر کے وقت سفرِ افغانستان سے کراچی واپسی ہوئی۔

۱۸؍مئی کو زیرِ ترجمہ کتاب ''المعتمد فی المعتقد'' کے صفحہ نمبر ۱۹۰ کا ترجمہ آخری دفعہ اِملا کرایا۔

۱۸؍مئی کو صبح ساڑھے دس بجے شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا۔

اسی دِن عشاء کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

نمازِ جنازہ بعد نمازِ عشاء شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ نے پڑھائی۔

رات ڈیڑھ بجے جامع مسجد خاتم النّبیین کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔

(مولانا مفتی مزمل حسین کاپڑیا)

دِینی تعلیم کا آغاز اور تکمیل

حضرت اقدسؒ کو اوائلِ عمر میں ہی حصولِ علم کے لئے مدرسہ میں داخل کرادیا گیا۔ اوّلاً آپ نے لدھیانہ (آبائی ضلع) کے مختلف مدارس دینیہ میں فارسی اور ابتدائی عربی کتب پڑھیں۔ تقسیمِ ملک کے بعد جہانیاں ملتان اور فقیر والی بہاول نگر کے مدارس میں متوسطات پڑھیں۔ مذکورہ بالا مدارس کے مشہور اساتذہ میں ولیٔ کامل، متبع سنت، درویش صفت حضرت مولانا امداد اللہ حصاروی، ورع وتقویٰ کے اِمام اور نمونۂ سلف حضرت اقدس مولانا عبداللہ رائے پوری، مجاہدِ اسلام مولانا قاری لطف اللہ رائے پوری شہید، جنیدِ وقت، عالمِ ربانی حضرت اقدس مولانا غلام اللہ فاضل دیوبند مفتی وخطیبِ اعظم جہانیاں... رحمہم اللہ... کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آپ فنافی العلم والکتاب تھے۔ نئی نئی کتابیں، ان کی شروح وحواشی خریدنے کا عشق تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کی چھٹی کے وقت دیگر طلبہ آرام اور نیند میں مصروف ہوجاتے، لیکن میں شہر کے کتب خانوں میں چلا جاتا۔ نئی کتابوں کی تلاش وحرص میں کتب خانوں کو خوب کھنگالتا، جو کتاب پسند آجاتی خرید لیتا۔ پیسے نہ ہوتے تو کسی شریکِ درس ساتھی کو آکر بتلادیتا کہ فلاں کتاب دستیاب ہے، جاکر خرید لو۔ آپ ساری ساری رات مطالعہ میں گزاردیتے۔ زمانۂ طالب علمی میں ہی علوم وفنون کی تمام درسی کتابوں پر عبور حاصل تھا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ کے تدریسی دور کے ضمن میں آئے گا۔ طالب علمی کا دور عموماً علمی آزادی کا دور ہوتا ہے، لیکن حضرتؒ اس دور میں بھی دوسرے طلبہ سے

فہرست

بالکل مختلف تھے۔ رُسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ راسخ فی العمل بھی تھے۔ نماز ہمیشہ باجماعت ادا کرتے، قرآن شریف کی تلاوت اور اَدعیہ مأثورہ کو حرزِ جان رکھتے۔ مدرسے کی شعبان ورمضان کی تعطیلات پر گھر آتے تو فوراً اپنا کمرہ مخصوص کر لیتے، صفائی وغیرہ کا انتظام کر کے کتابیں میز پر یا الماری میں سجاتے، فرش پر چٹائی بچھاتے اور پورا مدرسے کا ماحول جماتے۔ رمضان شریف میں تلاوت کا بہت اہتمام فرماتے، رمضان شریف میں دس دس قرآن ختم کرنا تو عام سا معمول تھا۔ غرض یہ کہ زمانۂ طالب علمی ہی سے حضرت اقدسؒ نہ صرف بحرِ علم کے غوّاص تھے بلکہ عمل کے بھی شہ سوار تھے۔ اسی انہماکِ علم کی وجہ سے آپ حضرت اقدس مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہٗ کے منظورِ نظر اور حضرت کے اخص شاگردوں میں شامل ہوئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ! (مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

ذہانت وفطانت کا عظیم نمونہ

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شوال ۱۳۶۸ھ میں جامعہ قاسم العلوم میں بحیثیت ایک طالبِ علم کے داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت مولانا فقیر اللہؒ (تلمیذِ خاص حضرت شیخ الہندؒ)، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، مولانا محمد عبد اللہؒ، قاری لطف اللہ شہیدؒ اور احقر جامعہ قاسم العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ جب مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے اسباق تقسیم کئے گئے تو ترجمہ قرآنِ پاک اور مختصر المعانی حضرت مولانا محمد عبد اللہؒ کے پاس، اور فقہِ حنفی کی معتبر کتاب ''ہدایہ اوّلین'' جناب قاری لطف اللہ شہیدؒ کے پاس، اور اُصولِ فقہ کی معروف کتاب ''نور الانوار'' احقر کے پاس تھی۔ تعلیمی سال کے اختتام پر کتبِ مذکورہ نصابِ مجوّزہ تک پہنچیں اور شعبان ۱۳۶۹ھ میں امتحان ہوا۔ امتحان کے بعد حضرت تعطیلات گزارنے کے لئے اپنے گھر چلے گئے اور بعد از تعطیلات آپ نے خیر المدارس میں داخلہ لے لیا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نہایت توجہ اور اِنہماک سے اسباق سنتے اور روزانہ

تمام اسباق ازبر یاد سناتے۔ ان کے رُفقاء کی اکثر سرزنش ہوتی، لیکن انہوں نے کبھی بھی سبق کی وجہ سے ڈانٹ نہیں کھائی۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ذَہانت وفَطانت کا عظیم نمونہ تھے۔ ہر وقت کتب کے مطالعہ اور تکرار میں مصروف رہتے۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اور کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ تعلیمی اوقات کے علاوہ ان کے رُفقائے درس کھیل میں مصروف ہوتے، مگر موصوف اپنا سبق یاد کرنے بیٹھ جاتے، مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے دورانِ تعلیم کسی اُستاذ سے کبھی جھڑک کھائی ہو۔

(مولانا عبداللطیف صاحب، مدرّس قاسم العلوم، ملتان)

سندِ حدیث

۱:... سندِ حدیث: حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ (خیرالمدارس ملتان)

۲:... سندِ حدیث: مفتی محمد شفیعؒ (مفتیٔ اعظم پاکستان)

۳:... سندِ حدیث: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ (مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

۴:... سندِ حدیث: مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

۱۹۷۴ء کی ختمِ نبوّت کی تحریک میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دارالعلوم میں حاضر ہوا، مٹھائی منگوائی اور خود اپنے اِصرار سے مجھے سند بھی عطا فرمائی۔ اس پر حضرت مفتی صاحبؒ کے دستخط موجود ہیں۔

۱۳۶۸ھ میں حج پر گیا، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہر سال جاتے تھے۔ والد ماجد کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بزرگ کے پاس لے گئے، صفا مروہ کے درمیان ملنا تھا۔ وہ نہیں ملے۔ واپسی پر آتے ہوئے فرمایا: تیس سال پہلے ان سے دوستی ہوئی تھی، میں نے ان سے اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دے دی۔ میں نے عرض کیا کہ ہمیں تو نہیں ملی۔ بڑے ہنسے اور پھر مدینہ منورہ پہنچ کر عربی میں روضۂ شریف کے سامنے یہ حدیث کی سند لکھ کر عطا فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ رمضان میں مفتی زین العابدین

فہرست

صاحبؒ کے مدرسے میں فیصل آباد میں تشریف لائے تو حضرت شیخ الحدیثؒ سے اجازت کی تحریک ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے تمام علماء کو اجازت دی۔ حدیثِ مسلسلات کی اجازت بھی دی اور دُوسری احادیث کی اجازت بھی دی۔ بغیر مانگے سند ملی۔

میری سندوں کے واسطوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اوّل:

٭... حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ

٭... حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

٭... حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ

٭... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

٭... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

دوم:

٭... حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

٭... حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

٭... شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ

٭... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

٭... حضرت شاہ عبدالغنیؒ

٭... حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ

٭... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

سوم:

٭... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

٭... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

فہرست

✽ ...حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

✽ ...حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ

✽ ...حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

✽ ...حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

پاکستان، ہندوستان کی تمام سندیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تک پہنچتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے آگے کی سند کی تفصیل حسب ذیل ہے:

شیخ ابوطاہرؒ، شیخ حسن عجمیؒ، شیخ عیسیٰ مغربیؒ، شیخ شہاب الدین احمد بن محمد غفاریؒ، بدرالدین حسن کرخیؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ، شیخ محمد ابن مقبل مغربیؒ، شیخ صلاح الدین ابن ابی محمد المقدسیؒ، ابوالحسن فخرالدین علی ابن محمد ابن احمد ابن بخاریؒ، ابوالحفص طبرزد بغدادیؒ، ابراہیم ابن محمد کرخیؒ۔

اس سے آگے کی سند کتاب میں دیکھو۔ میرے (حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ) اور حضرت امام ابوداؤد کے درمیان ۲۲ واسطے ہیں، کچھ حدیثیں ثلاثی ہیں۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ۲۵ واسطے ہوئے۔ (ڈاکٹر وسیم احمد صاحبؒ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کی جانب سے
اِجازتِ حدیث کی سند

بسم اللہ الرحیم

"الحمد للّٰہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد: فیقول العبد المفتقر الیٰ رحمۃ ربہ القصوی عبدہ زکریا بن العلامۃ حافظ القرآن والحدیث محمد یحیی الکاندھلوی نوّر اللہ مرقدہٗ ان اخًا لی فی الدین المولوی محمد یوسف بن حاجی اللہ بخش سمع

مما قرئَ علی من الحدیث المسلسل بالأوّلیة ومن اوائل الجامع الصحیح لأمیر المؤمنین فی الحدیث الإمام البخاری وطلب منی إجازتها وإجازة بقیة الامهات الستة فأجیزه بالشروط المعتبرة عند ائمة الحدیث من استقامة العقائد والأعمال علی طریقة السلف من الصحابة والتابعین واتباعهم وأُوصیه بتقوی الله والإعتصام بسنة سیّد الأنام علی صاحبها الف الف صلٰوة وسلام والإجتناب عن البدعات السیئة والتبعد عن صحبة المبتدعین والتفریق بین المسلمین وأن یحترز عن طلب لذات الدنیا وحماتها وعن إسائة الأدب بأکابر الأُمة وهداتها من الصحابة والتابعین والفقهاء المجتهدین والمشایخ العارفین وأن لاینسانی ومشایخی فی دعواته الصالحة واسأله تعالیٰ ان یوفقنی وإیاه لما یحب ویرضاه۔

لیلة الخامس والعشرین من رمضان ۱۴۰۰ھ
بمعتکف مسجد دار العلوم، فیصل آباد پاکستان

دورِ طالب علمی

حضرت سیّد عطاء المحسن بخاریؒ میرے مربی تھے، ان کی شفقت تھی کہ میں اپنے دِل کی باتیں ان سے کرلیتا۔ حضرت مولانا شہیدؒ کی تحریروں کے حوالے سے جب بھی ان کے ساتھ تبادلہ خیال ہوتا تو وہ ہمیشہ حضرت کی تعریف فرماتے۔ انہوں نے بھی مجھے بتایا کہ: ''مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا اور میرا زمانۂ طالب علمی ایک ہی ہے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں ہم ایک ساتھ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی صحبتوں اور شفقتوں سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس وقت لائق طالبِ علم تھے اور ان کا زیادہ وقت

مطالعہ اور کتب بینی میں صرف ہوتا۔ صحبتِ کتاب انہیں بہت عزیز تھی۔ وہ خاموش طبع تھے اور ان کی طبیعت شروع ہی سے مائل بہ تصوف تھی۔ اس لئے اکثر طلبہ انہیں صوفی کہتے تھے۔ انہوں نے نہایت محنت اور ذوق وشوق سے تحصیل علم کی۔ وہ ایک مثالی طالبِ علم تھے، اور آج وہ جو کچھ ہیں اپنے مربی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس اللہ سرہ العزیز کی توجہات کا نتیجہ ہیں۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کے تأثرات سن کر میرے دِل میں ان کا احترام پہلے سے بھی سوا ہوگیا۔ (سیّد محمد کفیل بخاری)

تعلیمی انہماک

حضرت اقدس نوّر اللہ مرقدہٗ نے ۲۳؍شوال ۱۴۲۰ھ کو ''مدرسہ زکریا الخیریہ'' متصل جامع مسجد فلاح کراچی میں درجہ تخصص کے افتتاحی درس کے دوران فرمایا تھا کہ:

''وقت کے ساتھ ساتھ زمانہ اور اس کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں چھٹیاں کم ہوتی تھیں اور پڑھائی زیادہ ہوتی تھی۔ مگر اب تعلیم کم اور چھٹیاں زیادہ ہوگئی ہیں۔ ابھی شوال کا مہینہ ختم ہورہا ہے اور اب تک تمہاری پڑھائی شروع نہیں ہوئی۔ ایک سال میں تخصص کیسے کروگے؟ پھر مٹرگشت بھی کرنا ہوگا۔'' پھر فرمایا کہ: ''ہمارے زمانے میں صرف تعلیم ہوا کرتی تھی اور کسی چیز کا خیال نہیں ہوا کرتا تھا۔ اب صرف تعلیم نہیں ہے باقی تمام چیزیں اور آرائشیں موجود ہیں۔ آج کل تو طالبِ علم کپڑے بھی بغیر استری کے نہیں پہنتے۔ ہمیں تو کپڑے دھونے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ اب تو اچھے اچھے کھانے ملتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ناشتے کا پتا بھی نہیں ہوتا تھا کہ کیسے کرتے ہیں؟ سوکھے ٹکڑے اور چنے کھا کر بھوک دُور کیا کرتے تھے۔''

اس پر حضرت والا نے اپنا ایک قصہ سنایا کہ: ''ایک بار میرا جوتا گم ہوگیا، میں اس وقت جامعہ خیر المدارس میں پڑھا کرتا تھا، میں نے پورے تین ماہ تک جوتا نہیں پہنا۔

فہرست

درس گاہ سے مسجد اور مسجد سے درسگاہ چلا جاتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ جامعہ کا مشرقی گیٹ کس طرح ہے اور مغربی گیٹ کس طرح ہے؟ مجھے یہ بھی علم نہ ہوتا تھا کہ جامعہ کی چاردیواری کے باہر کیا ہورہا ہے؟'' پھر فرمایا: ''میں نے سراجی کا کوئی مستقل گھنٹہ نہیں پڑھا بلکہ جب کھانا لینے کے لئے مطعم جایا کرتا اس وقت قطار میں کھڑے، کھڑے مولانا حافظ فیض احمد صاحبؒ ملتان والوں سے تکرار کرلیا کرتا تھا۔'' (صاحبزادہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی)

قرآنِ کریم سے شغف

حضرت اقدس لدھیانویؒ کو اوائلِ عمر ہی سے تلاوتِ قرآن پاک کا بے حد شوق تھا، آپ قرآن کے عاشق تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں رمضان شریف میں دس دس، پندرہ پندرہ قرآنِ پاک ختم کرنے کا معمول تھا۔ رمضان المبارک میں ضروری مطالعے کے سوا تمام اوقات کو تلاوتِ قرآنِ کریم سے مزین رکھتے۔ آپ نے شروع عمر میں قرآن مجید حفظ نہیں کیا بلکہ ماموں کانجن کے زمانۂ تدریس میں حفظِ قرآن سے مشرف ہوئے۔ آپ کے حفظِ قرآن کی تقریب اس طرح ہوئی کہ آپ کے فرزندِ اکبر صاحبزادہ محمد سعید سلّمہ ربہٗ نے قاعدہ نورانی کے بعد جب حفظ شروع کیا تو آپ معمولاً صاحبزادۂ گرامی کا سبق اور آموختہ سنتے۔ جب عزیز حافظ محمد سعید ان سپاروں سے آگے بڑھے جو حضرت کو پہلے سے حفظ تھے، آپ نے بھی عزیز محمد سعید کے ساتھ ساتھ حفظ کرنا شروع کردیا، تاآنکہ جس دِن صاحبزادہ محمد سعید صاحب کے ختم کی آمین ہوئی آپ بھی اس روز ماشاء اللہ! مکمل حافظِ قرآن ہوگئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك حمدًا کثیرًا لما یحب ربنا ویرضیٰ! باپ بیٹے نے اکٹھے حافظِ قرآن ہونے کی خوشی میں اساتذہ وطلبہ کی دعوت کا انتظام کیا۔ یاد رہے کہ آپ اس وقت مدرسہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن میں شعبۂ کتب کے مدرّس تھے۔ آپ کے حفظِ قرآن سے بظاہر فرائضِ تدریس میں کمی اور طلبہ کے نقصان کی وجہ سے مہتممِ مدرسہ اور دیگر اربابِ حل وعقد کو شکایت کا موقع مل سکتا تھا، اس لئے آپ نے اپنے پیر ومرشد حضرت

اقدس مولانا خیر محمدؒ بانی و مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان سے (جو مدرسہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن کے سرپرستِ اعلیٰ بھی تھے) خط لکھ کر حفظِ قرآن کی اجازت طلب کی۔ حضرت اقدسؒ نے دو شرطوں کے ساتھ اجازت مرحمت فرمادی، ایک یہ کہ طلبہ کی تعلیم کا حرج نہ ہو اور مہتمِم مدرسہ کو اِعتراض نہ ہو۔ دوم یہ کہ ذہن و دماغ پر بوجھ نہ پڑے۔ آپ نے ان دونوں شرطوں کو پورا کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحب سے اجازت مانگی تو انہوں نے بخوشی اجازت دے دی کہ ان شاء اللہ! آپ کی دیانت وامانت کے پیش نظر ہمیں یقین ہے کہ طلبہ کا تعلیمی نقصان بھی نہ ہوگا۔ دُوسری شرط جس کا تعلق آپ کی اپنی ذات سے تھا اس بارے میں آپ کو اطمینانِ کلی تھا کہ دماغ پر بوجھ نہ ہوگا۔ قرآنِ کریم کا حفظ جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی سے بھی ہمکنار فرمادیا، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء وله الحمد اولاً و آخراً! (مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے دارالحدیث میں قرآن کا دور

آج سے بیس اکیس برس پہلے کی بات ہے۔ ایک دن دوپہر کے وقت والد ماجد حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نوّر اللہ مرقدہٗ نے مجھ سے فرمایا کہ: ’’مدرسے سے ’’ماموں‘‘ کو بلا کر لاؤ! ہم ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔‘‘ میں بھاگا بھاگا گیا اور اپنے حقیقی ماموں جناب مولانا محمد بنوری مرحوم کو ان کے گھر سے بلا لایا اور پھر اپنے کھیل کود میں مشغول ہوگیا۔ ادھر والد ماجد اس انتظار میں رہے کہ ماموں آئیں تو کھانا شروع کریں۔ جب کافی دیر ہوگئی تو والد ماجد باہر تشریف لائے اور کسی قدر غصّے سے فرمایا: ’’میاں! میں نے تم سے ماموں کو بلانے کا کہا تھا اور تم یہاں کھیل رہے ہو؟‘‘

میں نے عرض کیا: ’’ابا جی! ماموں جان تو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، میں ان کو کب کا بلا لایا تھا!‘‘ حضرت والد ماجد ہنس کر فرمانے لگے: ’’ارے میاں! میں نے تمہارے ماموں کا تھوڑی کہا تھا؟ ماموں سے میری مراد ہمارے مولانا محمد یوسف صاحب

فہرست

لدھیانوی ماموں کا نجن والے ہیں۔ جاؤ انہیں بلالاؤ!'' میں دوڑا دوڑا گیا اور انہیں بلالایا۔ اس دِن مجھے معلوم ہوا کہ یہ ہیں میرے ابا جان اور ہم سب کے ماموں۔

آگے چل کر یہی ''ماموں'' ہمارے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّراللہ مرقدہٗ مرشد العلماء، حکیم العصر، فقیہ الملت کے نام سے مشہور ہوئے۔ جن سے ہمیں دورۂ حدیث کے سال ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جن کے علوم وفیوض سے کراچی، بیرونِ کراچی ملک اور بیرونِ ملک ہزاروں علماء، صلحاء اور مشائخِ عظام بلکہ پوری دُنیا نے استفادہ کیا۔

یہی تھے وہ ہمارے حضرت اقدس لدھیانوی نوّراللہ مرقدہٗ جو رمضان المبارک میں والد ماجد کے ساتھ مل کر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں ایک دُوسرے کو قرآنِ پاک سنایا کرتے تھے۔ یہی تھے وہ ہمارے حضرت ماموں جان جو بعد میں مسجد فلاح نصیر آباد میں ہزاروں متوسلین کے ساتھ معتکف ہوکر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ اِعتکاف کا اِحیاء کرتے ہوئے رمضان کے عشرۂ اَخیرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش میں رات رات بھر جاگ کر گزارتے۔

حضرت شہیدؒ کے ہاں پاکستان بھر میں اِعتکاف کا سب سے بڑا اِجتماع ہوتا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق حضرت کے ہاں پانچ سو معتکف ہوتے جن کے سحر واِفطار کے تمام اخراجات حضرت اپنی جیبِ خاص سے پورا فرماتے تھے۔

(صاحبزادہ مولانا عزیز الرحمٰن رحمانی)

اِقرأ رَوضۃ الاطفال اور حضرت مرحوم

اپریل ۱۹۹۵ء میں لاہور میں ''اِقرأ رَوضۃ الاطفال ٹرسٹ'' کا قیامِ عمل میں آیا اور مجھ ناچیز کو اس کے انتظام کی سعادت حاصل ہوئی۔ ستمبر ۱۹۹۵ء میں لاہور میں اِقرأ کی پہلی شاخ ''سیّدنا معاذ بن جبلؓ'' میں آغازِ تعلیم کے موقع پر حضرت تشریف لائے اور اس

کے بعد تا حیات وقتاً فوقتاً حضرت کی زیارت، نصائح اور ملفوظات سے اہلِ لاہور مشرف ہوتے رہے۔ بعض احباب جن میں برادرم عتیق انور صاحب کا نام سرِفہرست ہے، کے پُرخلوص اِصرار پر حضرت نے ہر شمسی مہینے کی پہلی اتوار کو ''اصلاحی خطاب'' کے عنوان سے جامعہ اشرفیہ (فیروز پور روڈ) میں نمازِ عصر کے بعد اِصلاحی بیان کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بعد میں یہ مجلس مسجد شہداء (مال روڈ) منتقل ہوگئی اور اب بھی حضرت اقدس کی جاری کردہ یہ مجلس یہیں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب دامت برکاتہم خطاب فرماتے ہیں۔ لاہور تشریف آوری کے موقع پر اور اسی طرح بعض اسفار میں بھی راقم کو حضرت کی خدمت و مصاحبت کا شرف حاصل رہتا تھا۔ اس دوران حضرت کی شخصیت کے جو پہلو بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے ان کا مختصر تذکرہ قارئین کی نذر ہے۔

شفقت ومحبت:... ہم نے حضرتؒ میں جو شفقت ومحبت دیکھی وہ کہیں اور نظر نہیں آئی، جو بھی آپ سے ملتا آپ کی شفقت ومحبت کی بنا پر آپ کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ آپ نصیحت بھی فرماتے تو آپ کے لب ولہجے سے اس خاص کیفیت کا اظہار نمایاں ہوتا تھا۔ آپ کی خدمت میں آنے والا آپ کے مصافحہ ومعانقہ سے اسی قدر مسرور ہوتا گویا اسے دونوں جہان مل گئے ہیں۔ آپ کی شہادت کے بعد ایک موقع پر ''اِقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ'' کے نائب امیر حضرت مفتی خالد محمود صاحب مدظلہٗ نے بڑی حسرت سے فرمایا: ''دُنیا اہل اللہ سے خالی نہیں، بزرگ تو ہمیں اور بھی مل جائیں گے، لیکن حضرت کی شفقت ومحبت اب کہاں ملے گی؟''

دِینی غیرت وحمیت:... اپنی تمام تر خوش خلقی اور شفقت ومحبت کے باوجود آپ دِینی غیرت وحمیت سے اس طرح سرشار تھے کہ دِینی اقدار کی پامالی پر ''بلاخوف لومۃ لائم'' برملا نکیر فرماتے اور پوری شدّت کے ساتھ اپنی بیزاری کا اظہار فرمادیا کرتے تھے۔ اچھی طرح یاد ہے کہ لاہور تشریف آوری کے ابتدائی ایام میں ایک مخلص ساتھی نے اپنے گھر پر

فہرست

حضرتؒ کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ حضرتؒ کے ہمراہ مفتی محمد جمیل خان مدظلہٗ، راقم اور دیگر احباب بھی تھے۔ ہم جونہی ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئے، حضرت کی نگاہیں آویزاں تصاویر پر پڑیں، چہرے کی کیفیات بدل گئیں، انتہائی غصّے کے عالم میں فرمایا: ''ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتے جس میں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوتے ہوں۔'' اور فوراً واپسی کے لئے پلٹے، مفتی جمیل صاحب اور دیگر احباب نے بمشکل حضرت کو روکا، اس دوران تصاویر ہٹادی گئیں، صاحبِ خانہ نے آئندہ تصویر نہ لگانے کے وعدے پر حضرتؒ سے تشریف رکھنے کی درخواست اور لجاجت کی۔ الحمدللہ! انہوں نے وعدہ پورا کیا۔ آج ان کے چہرے پر سنتِ نبوی کی بہار لہلہارہی ہے اوران کی زندگی میں نمایاں انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔

ایک زندہ کرامت:... جن حضرات کو حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا ہے وہ گواہ ہیں کہ حضرت داڑھی تراشنے یا منڈوانے کو انتہائی بُرا سمجھتے تھے، اور ہر مجلس میں ہر موقع پر سنت کے مطابق داڑھی رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت کی زندہ کرامت یہ دیکھنے میں آئی کہ اگر حضرت کسی داڑھی منڈے کے چہرے پر اپنے پیارے ہاتھ پھیر دیتے تو تھوڑے ہی دِنوں میں سنتِ نبوی سے اس کا چہرہ مزین ہوجاتا تھا۔ میں بعض ایسے احباب سے بھی واقف ہوں جنہیں داڑھی نہ رکھنے کی ضد تھی، لیکن حضرت کے دستِ مبارک کی مسیحائی نے ان کا علاج بھی کردیا۔ ایسے مواقع پر بعض خدام مسکراتے ہوئے کہا کرتے تھے: ''لو بھائی! اب ان کا بھی کام ہوگیا۔''

عزم وحوصلہ:... یوں تو ہمارے تمام اکابر میں یہ بات پائی جاتی تھی کہ پیرانہ سالی وضعف کے باوجود خدمتِ دِین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، لیکن حضرت کے عزم وحوصلے پر تو ہم حیران رہ جاتے تھے۔ بارہا دیکھا کہ مسلسل سفر اور مشغولیات کی بنا پر حضرت کے ہمرکاب احباب تھک جاتے تھے اور آرام کی طلب محسوس کرنے لگتے تھے، لیکن اپنے ''پیر'' کے عزمِ جواں کو دیکھ کر دوبارہ حوصلہ پاتے اور کمر کس لیتے تھے۔

جب گلگت میں اِقرأ کی شاخوں کا قیام عمل میں آیا تو دُعا کے لئے حضرت بھی

گلگت تشریف لے گئے۔ اِقرأ کی ایک شاخ گلگت کے انتہائی سرے یٰسین میں بھی قائم ہوئی جس کے افتتاح کے لئے حضرت کو یٰسین بھی جانا تھا۔ جن حضرات نے اس راہ پر سفر کیا ہے وہ راہ کی دشواریوں سے خوب واقف ہیں۔ میری ذاتی خواہش تو یہی تھی کہ حضرت کو گلگت سے آگے سفر کی زحمت نہ دی جائے، لیکن حضرت کے ذوق وشوق اور رغبت کو مدنظر رکھتے ہوئے مفتی جمیل خان صاحب نے وہاں کا پروگرام ترتیب دے لیا۔

گلگت سے یٰسین تک کا دوطرفہ سفر آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تنگ اور ناہموار راستوں پر ہچکولے لیتی ہوئی جیپ! ایک جانب بلند وبالا پہاڑ جن سے بعض اوقات مٹی کے تودے یا پتھریلے ٹکڑے اچانک سڑک پر آجاتے تو دُوسری جانب دریائے گلگت پوری قوّت کے ساتھ رواں دواں۔ اگر سامنے سے گاڑی آجائے تو بمشکل کراسنگ ہو، بعض مقامات پر دوگاڑیاں تو درکنار ایک گاڑی کا بھی گزر بظاہر ناممکن ہے، پھر کئی گھنٹوں کا مسلسل سفر، لیکن حضرتؒ کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ اور گاہے، گاہے زبان سے باآواز بلند شکر وحمد کے کلمات کا صدور! ہم خستہ حالوں کے حوصلے بھی بلند ہوجاتے تھے، حضرتؒ کے فرحت وسکون سے معمور چہرے کو دیکھ کر ہم بھی پُرسکون ہوجاتے تھے۔ دورانِ سفر جہاں احباب نے فرمائش کی، حضرت کا بیان ہوا، اور حضرت نے اپنی عادت سے ہٹ کر عام بیعت بھی فرمائی اور معمولات تلقین کئے۔

اسی طرح جب حضرت لاہور تشریف لائے تو مقرّرہ ماہانہ اِصلاحی مجلس کے علاوہ اسی روز کسی مسجد یا مدرسہ میں ایک اور مجلس کا بھی اہتمام کرلیا جاتا تھا۔ حضرتؒ بخوشی وہاں بھی تشریف لے جاتے اور بیان فرماتے۔ بعض اوقات دو سے زائد مقامات پر بھی جانا ہوتا، لیکن حضرت کے چہرے سے کبھی اکتاہٹ یا تکان کا اظہار نہ ہوتا۔ اگر کبھی خدام حضرتؒ کے آرام کو مدنظر رکھتے ہوئے اضافی پروگرام نہ رکھتے تو حضرت تبسم کے ساتھ شکوہ فرماتے: ''اس دفعہ تو تم نے ہم سے کوئی کام ہی نہیں لیا!'' حضرتؒ نے لاہور میں اپنے خدام کو اجازت دے رکھی تھی کہ دِین کی نسبت سے جہاں مناسب سمجھو پروگرام رکھ لیا کرو، میں

فہرست

ضرور حاضر ہوں گا۔ حتیٰ کہ فرماتے: ''دِین کے لئے تم مجھے جہاں بھیجو گے میں تیار ہوں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

اُمورِ ثلاثہ:...حضرت کے بیانات بلاشبہ ''ان من البیان سحرا'' کے مصداق ہوتے تھے۔ ہر ایک محسوس کرتا کہ خاص مجھ سے خطاب ہو رہا ہے۔ ''اَز دلِ خیزد بردلِ ریزد'' والا معاملہ ہوتا تھا، آپ دیگر اُمور کے علاوہ درج ذیل تین باتوں کی انتہائی اہتمام کے ساتھ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

* ...نماز ہمیشہ تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ (حضرت عموماً تکبیرِ اُولیٰ کی جگہ ''تکبیرِ تحریمہ'' کے الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے)۔
* ...بلاناغہ تلاوتِ کلامِ پاک کا اہتمام فرمائیں۔
* ...اپنی شکل وصورت (خصوصاً داڑھی) اور وضع قطع سنت کے مطابق بنائیں، حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ حضرت چھوٹے بچوں کو بھی اگر کالر والی قمیص پہنے دیکھ لیتے تو والدین کو نصیحت فرماتے کہ بچوں کو بھی علماء وصلحاء کے لباس جیسا لباس پہنایا کریں۔

حضرتؒ کے کس کس انداز کا تذکرہ ہو:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

(قاری شبیر احمد، لاہور)

مستجاب الدعوات

حضرتؒ بہت ہی مستجاب الدعوات تھے۔ چارلی شہر میں حضرتؒ کا بیان ہوا، میں نے حضرت مفتی جمیل خان صاحب سے درخواست کی کہ حضرت اقدسؒ سے دُعا کرانی ہے، کیونکہ میرے دوست اور چارلی کے غازی مجاہد جناب عبدالبصیر صاحب کی والدہ ماجدہ جو بہت ہی نیک خاتون ہیں، بہت سخت تکلیف اور بیماری میں مبتلا ہیں۔ حضرت اقدس نے

پانی پر دَم کیا اور فرمایا کہ پانی اس خاتون کو پلایا کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ دُعا بھی فرمائی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب پتا چلا کہ بحمداللہ! حضرت کی دُعا اور دَم کے اثر سے اس خاتون کی تمام تکالیف ایک دم غائب ہوگئیں اور بالکل تندرست ہوگئیں۔

حضرت اقدسؒ سے اللہ تعالیٰ نے تمام فرق ہائے باطلہ کی سرکوبی کا کام لیا اور آپ نے ایسی ایسی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو رہتی دُنیا تک اُمت کی راہنمائی کرتی رہیں گی۔ جماعتوں کی جماعتیں بھی وہ کام نہیں کرسکتیں جو اکیلے حضرت اقدس نے سرانجام دیا ہے۔

(مولانا نعیم امجد سلیمیؒ، کراچی)

تعدّدِ اَزواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق پروپیگنڈے کا دندان شکن جواب

یہ واقعہ میری موجودگی میں ماموں کانجن کا ہے کہ ایک نوجوان کئی دِن سے چکر لگا رہا تھا اور اپنے مسئلے کے حل کے لئے سرگرداں تھا۔ وہ مہتمم صاحب جناب حافظ حسام الدینؒ سے کئی مرتبہ مل چکا تھا، وہ چونکہ صرف حافظ تھے، عالم نہ تھے، وہ اس نوجوان کو مطمئن نہ کرسکے۔ اس نوجوان کی خلش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدّدِ اَزواج کے بارے میں تھی۔ مہتمم صاحب نے بڑے مولوی صاحب سے بات کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ نوجوان پڑھا لکھا ہے، لدھیانوی صاحب کی ڈیوٹی لگائیں کہ وہ اس سے بات کریں۔ چنانچہ اس نوجوان کو کہہ دیا کہ آپ کل ظہر کے بعد تشریف لائیں۔ دُوسری طرف حضرت کو بھی بتادیا گیا، حضرت نے فرمایا: ''کہاں ہے وہ نوجوان؟'' عرض کیا گیا: ''آج تو چلا گیا ہے، کل ظہر کے بعد آئے گا، آپ اسباق سے فارغ ہوکر بات کرلیں۔'' فرمانے لگے: ''دِل خون کے آنسو روتا ہے کہ اب مسلمانوں کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعددِ اَزواج سے متعلق اسلام دُشمنوں کے غلط پروپیگنڈے سے متأثر ہورہے ہیں۔'' دُوسرے دِن اس سے بات ہوئی، پہلے اس کا نام دریافت کیا، شاید اس لئے پوچھا ہوگا کہ معلوم ہوجائے کہ مسلمان بھی ہے یا کچھ اور بلا ہے۔ پھر اس سے تعلیم پوچھی، اس نے

کہا کہ بی۔اے کا طالب علم ہوں۔ یہ سن کر حضرت نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''بھائی! تم پہلے نوجوان ہو جو یہاں مسئلہ پوچھنے کے لئے تشریف لائے ہو، اس بات پر بہت مسرت ہے۔ پتا نہیں اس شہر میں سب عالم فاضل رہتے ہیں کہ کسی کو ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ آپ تو خدا کے فضل سے پڑھے لکھے ہیں، آپ سے تو ہم بھی فائدہ اٹھائیں گے۔'' اور پھر فرمایا: ''بھائی! اصل میں بات یہ ہے کہ:

۱:... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سال کی عمر تک ایک ہی زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زندگی گزاری جو بیوہ ہونے کے علاوہ چالیس سالہ تھیں، حالانکہ انسان کی خواہشات کے عروج کا یہی زمانہ ہوتا ہے۔

۲:... آپ کو علم ہے کہ کفارِ مکہ کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس تین شرائط لے کر آیا تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسین وجمیل عورتوں کی خواہش رکھتے ہیں تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں، لیکن کلمے کی دعوت چھوڑ دیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ تھا کہ: ''یہ لوگ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دُوسرے پر چاند رکھ دیں پھر بھی میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا۔'' پھر نوجوان سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''اس میں تمہاری خلش کی نفی ہے۔ اس نے اقرار کیا کہ بالکل ٹھیک۔

۳:... آپ کو علم ہے کہ ایک نبی میں جنت کے چالیس آدمیوں کی قوّت ہوتی ہے، اور ایک جنتی نوجوان میں دُنیا کے سو مردوں کی طاقت ہوگی۔ اور دُنیا میں ایک عام آدمی کو چار بیویوں کے نکاح کی اجازت ہے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کی طاقت تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند بیویوں پر اِکتفاء کیا اور وہ بھی زندگی کے آخری مرحلے میں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی شادیاں ہونی چاہئیں؟

۴:... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام نکاح بیوگان سے ہوئے۔ کیا خواہشات کا بندہ ایسا کرتا ہے؟

۵:... آپ جانتے ہیں کہ دِین کا علم جو خواتین کے بارے میں ہے، ایک باپ

اپنی پیاری بیٹی کو بھی نہیں بتا سکتا، صرف بیوی اپنے خاوند سے پوچھ کر عورتوں کو بتا سکتی ہے۔ یہ فریضہ اُمہات المؤمنینؓ نے ادا کیا۔ (نوجوان سے متوجہ ہوکر... بات سمجھ میں آرہی ہے؟... جواب: جی ہاں!)

۶:... اُمّ المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی مصلحت تو خود قرآنِ پاک نے بیان فرمائی ہے اور پھر اس پر خوب روشنی ڈالی۔

غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواجِ مطہرات حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا تذکرہ فرمایا اور وضاحت سے یہ بیان کیا کہ اس نسبت سے ان حضرات کو کیا فائدہ پہنچا؟ اور کن کن کی دلداری کی اور پوری اُمت کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟ کون کون سا قبیلہ اسلام کی طرف راغب ہوا اور بعض کے نکاح پر کتنے قیدی رہا ہوئے؟

جب یہ نمبر شمار چودہ پر پہنچا تو اس نوجوان نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ: ''حضرت! اب بس کریں، اگر آپ مجھے انسان سمجھتے ہیں تو میں سمجھ چکا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے میری رہنمائی فرمائی ہے، ورنہ کیا بعید تھا کہ اسلام دُشمنوں کے غلط پروپیگنڈے سے متأثر ہوکر میرا ایمان ہی سلب ہوجاتا۔'' یوں یہ مجلس نمازِ عصر سے پہلے شروع ہوئی اور نمازِ مغرب سے پہلے ہی اختتام کو پہنچی۔ (بھائی عبدالستار مرحوم، ملتان)

فہم وبصیرت

پہلے ہی دِن سے مولانا شہیدؒ کا یہ معمول تھا کہ جب لاہور تشریف لاتے تو ''مکتبہ رشیدیہ'' ضرور قدم رنجہ فرماتے۔ ایک دفعہ تشریف لائے، میں مکتبہ پر حاضر نہ تھا، میرے دو دوست نذیر جاوید اور میر مرحوم بیٹھے تھے۔ ثانی الذکر نے مولانا کو سادہ کپڑوں میں دیکھ کر مذاق سے کوئی بات کہی، جس طرح ہمارے معاشرے کا چلن ہوچکا ہے کہ ایک تو

ہر داڑھی والے کو ’’مولوی‘‘ سمجھتے ہیں، چاہے اسے کلمہ بھی صحیح نہ آتا ہو، اور دُوسرا اس سے مذاق کرنا معمول بن چکا ہے۔ یہ کوئی بیس پچیّس برس قبل کی بات ہے۔ مولانا کو کہیں جانے کی کوئی جلدی نہ تھی، میرا انتظار فرماتے اس کو سمجھانے لگے اور ایک گھنٹہ تک ایسی افہام وتفہیم سے گفتگو فرمائی کہ اس کا یہ حال تھا: ’’ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم‘‘ عام مجلس میں کوئی آپ سے بات کرتا تو اس کی ایسی تسلی کراتے کہ وہ آپ کا معترف ہوجاتا۔ میں نہ آیا اور مولانا انتظار کرکے چلے گئے۔ بعد میں مجھ سے ملاقات پر ان صاحب نے کہا کہ: ’’میں آپ کے دوست کو یونہی عام سا مولوی سمجھ کر چھیڑ بیٹھا، مگر انہوں نے مجھے چھٹی کا دودھ یاد کرادیا، میرا خیال ہے کہ اگر میری دوبارہ ان سے ملاقات ہوگئی تو وہ مجھے داڑھی بھی رکھادیں گے اور مجھے نمازی بھی بنادیں گے۔‘‘ (حافظ عبدالرشید ارشد مرحوم، لاہور)

تدریس کے لئے پہلی تقرری

آپؒ کی دو شادیاں تھیں، پہلی بیوی سے ایک بچہ اور ایک بچی ہے، اور دُوسری شادی سے تین بچے اور تین بچیاں ہیں، جو سب کے سب شادی شدہ ہیں۔ سوائے چھوٹے فرزند عزیز محمد یحییٰ سلّمہ کے، جو ابھی زیرِ تعلیم ہے۔ اور بچوں میں سے ہر ایک آپ پر فدا ہوتا تھا، چھوٹے برخوردار نے تو عملی طور پر یہ مظاہرہ کر دِکھایا کہ شہادت کے موقع پر یہی ساتھ تھا، اور حضرت کے اُوپر لیٹ گیا، تاکہ گولی اسے لگے اور حضرت بچ جائیں۔ لیکن قدرت کے فیصلے کو کون تبدیل کرسکتا ہے؟ عزیز یحییٰ سلّمہ کے جسم سے پار ہوتی ہوئی گولی حضرت کے جسم میں پیوست ہوگئی اور حضرت شہید ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کریں اور حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

پچھلے سال کی بات ہے کہ حضرتؒ کی چھوٹی صاحبزادی سسرال جارہی تھی، حضرتؒ اِعتکاف میں تھے، بچی ملنے کے لئے محراب کی جانب سے آئی، چونکہ وہ پہلی بار گھر سے جارہی تھی، اس لئے بے کل ہوگئی، اس پر آپ بھی آبدیدہ ہوگئے۔ محراب میں مجھے بھی بلا رکھا تھا۔

فہرست

بعد میں فرمانے لگے: ''بھائی یہ بچی میری جدائی برداشت نہیں کرسکتی!'' اور سب سے بڑی بچی کا حال تو یہ ہے کہ حضرتؒ کی شہادت کو آٹھ ماہ ہوچکے ہیں لیکن وہ ابھی تک پوری طرح ہوش میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں کفالت فرمائے۔ غرض حضرت کی شہادت نے آپ کے پورے خاندان کو کھوکھلا کردیا۔ بقول ڈاکٹر پروفیسر محمد طیب (لاہور): ''آپ سب کو یتیم کرگئے!''

آپ نے ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم قصبہ جسووال میں حاصل کی، بعد میں ابتدائی کتب لدھیانہ میں شروع کیں۔ پاکستان بننے پر جہانیاں (ضلع ملتان) فقیروالی اور پھر دورۂ حدیث خیرالمدارس ملتان سے کیا اور مولانا خیرمحمد جالندھریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس کو بڑا کہا اس کی مان کر چلتے تھے۔ حضرتؒ کے کہنے پر روشن والا فیصل آباد میں تعلیم کا آغاز کیا، جہاں بڑی عمر کا ایک زمیندار چوہدری محمد طفیل طالب علم تھا۔ جس نے صرف ونحو سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک آپ سے تعلیم حاصل کی، اس دوران کوئی دُوسرا طالبِ علم ساتھ نہ تھا، ان صاحب نے آپ کو رہائش کے لئے مکان دے رکھا تھا، کیونکہ بچے آپ کے ساتھ تھے اور گزران کے لئے ۷۴ روپیہ آپ کو تنخواہ دیتا تھا۔

یہ جملہ معترضہ کہہ لیجئے کہ آپ نے کبھی تنخواہ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کبھی تنخواہ کی رقم کو گنا، یہ آپ کی زندگی کا اُصول تھا۔ بہرکیف! ان صاحب کی تعلیم ختم ہوئی تو ساتھ ہی مدرسہ بھی ختم ہوگیا۔

اس کے بعد حضرت کے پیرومرشد نے آپ کی تقرری مدرسہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن میں کردی، کیونکہ وہ مدرسہ بھی حضرت مولانا خیرمحمد جالندھریؒ کی زیرِ نگرانی چل رہا تھا۔ وہاں درجہ کتب کے دو استاد تھے، ایک حضرت شہیدؒ، دُوسرے آپ کے اُستاذ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب ہوشیارپوریؒ تھے۔ جن سے آپ نے ابتدائی کتابیں جہانیاں منڈی میں پڑھی تھیں۔

فہرست

ان حالات میں اس مدرسے میں آپ کے لئے کام کرنا تو بہت آسان تھا، لیکن کمی اس بات کی تھی کہ وہاں درجہ کتب کے طلبہ بہت کم تھے، اس کمی کو آپ نے اس طرح پورا کیا کہ عزیز واقارب اور اپنے احباب ورُفقاء حضرات کے ہاں مدرسے کی تعطیلات میں تشریف لے جاتے جس کے ہاں دو تین بچے دیکھے، ان میں سے ایک اللہ کے لئے مانگ لیا، بعض جگہ تو دو میں سے ایک کا بھی انتخاب کیا، اب الحمدللہ! وہ تمام علماء، فضلاء اور متقی صاحبان آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔ (بھائی عبدالستار مرحوم، ملتان)

تدریسی دور

حضرت اقدسؒ کے تدریسی دور کا تذکرہ کرنے سے پہلے حضرتؒ کا ایک اُصولِ زندگی تحریر کرتا ہوں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو خود بڑا بننے کی بجائے خود کو بڑوں کے سپرد کر دینا چاہئے، اس میں دِین ودُنیا دونوں کی راحت ہے، اور آدمی کسی مشکل یا پریشانی کا شکار نہیں ہوتا۔ حضرتؒ نے پوری زندگی اس اُصول پر بھرپور عمل کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنا نظامِ حیات دو بڑوں کے ہاتھوں میں دیا ہوا ہے، میرے دُنیوی معاملات حضرت والد صاحب کے سپرد ہیں، جب کہ دِینی معاملات حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا خیر محمد قدس سرہ کی حیات تک تمام دِینی معاملات ان کے سپرد رہے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت اقدس بنوری قدس سرہٗ کو اپنا بڑا بنالیا۔ چنانچہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے سندِ فراغ حاصل کرنے کے بعد حضرت لدھیانویؒ حضرت اقدس مولانا خیر محمد نوّر اللہ مرقدہٗ کے حکم سے قصبہ روشن والا، ضلع فیصل آباد کے مدرسے (جو شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے برادرِ اکبر کا قائم کردہ تھا) میں تدریس کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں دو سال تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد مدرسہ عربیہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن میں مدرّس مقرّر ہوئے۔ مدرسہ اِحیاء العلوم نے آپ کے دورِ تدریس میں بڑی شہرت پائی اور پنجاب

فہرست

کے وسطانی مدارس میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا۔ مدرسہ عربیہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن میں حضرت اقدسؒ کا تدریسی دور گیارہ سال پر مشتمل ہے، مدرسہ ہذا میں آپ کو مشکوٰۃ شریف تک علوم وفنون کی تمام درسی کتابوں کے پڑھانے کا موقع میسر آیا۔

طریقۂ تدریس:... مدرسہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن میں علم وفن کی درسی متداول اور غیر متداول تمام کتابیں حضرت اقدس نے پڑھائیں اور پڑھانے کا حق ادا کیا۔ بغیر مطالعے کے اسباق پڑھانے کا قطعاً معمول نہ تھا، طلبہ سے باقاعدہ سبق سنتے، ہفتہ بھر کے آموختہ کو سنتے، عبارت کی صحت کا بہت اہتمام تھا، ترجمے کی ضرورت محسوس فرماتے تو ترجمہ بھی کرتے، ورنہ سبق کی تقریر ایسی ذہن نشین، سہل الحصول، مختصر، جامع اور مطلب خیز فرماتے کہ غبی طالبِ علم بھی سمجھ جاتا۔ مشکل اور پیچیدہ مقام اور سبق سے پہلے بتلائے بغیر سمجھانے اور ذہن نشین کروانے کے بعد فرماتے: ''یہ ہے وہ مسئلہ جو معرکۃ الآرا، دقیق اور مشکل سمجھا جاتا ہے۔'' طلبہ کے لئے بھی اگلے سبق کا مطالعہ ضروری تھا، جس میں عبارت کی تصحیح، صرفی نحوی قواعد کا لحاظ رکھنا، ترجمہ اور مطلب بیان کرنا شامل ہوتا۔ سالانہ امتحان کے موقع پر دریافت فرماتے کہ کون سی کتاب کے کون سے حصے کو دہرانے کی ضرورت ہے؟ بتانے پر رات گئے تک خود امتحان کی تیاری کراتے۔ تعلیم میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہ فرماتے، بلکہ سخت مؤاخذہ فرماتے۔ ایک بار ششماہی امتحان حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رائے پوریؒ مدیر جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے لیا، شومیٔ قسمت کہ تیسیر المنطق میں طلبہ کے نمبرات کم آئے۔ حضرت اقدس بعد نمازِ عشاء تشریف لائے، آتے ہی خوب برسے، اس وقت آپ کا غیظ وغضب قابلِ دید تھا۔ فرمایا: ''تمہیں پڑھانا اور دماغ کھپانا بے سود ہے، بس آئندہ تمہیں نہیں پڑھاؤں گا، بہت نام روشن کردیا تم نے۔'' طلبہ نے بہت لجاجت سے باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت! ہم نے سوالات کے جوابات ٹھیک دیئے ہیں اور بہت اچھا سنایا ہے۔ مگر حضرت مان کر ہی نہ دیئے بلکہ فرمایا کہ: ''اچھا! مولانا نے یونہی نمبر کم دے دیئے!'' مزید غضب ناک ہوگئے، دوسرے ہی روز نہایت جوش سے تیسیر المنطق دوبارہ

فہرست

پڑھائی شروع کی اور مکمل دوبارہ پڑھا دی۔ حضرتؒ تمام کتابوں کو نصاب کے مطابق مکمل کرانے کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ سالانہ امتحان کے موقع پر اوّل، دوم، سوم پوزیشن لینے والے طلبہ کو خصوصی شاباش کے ساتھ کتابیں انعام میں دینے کا معمول تھا۔ حضرت اقدس تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت پر بطور خاص نگاہ رکھتے، کبھی کبھی طلبہ کے کمروں اور سامان وغیرہ کا اچانک معائنہ فرماتے اور قابلِ اصلاح اُمور کی سختی سے اصلاح فرماتے۔

(مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

تدریسی خدمات

علماء وارثِ انبیاء کی حیثیت سے علومِ دینیہ کے محافظ ہوتے ہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وراثت میں اپنے علوم اُمت کے علمائے کرام کی طرف منتقل کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ اور ان کی وساطت سے سینہ بہ سینہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے یہ سلسلۂ اسناد بغیر کسی انقطاع کے حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور دیگر اساتذہ کے توسط سے شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے قلب و ذہن میں منتقل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امانت کی حفاظت کا ذریعہ درس و تدریس ہی ہے، اس لئے ہمارے اکابر علمائے کرام طالبِ علم کو دستارِ فضیلت مرحمت فرماتے ہوئے تدریس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرتؒ نے تکمیلِ تعلیم کے بعد اپنے آپ کو اپنے مربی و شیخ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے سپرد کر دیا۔ عام طور پر مہتمم حضرات قابل اساتذہ کے لئے اپنے مدرسے کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے محسوس کیا کہ اکابر کی موجودگی میں مولانا محمد یوسف کو اپنے جوہر دِکھانے کا موقع نہیں ملے گا اور تدریسی مہارت حاصل نہ ہو سکے گی، اس لئے آپ نے اپنی نگرانی میں ضلع لائل پور کے علاقہ روشن والا کے ایک مدرسے میں تدریس کے لئے آپ کو بھیج دیا۔ دو سال حضرت شہیدؒ نے اس مدرسے میں جس انتھک محنت سے پڑھایا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اِبتدائی کتابوں سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک آپ نے تمام کتابیں پڑھائیں، ایک اِبتدائی

فہرست

مدرّس کے لئے غالباً اتنی جلدی ترقی کی ایسی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ اس سے آپ کی علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ دو سال بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مشورہ سے ماموں کانجن کے مدرسہ اِحیاء العلوم میں تدریس کے لئے آپ کو بھیج دیا گیا، جہاں پر حضرتؒ دس سال تک تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ نے آپ کو ہر ماہ میں دس دِن ''بینات'' کے لئے کراچی آنے کا حکم فرمایا اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے بھی اس کی اجازت مرحمت فرمائی تو آپ نے مدرسہ والوں سے ہر ماہ دس دِن کی اجازت مانگی۔ ان کی طرف سے اجازت نہ ملنے کی بنا پر آپ نے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال والوں کی دعوت قبول کرلی اور وہاں تدریس شروع فرمادی۔ حضرت مولانا بنوریؒ جب ۱۹۷۴ء میں ''ختمِ نبوّت'' کے امیر مقرّر ہوئے تو جامعہ رشیدیہ والوں سے درخواست کی کہ حضرت شہیدؒ کو دفتر ختمِ نبوّت ملتان کے لئے اجازت دیں۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ کی اس درخواست کو اپنے لئے حکم کا درجہ سمجھتے ہوئے بغیر کسی توقف کے قبول فرمایا۔ حضرت شہیدِ اسلامؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا فاضل رشیدی اور دیگر لوگوں نے حضرت بنوریؒ کی اس درخواست پر کچھ کہنا چاہا، مگر حضرت مولانا فقیر اللہ فرمانے لگے: نہیں، جیسا حضرت بنوری کا حکم ہو۔ بہرحال اس طرح آپ کا تدریسی سلسلہ منقطع ہوا اور ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۸۸ء تک آپ نے صرف تصنیف و تالیف کا کام فرمایا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ۱۹۸۸ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں یکے بعد دیگرے ایسے حادثات پیش آئے کہ آپ کو ایک دفعہ پھر تدریس کے میدان میں آنا پڑا۔ اس لئے کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ مفتیٔ اعظم پاکستان فالج کی وجہ سے پڑھانے سے معذور ہوگئے، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ رحلت فرماگئے، حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی حضرت مولانا بنوریؒ کے زمانے ہی میں بیماری کی وجہ سے سوات تشریف لے گئے اور وہیں تدریس میں مشغول تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا بدیع الزمانؒ بھی بیمار

اور معذور ہوگئے، ان نازک لمحات میں جانشینِ بنوری اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ نے آپؒ سے فرمایا، اور وہ عجیب دور تھا، کیونکہ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ کے درمیان بے تکلفی تھی۔ مفتی صاحبؒ اکثر تشریف لاتے اور آپؒ کے دستِ مبارک سے قلم چھین کر فرماتے: ''ماموں! کبھی ہم سے بھی باتیں کیا کریں۔'' حضرتؒ اپنی نشست سے باہر تشریف لاتے اور پھر ایک عجیب رُوحانی محفل کا آغاز ہوجاتا۔ حضرت شہیدؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص ولی ہے، مگر اس نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔ بہرحال مفتی احمد الرحمٰنؒ نے بے تکلفی سے فرمایا: ''ماموں! آپ نے ابوداؤد شریف پڑھانی ہے۔'' حضرتؒ نے فرمایا: ''مجھ سے اب محنت کا کام نہیں ہوتا، میں پڑھانا چھوڑ چکا ہوں۔'' حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ''نہیں جی ہم نے فیصلہ کرلیا ہے، آپ نے ضرور پڑھانا ہے، ہمیں اور طلبہ کو اس کی ضرورت ہے۔'' معمولی سی ردوکد کے بعد حضرت شہیدؒ نے فرمایا: ''آپ کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے؟ جیسا آپ کا حکم!'' اس طرح کافی عرصے کے بعد حضرت شہیدؒ اپنے مرشد اور مربی محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی مسندِ حدیث پر تشریف فرما ہوئے تو اس مسند کی رونق دوبالا ہوگئی، ایسا محسوس ہونے لگا کہ حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کا درس دوبارہ شروع ہوگیا ہے۔ حضرتؒ نے مسندِ بنوری کو جو زینت بخشی تو شہادت سے ایک دن قبل تک آپؒ اس منصب کا حق نبھاتے رہے اور اگر شہادت پر فائز نہ ہوتے تو یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہوتا۔

حضرت شہیدؒ کی تدریس کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی تدریس! یہ دور آپ کی جوانی بلکہ نوجوانی کا دور تھا، اس میں آپ نے جو تدریس کی اس میں تربیت اور طلبہ میں علم کو راسخ کرنے کا جذبہ کارفرما تھا، اس لئے حضرتؒ نہ صرف خود بہت زیادہ محنت فرماتے بلکہ طلبہ پر بھی تعلیم کے سلسلے میں بہت زیادہ سختی فرماتے۔ اس دور کے شاگرد مولانا محمد اسلمؒ گوجرہ، مولانا ضیاء الدین آزاد، مولانا محمد حسین حسین پوریؒ، مولانا عبدالشکور مرحوم، مولانا محمد شفیع وغیرہ حضرت کی تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت شہیدؒ سبق پر

فہرست

بہت زیادہ گرفت فرماتے، اگر سبق یاد نہ ہوتا تو بعض اوقات سخت سزائیں بھی دیتے، بعض دفعہ پٹائی بھی کرتے تھے۔ خود حضرتؒ اکثر اس کا تذکرہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے میں نے کئی طلبہ کی پٹائی بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے ابتدائی دور میں پڑھنے والے طلبہ باوجود بڑے بڑے عالمِ دِین اور بڑے منصب پر پہنچنے کے آپ سے بہت زیادہ رُعب میں رہتے اور آخری وقت تک آپ سے کھل کر گفتگو نہیں کرسکتے تھے۔ اکثر یہ حضرات کہتے کہ: ''تم لوگ تو حضرت کے ساتھ اس طرح گفتگو کرلیتے ہو، ہم لوگ تو نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔'' بارہا یہ حضرات اپنے مافی الضمیر سے حضرت کو آگاہ کرنے کے لئے آج کل کے شاگردوں کی مدد لیتے۔ اس دور میں آپ نے ایک دِن میں کئی کئی کتابیں پڑھائیں، بہت تحقیق کے ساتھ کتاب کے پورے مفہوم سے طلبہ کو آگاہ کرتے، ان کو کتاب ذہن نشین کراتے اور دُوسرے دِن سنتے۔ طلبہ کو مطالعہ کے ذوق وشوق کی رغبت دلاتے، کام کرنے کی طرف متوجہ کرتے، جو طلبہ درس سے بے رغبتی کرتے آپ کو اس پر بہت زیادہ افسوس ہوتا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علم کو تعلیم کا شوق نہ ہو؟ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ طلبہ کو پڑھنے کے ساتھ لکھنے کی بھی ترغیب دیتے، فارغ ہونے والے حضرات کو تدریس پر لگاتے۔

حضرت شہیدؒ کی تدریس کا دُوسرا دور بڑی کتب کی تدریس کا دور تھا، جس کا زیادہ حصہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال یا جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں گزرا۔ یہ دور حضرتؒ کی تصنیف وتالیف کا دور تھا، آپؒ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ بجے تک تصنیف میں لگے رہتے، اس دوران آپ احادیث شریف کے دو یا تین سبق پڑھاتے۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں حدیث کی صرف ایک کتاب ابوداؤد شریف یا طحاوی شریف کا آپؒ درس دیا کرتے تھے، اکثر رات بارہ بجے تک آپ کتاب کا مطالعہ فرماتے، سبق کے گھنٹے سے پانچ یا دس منٹ بعد درس گاہ میں تشریف فرما ہوجاتے، طلبہ میں سے کسی سے عبارت پڑھواتے، پھر بہت ہی دھیمے انداز میں عقیدت ومحبت میں ڈُوب کر آپ احادیث شریف کا ترجمہ اور تشریح فرماتے۔ وقفے وقفے سے آپ طلبہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر ایک خاص التفات سے مسکراہٹ

فہرست

بکھیرتے تو پوری درس گاہ رُوحانیت سے منور ہوجاتی۔ آپ کی نگاہ میں ایسی تاثیر ہوتی کہ ہر طالبِ علم آپ کی محبت کا اسیر ہوکر رہ جاتا۔ اطمینان سے روزانہ اتنا سبق پڑھاتے کہ وقتِ مقرّرہ پر کتاب ختم فرمادیتے۔ اعمال والی احادیث پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے، طلبہ کو مسنون ہیئت کے ساتھ رہنے کی ترغیب دیتے۔ آخری دِنوں میں طلبہ میں ایک ایک پگڑی تقسیم کرتے، اس طرح عمامہ کی متروک سنت آپ عملی طور پر جاری فرماتے۔ احادیث کی تطبیق اس انداز میں فرماتے کہ سننے والے کو آسانی سے ذہن نشین ہوجاتی۔ اکابر علمائے کرام کے مسلک کی وضاحت فرماتے ہوئے اکابر کی تشریح پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے۔ ہمیشہ فرماتے کہ اکابر علمائے کرام کے مقابلے میں اپنی تحقیق کو ایک طرف پھینک دو۔ مثالوں سے واضح فرماتے کہ اکابر کے طریق سے ہٹنے والے اکثر گمراہ ہوگئے۔ اکثر طلبہ آپ سے بیعت بھی فرماتے، ایسے طلبہ کو اذکار واعمال کی تلقین بھی فرماتے۔ طلبہ کو مولوی فاضل یا عصری علوم پڑھنے سے بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے اور طلبہ میں مولویت کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کا تدریسی دور بلاشبہ اکابر اسلاف کے طرز کے مطابق مثالی دور تھا، جس میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے فیض حاصل کیا اور اس وقت پوری دُنیا میں علومِ دینیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ پاکستان اور بیرونِ پاکستان یہ طلبہ حضرت شہیدؒ کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ یہ حضرت شہیدؒ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

(مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

قرآنی خدمات کا مختصر جائزہ

مولانا کو اِبتداءً دیگر علوم بالخصوص فقہ، منطق اور حدیث سے شغف رہا، لیکن آخر میں قرآن سے خصوصی شغف پیدا ہوا، چنانچہ آپ اکثر تلاوت قرآن فرماتے تھے اور مریدین کو بھی کثرت تلاوت کی تلقین کرتے تھے۔ اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی قرآن کریم کے حوالے سے کوئی تقریب ہوتی اس میں حاضری کو سعادت جانتے اور شریک ہوتے، مکاتبِ قرآنیہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، یہی وجہ ہے کہ اِقرأ کے ہزاروں مکاتبِ قرآنیہ

آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ آپؒ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ: ''میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں اور الحمدللہ! کئی بار تراویح میں بھی سنایا ہے۔'' فرمایا: ''میری اولادوں، نواسوں، پوتوں میں سے اکثر حافظ ہیں۔'' سامعین سے فرمایا: ''آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنے کم ازکم ایک بچے کو حافظ بنائیں تاکہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔''

رمضان میں قرآن سے شغف کا یہ عالم تھا کہ اپنی مسجد میں آخری عمر تک کھڑے ہوکر تراویح پڑھتے، تراویح کے بعد اپنے صاحبزادے مولوی محمد یحییٰ سلّمہ سے نوافل میں تین پارے سنتے، پھر رات گئے دوسرے قاری صاحب سے قرآن سنتے تھے۔

مولانا کی پسندیدہ تفاسیر:... مولانا لدھیانویؒ کو قرآن کے ساتھ ساتھ تفسیرِ قرآن سے بھی خصوصی دِلچسپی تھی۔ آپ نے اپنے ایک مقالے میں چند پسندیدہ تفاسیر کا ذِکر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' (آٹھ جلدیں)، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ''معارف القرآن'' (چھ جلدیں)، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی ''تفسیر عثمانی'' (ایک جلد) اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کی تفسیر ''کشف الرحمٰن'' (دو جلدیں) کو مفید اور آسان تفسیر قرار دیتے ہوئے اہلِ علم اور عوام کو اس کی طرف توجہ دِلائی ہے۔

تفسیرِ قرآن کے اُصول وآداب:... مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تفسیرِ قرآن کے حوالے سے متقدمین کے اُصولوں کی پابندی کے قائل تھے، جیسا کہ مولانا کے ایک مضمون سے واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''تفسیر کے معنی ہیں: قرآن کے معانی کو بیان کرنا اور مرادِ خداوندی کی تعیین کرنا، اور تأویل کے معنی ہیں: قرآن کے الفاظ اور جملوں کو ان کی اصل مراد کی طرف لوٹانا۔''

مزید لکھتے ہیں: ''قرآن کی تفسیر وتشریح ایک کٹھن کام ہے اور نہایت نازک ذمہ داری ہے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم حق تعالیٰ شانہٗ کا مقدس کلام ہے اور قرآن کی تفسیر درحقیقت حق تعالیٰ شانہٗ کی ترجمانی کا نام ہے۔ جب ہم قرآنِ کریم کے کسی لفظ، کسی جملے یا کسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو گویا ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے،

فہرست

اس طرح اپنے بیان کئے ہوئے مفہوم کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں ذرا سی لغزش اور سہل انگاری اِفترا علی اللہ کا موجب ہوسکتی ہے اور اِفترا علی اللہ سنگین جرم ہے۔“

ایک مفسر میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ اس بارے میں مولانا بھی انہی پندرہ شرائط کے قائل ہیں جن کا عام علماء نے ذِکر کیا ہے، مثلاً: ۱-علمِ لغت۔ ۲-علمِ صرف۔ ۳-علمِ نحو۔ ۴-علمِ اشتقاق۔ ۵-علمِ معانی۔ ۶-علمِ بیان۔ ۷-علمِ بدیع۔ ۸-علمِ قراءت۔ ۹-علم اُصول الدین۔ ۱۰-علمِ اُصولِ فقہ۔ ۱۱-علمِ اسبابِ نزول۔ ۱۲-علمِ ناسخ ومنسوخ۔ ۱۳-علمِ فقہ۔ ۱۴-علمِ حدیث۔ ۱۵-نورِ بصیرت (اور وہبی علم جو شخص ان علوم میں مہارت رکھتا ہو اسی کو قرآن کی تفسیر کی اجازت ہے اور قرآنِ کریم کی تفسیر کرتے ہوئے چھ اُصولوں کو پیش نظر رکھنے کے قائل ہیں)

پہلا اُصول:... یہ کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔

دُوسرا اُصول:... یہ کہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل، ہدی وسیرت اور آپ کی سنت وطریقہ کو پیش نظر رکھے۔ اس پر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ”اگر نورِ بصیرت کے ساتھ احادیث شریفہ پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ بہت سی احادیث میں قرآنِ کریم کی تعبیرات کی طرف لطیف اشارات پائے جاتے ہیں۔“

تیسرا اُصول:... یہ بیان کیا ہے کہ تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی تفسیری آرا سے اِستفادہ کرے، ان کے خلاف تفسیر نہ کرے، کیونکہ صحابہ کرامؓ مدرسۂ نبوّت کے بلاواسطہ شاگرد ہیں، اس لئے ایک مفسر کے لئے اس کو نظرانداز کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اور اسی ضمن میں اکابر تابعینؒ کی تفسیر بھی آتی ہے، جنھوں نے صحابہ کرامؓ سے قرآنِ کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی، اس لئے مفسر پر لازم ہے کہ وہ صحابہؓ وتابعینؒ کی تفسیر کے خلاف نہ چلے۔

چوتھا اُصول:... یہ ہے کہ مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہلِ حق کے عقائد واعمال اور اخلاق کا پابند ہو۔

پانچواں اُصول:... یہ ہے کہ اسی طرح ہر قسم کی بدعت و کجروی سے مفسر کے ذہن کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ اس کی تفسیر نا قابلِ اعتماد ہوگی، کیونکہ وہ قرآنِ کریم کو اپنی بدعت کے رنگ میں ڈھالنا شروع کردے گا۔

چھٹا اُصول:... یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح مفسر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خیالات وافکار سے خالی الذہن ہوکر یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ اس آیت میں قرآنِ کریم کی دعوت کیا ہے اور کن کن مسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے؟ خود اپنے خیالات وافکار قرآنِ کریم میں ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔ اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ تفسیر بالرائے سے اِجتناب کرے، کیونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے اور اس پر سخت وعید آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”من قال فی القرآنِ برأیہ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ وفی روایۃ: من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار“ جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے، اور ایک روایت میں ہے کہ: جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

ایک اور حدیث میں ہے: ”من قال فی القرآنِ برأیہ فاصاب فقد اخطاء“ یعنی جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی، اس نے اگر ٹھیک کیا تب بھی غلط کیا۔

یہ چھ اُصول ہیں جنہیں تفسیرِ قرآن اور درسِ قرآن کے موقع پر پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ خود مولانا لدھیانویؒ نے بھی اپنے درسِ قرآن میں انہی اُصول کو پیشِ نظر رکھ کر درس دیا ہے۔

درسِ قرآنِ کریم کا تحقیقی تجزیہ:... مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے جہاں عوام کی

اصلاح کے لئے صحافتی زندگی سے وابستگی اختیار کی، وہیں اِمامت وخطابت کے ساتھ درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ مولاناؒ اپنی مسجد میں تقریباً ۲۲ سال سے درسِ قرآن دے رہے تھے، مولاناؒ کے بعض معتقدین اس درسِ قرآن کو آڈیو کیسٹ پر ریکارڈ کرتے رہے، اس ریکارڈ کا کچھ حصہ دفترِ ختمِ نبوّت میں مولانا جلال پوری کے پاس محفوظ ہے، اور کچھ حصہ ایک معتقد کے پاس محفوظ ہے۔ یہ مکمل درسِ قرآن تین سو سے زائد آڈیو کیسٹ میں محفوظ ہے۔ اسی آڈیو سے مولاناؒ کے بیان کردہ ''چھ اصول تفسیر'' کی روشنی میں اس درسِ قرآن کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔

ترجمۂ قرآن کی خصوصیات:... درسِ قرآن میں تفسیر سے پہلے ترجمۂ قرآن پیش کیا جاتا ہے، اس لئے پہلے ترجمے کے بارے میں اپنا تجزیہ پیش کر رہا ہوں۔ درسِ قرآن میں مولاناؒ کا اُصول یہ تھا کہ پہلے چند آیات کی تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے، پھر سلیس اور بامحاورہ ترجمہ قرآن پیش کرتے۔ مولاناؒ کے ترجمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص مترجم کا ترجمہ پیش نظر نہیں ہوتا، بلکہ یہ مولاناؒ کا اپنا ترجمہ ہوتا ہے۔ مولاناؒ کے ترجمے میں دُوسری بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کے مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں۔ ترجمے کے بعد آیات کے ایک ایک حصے کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دوبارہ ترجمہ سرسری انداز میں کرتے ہیں۔ لیکن لغات القرآن کی طرف سامعین کو مکرر متوجہ کرتے ہیں اور مادّے کی وضاحت کے ساتھ مترادف معانی بھی بیان کرتے ہیں۔

درسِ قرآن کی خصوصیات:... مولاناؒ درسِ قرآن دیتے ہوئے نہ مشکل علمی مباحث کو چھیڑتے ہیں اور نہ ہی ان کے درس میں غیرضروری طوالت ہوتی ہے، بلکہ اعتدال پایا جاتا ہے۔ جو خصوصیات سامنے آئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱:... یہ کہ درسِ قرآن میں آسمانی مذاہب اور آسمانی کتب کے ساتھ تقابلی مطالعہ نظر آتا ہے۔

۲:... پیش آنے والے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں۔ مثلاً: ''مُصَدِّقًا لِّمَا

فہرست

بَیۡنَ یَدَیۡہِ ’’ پر اِعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن خود تورات کی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ تورات کے اَحکامات کی اطاعت کریں۔ مولاناؒ نے اس موقع پر ایجابی اور سلبی انداز میں بہت عمدہ جوابات دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ مصدقہ تورات، زَبور، اِنجیل وہ تھی جو اس وقت نازل ہوئی تھی، جب کہ موجودہ تورات تو تحریف شدہ ہے۔ دُوسرے یہ کہ تصدیق کرنے کا مطلب اطاعت کو لازم نہیں کرتا۔

۳:... مولاناؒ کے درسِ قرآن کی ایک خصوصیت ان کا تمثیلی انداز ہے۔ مثلاً: ’’لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّ مِنۡہَاجًا ‘‘(المائدۃ:۴۸) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شریعتوں کی منسوخی اور ناسخ و منسوخ پر عمدہ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’یہ تبدیلی ایسی ہی ہے جیسے ایک طبیبِ حاذق، مریض کی حالت کے پیشِ نظر ایک دوا تجویز کرتا ہے، جب اس دوا کا اثر نمایاں ہوجاتا ہے، تو دُوسری دوا دیتا ہے۔ کبھی طبیب مریض کی حالت بدلنے پر دوا تبدیل کرتا ہے۔ انسان کا مزاج ہے وہ جس چیز کا عادی ہوجاتا ہے اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔‘‘ مولاناؒ عہدِ حاضر کی مثال دیتے ہیں جیسے آبا وَ اجداد کی رُسومات ہیں، لوگ انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔

۴:... درس دیتے ہوئے کتبِ سماوی سے بھی اِستشہاد پیش کرتے ہیں کہ تمام آسمانی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے نزول کا ذِکر موجود ہے۔

۵:... عہدِ حاضر کے فکری اِنحرافات کا بھی رَدّ فرماتے ہیں۔ مثلاً: ’’وَلَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَھُمۡ ‘‘ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ’’ہویٰ وہدیٰ‘‘ کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’آج اِجتہاد نام ہے، خواہشِ نفس کے مطابق شریعت کو ڈھالنے کا۔‘‘

(ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، کراچی)

شفقتِ پدری

شفقت کا یہ عالم تھا کہ اکثر میں رات کو اپنے اسباق کا مطالعہ کرتے کرتے سوجاتی

تو کمرے میں تشریف لاتے، کتابیں ترتیب سے رکھ کر لائٹ بند کرتے، اکثر اس کا تذکرہ بھی فرماتے اور کہتے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اُٹھا ہوں اور کتاب اس کے سینہ یا منہ پر نہ پڑی ہو، مجھے اُٹھا کر رکھنی پڑتی ہے۔ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود پڑھائی کے سلسلے میں جب میں ان سے کچھ پوچھتی تو انتہائی سہل اور دلکش انداز میں سمجھاتے کہ مشکل سے مشکل مقام بھی از بر ہو جاتا۔ (صاحبزادی ذ۔ک لدھیانوی)

دِینی مدارس کے تحفظ کے لئے حضرت شہیدؒ کی خدمات

دِینی مدارس کو آپ مسلم معاشرے کی بقاء کا ذریعہ تصور کرتے اور ان مدارس کے تحفظ کے لئے ہمہ قسم کی قربانی کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت سے عطا فرمایا تھا۔ ''مولویت'' آپ کا طرۂ امتیاز تھی اور آپ نہ صرف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرح مولویت کو باعثِ فخر تصور کرتے بلکہ مولویوں کو کسی دُوسرے کام میں مشغول دیکھ کر بہت زیادہ کڑھتے۔ مولوی فاضل یا منشی فاضل یا حکمت کا کورس وغیرہ کرنے یا عصری تعلیم کا پیوند لگانے کو مولوی کے لئے زہرِ قاتل تصور کرتے۔ مدارس کی چٹائیوں کو اُونچے اُونچے عہدوں پر فوقیت دیتے اور اس کی تلقین بھی کرتے۔ آپ کو ''اسلامی نظریاتی کونسل''، ''رُؤیتِ ہلال کمیٹی'' اور دیگر کئی عہدے پیش کئے گئے مگر آپ نے ہر ایک کو ٹھکرا دیا۔ آپ مولوی کے لئے سرکاری نوکری کو، سرکار کی خوشامد کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی طرح دِینی مدارس کی خودمختاری اور تحفظ کو ضروری قرار دیتے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں دِینی مدارس کے خلاف مہم چلی تو آپ نے حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی محمودؒ کی قیادت میں اس مہم کو ناکام بنایا، ''بینات'' وغیرہ میں مضامین شائع کئے۔ پھر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں جب دِینی مدارس کے خلاف آواز اُٹھی اور ان کو سرکاری تحویل میں لینے کا عندیہ ظاہر کیا گیا بلکہ ایک بورڈ تشکیل دے کر مدارس کے نصاب کو جدید نصاب سے ہم آہنگ کرنے کے منصوبے کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو

فہرست

حضرت شہیدؒ نے مفتی احمد الرحمٰنؒ کی مشاورت سے ''وفاق المدارس'' کے تعاون سے بھرپور مزاحمت کی اور روزنامہ ''جنگ'' میں بڑے وقیع اور مدلل مضامین کے ذریعے اس منصوبے کو مسترد کیا، جس پر جنرل ضیاء الحق مرحوم کو مشائخ کنونشن میں ہاتھ جوڑ کر اعلان کرنا پڑا کہ ہمارا ایسا کوئی منصوبہ نہیں۔

ایک دفعہ گورنر پنجاب نے دِینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضرت شہیدؒ نے بہت سخت انداز میں اس کو للکارا۔ اسی طرح احمد ندیم قاسمی بھی ایک دفعہ مدارس پر مہربان ہوئے تو حضرت شہیدؒ نے مدلل جواب کے ذریعے ان کو ساکت کیا۔ نواز شریف مدارس کے خلاف میدان میں آئے تو جمعیۃ علماء اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں تحریک چلی، اس موقع پر بھی آپؒ نے بھرپور انداز میں تعاون کیا۔ دِینی مدارس کے تحفظ کے ساتھ آپؒ اس کے قیام اور ترقی وترویج کے لئے بہت زیادہ کوشش کرتے، سینکڑوں مدارس آپ کی سرپرستی میں قائم ہوئے اور چل رہے ہیں، جب کہ ہزاروں مدارس کی آپؒ خصوصی طور پر امداد کرتے۔ رمضان المبارک میں دِینی مدارس کے سفراء اور علمائے کرام کا تانتا بندھا رہتا اور آپ بہت خوش دِلی کے ساتھ ان مدارس کو تصدیقات مرحمت فرماتے، خصوصی خطوط کے ذریعے مختلف احبابِ خیر کے پاس بھیج کر تعاون کراتے۔ آپ کی مسجد میں ہر نماز میں کئی کئی مدارس کے لئے لاکھوں کا چندہ ہوتا، گزشتہ سال آپ نے تیس لاکھ روپے سے اُوپر صرف مسجد فلاح سے مدارس کے لئے تعاون کرایا، جب کہ دیگر مقامات سے اس کے علاوہ رُقوم آپؒ نے دِلوائیں۔ آپؒ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب کے مسلک پر پورا یقین رکھتے تھے کہ مدارس کے قیام سے مدارس کی ضرورتیں خودبخود پوری ہوجاتی ہیں۔ اس پر ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ: ''ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب تشریف فرما تھے کہ مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی ناظم مدرسہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے تشریف لائے اور فرمایا کہ: ''مدرسہ میں نہ رقم ہے اور نہ ہی آٹا، دال۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ امداد فرمائے۔'' حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب نے یہ سن کر تھوڑی

فہرست

دیر سر جھکایا اور پھر سر اُٹھا کر فرمایا: ''حبیب اللہ! کوئی ایسی مسجد دیکھو جس میں مکتب نہ ہو، وہاں فوراً جا کر مکتب شروع کرادو۔''

مولانا فاضل رشیدی حیران ہوئے کہ مدرسے میں کھانے کو نہیں اور یہ مکتب کھولنے کا کہہ رہے ہیں۔ بہرحال حکم تھا، فوری طور پر مضافات کی ایک ویران مسجد میں جا کر مدرسہ شروع کر دیا اور آ کر اطلاع دی۔ حضرتؒ نے فرمایا: ''تمہارا کام ہو جائے گا۔'' یہ اطلاع دے کر مدرسے سے باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے پر پہنچے تو غلہ مارکیٹ کا صدر آتا ہوا نظر آیا۔ مولوی صاحب کو دیکھتے ہی بولا کہ: ''مولوی صاحب! مارکیٹ کی طرف سے غلہ جمع کر کے مدرسہ کے لئے رکھا ہوا ہے، آپ کب اٹھائیں گے؟'' مولوی صاحب نے کہا کہ: ''فوراً ابھی بھیجو!'' اس کے بعد بیس ہزار روپے پیش کئے کہ یہ بھی مارکیٹ والوں نے مدرسے کے لئے جمع کئے ہیں، میں وہ دینے کے لئے آیا تھا۔''

اسی طرح حضرت شہیدؒ بھی ہر عالمِ دین کو تلقین کرتے کہ اپنے اپنے علاقوں میں مدارس قائم کریں۔ پاکستان سے باہر بھی آپ نے بہت زیادہ مدارس قائم کئے۔

(مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

حضرت شہیدؒ بحیثیت مدیر ''اِقرأ روضۃ الاطفال''

''اِقرأ روضۃ الاطفال'' کا آغاز امامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، حضرت مولانا سیّد مصباح اللہ شاہؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ اور دیگر اکابر علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا۔ حضرت شہیدؒ ابتدا ہی سے اِقرأ کی سرپرستی خصوصی طور پر فرماتے تھے، امامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ اور مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے انتقال کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ، بمطابق ۱۹۹۵ء میں حضرت شہیدؒ سے مدینہ منورہ میں درخواست کی گئی کہ وہ ''اِقرأ روضۃ الاطفال'' کا باقاعدہ اہتمام

قبول کرلیں، حضرت شہیدؒ نے اس درخواست کو قبول فرما کر ایک تحریر مرحمت فرمائی جس میں تحریر فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

برادرم مولانا محمد جمیل خان کی فرمائش پر توکلاً علی اللہ ''اِقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ'' کے صدر و مہتمم کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ شانہ اس اِدارے کو اپنی رضا کے مطابق قائم دائم رکھے اور اس کے تمام کارکنان کو اخلاص و رضا کی دولت سے سرفراز فرمائے اور جملہ معاونین کے لئے اس کو صدقۂ جاریہ بنائے۔آمین! برحمتك یارب العالمین!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

نزیل مدینہ منورہ

زادھا اللہ شرفاً و کرمًا، ببرکۃ ساکنھا

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیمًا

۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

۷؍فروری ۱۹۹۵ء

اہتمام سنبھالتے ہی حضرت شہیدؒ نے باقاعدہ ''اِقرأ روضۃ الاطفال'' کی ترقی کے لئے لاہور، جہانیاں، پنڈی، پشاور، گلگت کے تفصیلی دورے کئے۔ ہر شاخ کے افتتاح کے موقع پر فرماتے کہ ''ان شاء اللہ! یہ شاخ کامیاب ہوگی، جلدی دُوسری شاخ شروع کریں گے۔'' حضرت کی دُعاؤں کی برکت اور آپ کی انتھک محنت سے ''اِقرأ روضۃ الاطفال'' نے بہت تیزی سے ترقی کی اور مختلف شہروں میں شاخوں کا آغاز ہوگیا، ہر جگہ آپ شاخ کے افتتاح کے لئے تشریف لے جاتے، سالانہ تقریبِ ختمِ قرآن میں شرکت کرتے، لوگوں کو اِقرأ کھولنے، اِقرأ میں بچے داخل کرنے کی ترغیب دیتے۔ آپؒ کی ترغیب سے گلگت میں جب کام شروع ہوا تو آپؒ موسم کی خرابی، راستے کی دُشواری کے

باوجود شاخوں کے افتتاح کے لئے خود تشریف لے گئے اور کئی کئی گھنٹے کا طویل سفر کر کے اِقرأ کی شاخوں کا افتتاح کیا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ آپؒ کی جدوجہد کے نتیجے میں الحمدللہ! اس سال گلگت میں ۱۹ر شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ جب کہ مزید ۶۵ کے قریب شاخوں کا منصوبہ ہے۔ الغرض ''اِقرأ روضۃ الاطفال'' نے آپؒ کے دورِ اِہتمام میں بہت زیادہ ترقیات کیں اور اس وقت پورے پاکستان میں چالیس سے زائد شاخوں میں پچّیس ہزار تعلیم حاصل کرنے والے بچے آپؒ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں اور مزید منصوبوں پر کام جاری ہے۔ (مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

حضرت شہیدؒ کے بیرونی اسفار

شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی کوشش ہوتی کہ سفر کم سے کم کریں تاکہ تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور اصلاح وتزکیۂ نفس کا کام جاری رہے۔ اس کے باوجود اَسفارِ حج وعمرہ کے علاوہ تردیدِ قادیانیت اور قادیانی مقدمات کے سلسلے میں آپؒ نے جنوبی افریقہ اور عرب امارات اور انگلینڈ کے اَسفار کئے۔ جنوبی افریقہ کا طویل سفر آپؒ نے مسلمانانِ افریقہ کی دعوت پر قادیانیوں کے ایک مقدمے کے سلسلے میں کیا تھا۔ یہ سفر اگرچہ ایک اعتبار سے تو آرام دہ تھا کہ زیادہ ادھر ادھر جانا نہیں تھا، بلکہ ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنا تھا، مگر اس اعتبار سے بہت زیادہ محنت طلب تھا کہ وکلا کی ٹیم اور ''ختمِ نبوّت'' کے نمائندوں کو تیار کرنا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں بے شمار کتابوں کا مطالعہ کر کے ہر دِن کے اعتبار سے تیاری کرانا ہوتی تھی، اس کے لئے دِن رات محنت کرنی پڑتی تھی، حضرت شہیدؒ نے بہت جانفشانی سے اس سلسلے میں کام کیا۔ ڈاکٹر محمود غازی کے مطابق زیادہ تر تیاری حضرت شہیدؒ ہی کرایا کرتے تھے۔ اس سفر میں آپؒ نے کچھ علاقوں کا دورہ کر کے علمائے کرام سے ملاقاتیں بھی کیں اور کئی ماہ تک آپ اس سلسلے میں جوہانس برگ میں مقیم رہے۔

دُوسرا سفر آپؒ نے ''ختمِ نبوّت دفتر، لندن'' کے فنڈز کے سلسلے میں عرب

فہرست

اِمارات وغیرہ کا کیا تھا۔ ایک اہم سفر آپ نے ازبکستان کا ایک ہفتے کا کیا۔ جس میں تاشقند، سمرقند اور بخارا تشریف لے گئے۔ بخارا میں ایک مسجد قادیانیوں کو دِی جارہی تھی اس کو رُکوایا۔ لاکھوں کی تعداد میں قرآنِ کریم شائع کر کے تقسیم کئے۔ ظلمت کدہ کفرستان میں قرآنِ کریم شائع کرائے، مساجد اور مدارس قائم کئے، دِینی کتب کی تقسیم کا بھی اہتمام کیا، اس کے علاوہ آپ کے تمام اَسفار عمرہ وحج کے ہیں۔

۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں حضرت شہیدؒ پہلی مرتبہ اپنے والدِ محترم کے ساتھ حج کی سعادت کے لئے تشریف لے گئے۔ والدِ محترم کا بھی پہلا حج تھا اور حضرت شہیدؒ کا بھی پہلا حج۔ اس حج میں آپ کو دو سعادتیں حاصل ہوئیں، ایک والد صاحب کی خدمت اور دُوسری حج کی سعادت۔ والدِ محترم حضرت رائے پوریؒ کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے، جہاں مجاہدہ ہی مجاہدہ کا رِواج تھا۔ حضرت شہیدؒ نوجوان تھے، اس سفر میں جو برکتیں اور تجلیاتِ ربانی اور روضۂ مبارک کی لذتیں لوٹی ہوں گی وہ تو حضرت شہیدؒ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز ہے۔ ویسے بھی حضرت شہیدؒ اخفاء کے بہت زیادہ قائل تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مسلک پر تھے کہ ساغر چھلکے نہیں۔ بقول حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کہ حضرت گنگوہیؒ نے سمندر کے سمندر پی لئے مگر ڈکار تک نہیں لی۔ مسلکِ حقہ علمائے دیوبند میں اظہار، ظرف کے چھلکنے کی دلیل ہے۔ اس بنا پر سیّد الطائفہ حضرت حاجی اِمدادُ اللہ مہاجر مکیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کوئی درود شریف مرحمت فرمائیں کہ جس کو پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوجائے؟ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: ''آپ کی بڑی ہمت ہے! ہمیں تو مواجہہ شریف جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر یہ دو حرف کی تہمت (علم کی نسبت) نہ لگی ہوتی تو کوئی جانتا بھی نہیں کہ قاسم کون ہے؟'' حضرت شہیدؒ اس مسئلے میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہم مسلک و مشرب تھے۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ شریف میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ بہرحال پہلے حج میں آپ نے والدِ محترم کے ساتھ

فہرست

خوب بیت اللہ شریف اور مسجدِ نبوی اور روضۂ مبارک کی برکات لوٹیں۔ آپ کے والدِ محترم پندرہ سپارے تلاوت کرتے، حضرت شہیدؒ کو تو ویسے بھی قرآن مجید سے خصوصی شغف تھا، اس لئے طواف کے علاوہ باقی وقت تلاوتِ کلام پاک میں گزرتا۔ پہلا حج تھا اس لئے آپ غارِ حرا، غارِ ثور اور دیگر زیارتوں پر بھی تشریف لے گئے۔ تہجد کے لئے حرم شریف پہنچ کر معمولات شروع فرماتے اور رات گئے تک مصروف رہتے۔ تکبیرِ تحریمہ کا تو ویسے بھی اہتمام تھا، بیت اللہ شریف میں اس کی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تلاوتِ کلام شریف کے ساتھ کثرت سے درود شریف پڑھنے کا معمول تھا، کئی کئی ہزار درود شریف کا روزانہ ورد فرماتے، زیادہ وقت مسجدِ نبوی میں گزارتے۔ پہلے حج کے معمولات چونکہ حضرت شہیدؒ بتایا نہیں کرتے تھے اس لئے گاہ بگاہ بے خیالی میں آپؒ نے جو بیان کیا اس کی روشنی میں اور آپؒ کے حالت سے اتنے ہی دستیاب ہو سکے۔ البتہ آخری پندرہ بیس سال سے آپ کے معمولات میں حضرت مولانا سیّد یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت فقیر محمد، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہم اللہ... کی طرح یہ ہو گیا تھا کہ ماہِ مبارک کے پہلے پندرہ سترہ دِن مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارتے۔ اسی طرح حج کے لئے بھی تشریف لے جاتے، غالباً ایک مرتبہ ناغہ ہوا کہ ویزہ نہ لگ سکا۔

ان اَسفار میں حضرت شہیدؒ کا معمول یہ تھا کہ کراچی سے کئے جانے والا عمرہ اور مدینہ منورہ سے کیا جانے والا عمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرماتے۔ اس کے بعد اکثر روزانہ ایک عمرہ ضرور فرماتے۔ رات کے تیسرے پہر اُٹھ کر اپنے مکان پر تہجد ادا فرماتے، اس کے بعد ذِکر فرماتے، ''مناجاتِ مقبول'' اور درود شریف کی کتاب ''**ذریعة الوصول الی جناب الرسول** ﷺ'' کی طباعت کے بعد اس کتاب کی منزل پڑھتے، پھر ہلکی سحری فرماتے، فالج سے قبل فجر کی نماز اہتمام کے ساتھ بیت اللہ شریف یا مسجدِ نبوی میں ادا فرماتے، اور رمضان المبارک میں فوری طور پر واپس تشریف لا کر آرام فرماتے۔ دس

فہرست

بجے عمرے کی ادائیگی فرماتے،ظہر کے بعد کچھ دیر تلاوت فرماتے اوراس کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے۔عصر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ تلاوت فرماتے اوراس کے بعد اِفطار سے پہلے ایک طواف فرماتے۔مغرب کی نماز کے بعد اَوّابین پڑھ کر گھر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرما کر کچھ دیر اِستراحت فرماتے۔عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد پہلے قاری عبداللہ صاحب اور پھر راقم الحروف سے تین تین سپارے تراویح میں سنتے۔اس کے بعد کتب خانوں میں تشریف لے جاتے یا احباب تشریف لاتے،کبھی ان سے ملاقات فرماتے،کبھی نشاط ہوتا تو طواف کے لئے بھی تشریف لے جاتے۔فالج کے بعد دو عمرے روزانہ کرنے کا معمول تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ:''مجھے کیا تکلیف؟ میں تو راحت سے بیٹھا رہتا ہوں،تم لوگوں کو تکلیف ہے۔''

ایک مرتبہ تین عمرے بھی ایک دن میں ادا فرمائے۔اکثر اپنے احباب اور اکابر کی طرف سے عمرہ کرنے کا معمول تھا۔مدینہ منورہ میں زیادہ وقت مسجدِ نبوی میں گزرتا اور درود شریف کا معمول کثرت سے ہوتا۔آپ پر بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں ایک خاص خوف کی سی کیفیت طاری رہتی،خاص کر مدینہ منورہ میں آپ بہت زیادہ احترام کا معاملہ فرماتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے،مسجدِ نبوی میں بہت کم کسی سے گفتگو فرماتے،اگر ضروری بات کرنی ہوتی تو دھیمے لہجے میں بات کرتے،جو کتاب تصنیف فرمارہے ہوتے اس کے مسودات بھی ساتھ لے جاتے،اور صبح آٹھ نو بجے سے لے کر ظہر تک تصنیف وتالیف کا کام فرماتے۔آخری سفر میں عقائد کی کتاب کا ترجمہ فرمارہے تھے تو مولانا سعید احمد جلال پوری،مولانا امان اللہ خالدی سے ان اوقات میں املا کراتے رہے۔یہاں تک کہ حاجی کیمپ اور جدہ کے قیام کے دوران بھی ترجمہ کرواتے رہے،ایک لمحہ بھی آپؒ نے کبھی ضائع نہیں کیا۔۱۸؍رمضان المبارک کو واپسی کا معمول تھا اور واپس آتے ہی اِعتکاف کا مرحلہ شروع ہوجاتا۔ایک سال کراچی کے خراب حالات کی وجہ سے پورا ماہ حرمین شریفین میں قیام فرمایا تو بیت اللہ شریف میں اِعتکاف فرمایا۔وہاں بھی کافی احباب

فہرست

جمع ہوگئے تھے۔ حرمین شریفین کے بزرگوں سے خصوصاً تبلیغی بزرگوں میں سے مولانا سعید احمد خانؒ، مولانا انعام الحسنؒ یا دیگر احباب سے خصوصی طور پر ملاقات فرماتے۔ حضرت مولانا سعید احمد خان تو بہت ہی محبت کا معاملہ فرماتے۔ گزشتہ حج کے موقع پر بھائی عبدالوہاب اور دیگر تبلیغی احباب ملنے کے لئے تشریف لائے تو آپ معلم کے یہاں گئے ہوئے تھے۔ یہ احباب وہاں تشریف لے گئے اور حضرت شہیدؒ سے ملاقات کی۔ حج کے پانچ دِنوں میں آپ خود بھی اور ساتھیوں کو بھی بہت زیادہ اہتمام کی تلقین فرماتے، عرفات کے میدان میں اکثر بیان فرماتے جس میں داڑھی رکھنے کو خصوصی اہمیت دیتے، بلکہ ایک حج کے موقع پر تو یہاں تک فرمایا کہ جس نے داڑھی جیسے شرعی حکم کو توڑا، اس کا حج قبول نہیں ہوگا۔ زیادہ وقت آپ پر رقت طاری رہتی، عرفات کے پورے وقت میں کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر دُعاؤں میں مصروف رہتے۔ وقوفِ عرفہ کے بعد آپ پر بہت زیادہ گریہ کا غلبہ رہتا، خود دُعا نہیں کراتے بلکہ راقم الحروف کو حکم دیتے کہ وہ دُعا کرائے۔ فالج سے قبل کھڑے ہوکر دُعا فرماتے، فالج کے بعد وہیل چیئر پر نہایت آہ و زاری کے ساتھ دُعا فرماتے۔ مزدلفہ کے میدان میں مغرب وعشاء پڑھ کر تھوڑی دیر آرام فرماتے اور پھر تہجد سے دُعاؤں میں مشغول ہوجاتے۔ فالج سے قبل تک مزدلفہ سے منیٰ پیدل تشریف لاتے، ایک مرتبہ حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے ساتھ پیدل چلنے کا مقابلہ کیا۔ پھر فرمایا: مفتی صاحب! بہت تیز چلتے ہیں، ان کا مقابلہ مشکل ہے۔ بہرحال ہمت کے ساتھ چلتے ہوئے قافلہ سے پہلے منیٰ پہنچ گئے۔ فالج کے بعد وہیل چیئر پر مزدلفہ سے منیٰ تشریف لاتے، اسی طرح منیٰ سے مکہ میں آخری دِن پیدل یا وہیل چیئر پر تشریف لے جاتے۔ ساتھیوں کے ساتھ خیمے میں گھل مل کر رہتے، کوئی اِنفرادی حیثیت روا نہیں رکھتے تھے۔ حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ تشریف لے جاتے، مواجہہ شریف پر حاضری کے بجائے قدمین شریفین پر حاضر ہوکر سلام پیش کرتے۔

جذبۂ جہاد اور سفرِ افغانستان

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جہادِ افغانستان کی

فہرست

سب سے پہلے تائید اس رُوحانی مرکز سے ہوئی اور افغانستان سے علمائے اسلام کا جو پہلا قافلہ آیا تھا اس نے یہیں قیام کیا تھا۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ نے پاکستان میں جہاد کانفرنسوں کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں پیر پگاڑا کے یہاں جہاد کانفرنس ہوئی۔ اس میں شرکت کے لئے مفتی محمودؒ بنوری ٹاؤن سے مفتی احمد الرحمٰنؒ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جہاد کے فتویٰ پر سب سے زیادہ دستخط کرنے والے بنوری ٹاؤن کے علماء کرام تھے۔ حضرت شہیدؒ نے بھی اسی وقت سے جہادِ افغانستان کی بھرپور تائید کی اور مجاہدین کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے رہے۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن چونکہ براہِ راست جہاد اور جہادی کارروائی میں شرکت کرتے تھے۔ اس لئے حضرت شہیدؒ اپنی دیگر مشغولیت میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد آپ نے اس سلسلہ میں اپنے مخلص رُفقائے کرام مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا سعید احمد جلال پوریؒ، راقم الحروف کو جہادِ افغانستان کے سلسلے میں لگایا ہوا تھا۔ طالبان حکومت کے قیام کے بعد آپ نے اخبارات اور مضامین کے ذریعہ نہ صرف ان کی تائید کی بلکہ ہر ممکن تعاون کیا۔ جامع مسجد فلاح سے ان کے لئے مختلف اوقات میں فنڈز جمع کر کے روانہ کرتے رہے۔ آپ علمی طور پر جہاد کی بھرپور حمایت کرتے۔ مگر آپ نے افغانستان کا سفر نہیں کیا۔ بارہا پروگرام تشکیل پائے مگر حضرت کی مصروفیت اور بعد میں علالت کی وجہ سے پروگرام تشکیل پاتے اور ملتوی ہوتے رہے۔ امیر المؤمنین ملا عمر کے پیغامات اکثر و بیشتر دعاؤں کے لئے آتے۔ رمضان المبارک سے قبل آپ کا پروگرام افغانستان کا بنا۔ مگر کسی دوسرے سفر کی وجہ سے یہ پروگرام نہ ہوسکا اور آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ خیال تھا کہ بعد میں تشریف لے جائیں گے۔ حرمین شریفین کے بعد آپ اعتکاف میں تشریف فرما تھے کہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل مولانا مسعود اظہر کی رہائی عمل میں آئی اور ۲۱ رمضان المبارک کو وہ ہندوستان کے کروڑوں ہندوؤں کے دل پر مونگ دلتے ہوئے ہندوستان کے حکمرانوں کو ذلت کے گڑھے میں ڈالتے ہوئے وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور دوسو کمانڈوز کے جھرمٹ میں قندھار

ایئرپورٹ پر رہا ہوکر اترے تو پوری دنیا میں اسلام زندہ باد کے نعرے بلند ہو گئے۔ مجاہدین اسلام کے حوصلوں میں بلندی اور عزائم میں تیزی آئی۔ نیا ولولہ اور جوش وخروش پیدا ہوا۔ مولانا مسعود اظہر کراچی پہنچے تو مولانا مفتی نظام الدین شامزئی نے حضرت کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے مکان میں ان کی پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ بعدازاں مولانا مسعود اظہر حضرت شہیدؒ کی خدمت عالیہ میں اعتکاف میں مسجد فلاح تشریف لے گئے تو حضرت شہیدؒ نے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام حالات سے آگاہی حاصل کی۔ شوال میں مولانا مسعود اظہر دوبارہ ملاقات کے لئے حضرت شہیدؒ کے پاس پہنچے تو حضرت نے فرمایا: ''آپ اِفطاری سے پہلے چلے گئے تھے، میرے دل میں اس وقت خیال آیا تھا کہ میں آپ کو خلافت دوں، اب میں آپ کو خلافت دیتا ہوں، آپ خوب جہاد کا کام کریں، اللہ تعالیٰ امداد فرمائیں گے۔'' تین یا چار دن بعد مولانا مسعود اظہر ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نامی جماعت کے قیام کی تحریر جو مولانا مفتی نظام الدین شامزئی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، لائے جس پر مفتی رشید احمد لدھیانوی، ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب کے دستخط تھے اور حضرت شہیدؒ سے تائید کی درخواست کی۔ حضرت نے نہ صرف تائید کی بلکہ ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ بہت زیادہ تعارض پیش آئے گا، لیکن آپ اطمینان سے مثبت انداز میں کام کئے جائیں۔ کچھ دن بعد مشاورت سے طے پایا کہ ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے قیام کا اعلان حضرت شہیدؒ کی مسجد فلاح سے کیا جائے۔

۳ر فروری ۲۰۰۰ء بروز جمعہ کو مولانا مسعود اظہر نے جامع مسجد فلاح میں بیان کیا۔ بیان کے دوران حضرت شہیدؒ مسجد تشریف لائے، پونے ایک بجے مفتی نظام الدین شامزئی نے بیان شروع کیا اور جیش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی ضرورت سے آگاہ کرتے ہوئے اعلان کیا کہ آج سے ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے قیام کا اعلان کیا جارہا ہے اور حضرت مفتی رشید احمد، حضرت شہید مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور میری اور حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ اور دیگر علمائے کرام کی مشاورت سے اس کی امارت کے لئے مولانا مسعود اظہر کا انتخاب کیا گیا

فہرست

ہے۔مفتی نظام الدین شامزئی کے اس اعلان کے فوراً بعد حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ ’’میں مولانا مسعود اظہر کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کرتا ہوں، یہ جہاں چاہیں میری تشکیل کر دیں۔‘‘ حضرت شہیدؒ نے اس بیعت کے ذریعہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بیعت کی یاد تازہ کردی جو انہوں نے نوجوان مجاہد امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر کی تھی۔ ’’جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘‘ کے قیام کے ساتھ پورے پاکستان میں مجاہدین کو منظم کرنے کا کام شروع ہوگیا۔حج سے واپسی کے بعد ۹ رمئی کو حضرت شہیدؒ کا سفرِ افغانستان طے ہوا۔حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، قاری سعید الرحمٰن، مولانا نذیر احمد تونسویؒ، قاری عتیق الرحمٰن، قاری محمد ابراہیم، راقم الحروف، عتیق انور، مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا امان اللہ خالدی، مفتی خالد محمود، مولانا جہانگیر اور مولانا مقصود آپ کے ہم سفر تھے۔ یہ سفر ایک عجیب رُوحانی سفر تھا، پورے پاکستان کے علمائے کرام کی نگاہیں اس طرف تھیں، جب کہ افغانستان کے تمام علمائے کرام آپ کے استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔اس دورے سے مخالفین پر اوس پڑی ہوئی تھی، وہ جہاد کے خلاف اس بات کو استعمال کرتے تھے کہ حضرت آج تک افغانستان تشریف نہیں لے گئے، حالانکہ حضرت شہیدؒ ایک ایک قدم پر مجاہدین کا تعاون کرتے رہے تھے۔گزشتہ رمضان المبارک میں طالبان اور جہادی تنظیموں اور ’’مجلس تعاونِ اسلامی‘‘ کے لئے لاکھوں روپے کے عطیات حضرت شہیدؒ نے مسجد فلاح سے کر کے دیئے تھے۔ بہرحال ایک اسلامی ریاست کی طرف پاکستان کے سرخیل علمائے کرام کا سفر ایک نئے عزم اور جوش وولولہ پیدا کرنے کا سبب تھا۔حضرت شہیدؒ کے ہمراہ ۸ رمئی کو صبح کی فلائٹ سے کوئٹہ پہنچے تو افغان قونصل جنرل مولانا عبداللہ حماد نے طالبان تحریک کے سربراہ ملا عمر اور وزارت خارجہ کے ذمہ داروں کے نمائندہ کی حیثیت سے وفد کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایئرپورٹ سے یہ قافلہ براستہ چمن افغان قونصلیٹ کی گاڑیوں میں پروٹوکول عملے کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہوگیا۔

اسپین بولدک پر افغان وزارت خارجہ کے نمائندے ملا عبدالرحمٰن نے وفد کا

استقبال کیا۔اسپین بولدک سے سرکاری اعزاز واکرام کے ساتھ قافلہ قندھار کی طرف روانہ ہوگیا۔سرزمین افغانستان میں داخل ہوتے ہی قافلے کے شرکاء پر اطمینان وسکون کی عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔حضرت شہیدؒ کے چہرۂ مبارک پر ایک خاص مسکراہٹ محسوس ہورہی تھی۔اسلامی ریاست کی برکات کے اثرات سے آپ ہشاش بشاش نظر آرہے تھے، ایسا سکون کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔اسلامی نظام کی برکات کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں کرارہے تھے۔قندھار میں امیرالمؤمنین ملاعمر کے نمائندوں ملاطیب آغا، ملااحمد جان احمدی نے استقبال کیا اور خصوصی شاہی مہمان خانہ میں قیام کا انتظام کیا۔گورنر قندھار ملاحسن شاہ خصوصی طور پر ملاقات کے لئے تشریف لائے اور امیرالمؤمنین کی طرف سے خوش آمدیدی جملوں کے بعد خوشخبری سنائی کہ ۹رمئی کو بعد نماز ظہر ملاقات کا اہتمام کیا گیا ہے۔بعد نمازِ ظہر حضرت شہیدؒ کا قافلہ امیرالمؤمنین سے ملاقات کے لئے پہنچا تو سادہ سے گھر میں قرونِ اُولیٰ کے حکمرانوں کی سادگی کا منظر پیش کرتے ہوئے امیرالمؤمنین نے گھر کے دروازے پر حضرت شہیدؒ اور دیگر علمائے کرام کا استقبال کیا۔ایک طرف حضرت شہیدؒ تشریف فرما ہوئے جب کہ دوسری طرف قاری سعیدالرحمٰن اور حضرت شہیدؒ کے پہلو میں ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر تشریف فرما تھے، جب کہ اراکین وفد حلقہ کی شکل میں چاروں طرف بیٹھ گئے۔اب وہ تاریخی ملاقات شروع ہوئی جس کا اُمتِ مسلمہ کو سالوں سے انتظار تھا۔امیرالمؤمنین ملاعمر نے حضرت شہیدؒ اور آپ کے رُفقاء کی افغانستان میں آمد کو اسلام کی سربلندی اور افغان مسلمانوں کی کامیابی کے لئے نیک شگون قرار دیتے ہوئے حضرت شہیدؒ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔ جناب قاری سعیدالرحمٰن صاحب نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے امیرالمؤمنین اور طالبان کی اسلامی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔حضرت شہیدؒ اپنی خصوصی محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ امیرالمؤمنین کی طرف متوجہ تھے۔ایک طویل ملاقات کے بعد حضرت شہیدؒ نے اجازت چاہی، امیرالمؤمنین نے بادلِ نخواستہ اجازت دی۔اس موقع پر مولانا امان اللہ خالدی کی طرف سے ایک امدادی رقم حضرت شہیدؒ نے امیرالمؤمنین کو

پیش کی تو امیر المؤمنین نے خلافِ عادت یہ رقم خود وصول کی اور اس کو محفوظ کرلیا۔ حالانکہ عام طور پر وفود جو رقم پیش کرتے ہیں امیر المؤمنین کے نمائندے ان کی موجودگی میں وصول کرتے ہیں۔

اس ملاقات کے بعد حضرت شہیدؒ کی رُوحانی کیفیت میں ایک عجیب قسم کا سرور اور اِنشراح محسوس ہونے لگا تھا۔ حضرت شہید بار ہا اس کا تذکرہ کرنے لگے تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی۔ ایک دو موقع پر آپ نے شہادت کی دعا بھی فرمائی۔ حالانکہ اس وقت افغانستان میں جنگ بندی تھی اور حکومتوں کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ حضرت شہیدؒ کابل بھی تشریف لے گئے، نائب صدر، گورنر کابل اور کمانڈر انچیف وغیرہ نے دعوتیں بھی کیں۔ کابل کے سفر میں مولانا مسعود اظہر کے رُفقاء بھی شریک ہوگئے تھے۔ ایک ہفتے کا یہ سفر ایک دِلچسپ رُوحانی سفر تھا۔ ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے جانبازوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اگلے محاذوں کا بھی دورہ ہوا۔ حضرت شہیدؒ نوجوان مجاہدوں کی طرح مورچوں پر تیزی سے چل کر مجاہدین کو ایک عزم وحوصلہ کا درس دے رہے تھے، آپ نے فائرنگ بھی کی۔ دیگر شرکاء نے ٹینک پر ایک راؤنڈ بھی لگایا۔ ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی جانب سے ٹریننگ کیمپ میں ایک استقبالی پروگرام میں شرکت کی۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے مزار شریف کا سفر نہ ہوسکا۔ اس سفر میں حضرت شہیدؒ طالبان کے لئے بہت زیادہ فکرمند نظر آئے اور علمائے کرام کو خصوصی طور پر تلقین فرماتے رہے کہ طالبان کے استحکام اور دشمنوں کی سازش سے بچانے کے لئے خصوصی اقدامات کی ضرورت ہے اور اس کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان جا کر علمائے کرام کا خصوصی اجلاس بلا کر طالبان کی بھرپور حمایت پر ان کو متوجہ کروں گا۔ بار بار شمالی اتحاد کے لئے بددُعائیں کرتے رہے۔ سفر افغانستان سے واپسی ۱۵؍مئی کو ہوئی۔ کراچی میں بھی آپ پر یہ رُوحانی کیفیت طاری تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ اس دُنیا سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں، طالبان کی فکرمندی آپ پر بہت زیادہ غالب تھی۔ کراچی میں بھی آپ نے اپنی شہادت کا تذکرہ اور دُعا کا سلسلہ جاری رکھا، تا آنکہ ۱۸؍مئی بروز جمعرات کی صبح

فہرست

ظالموں نے آپ کو شہید کر کے حیاتِ جاودانی کے منصب پر فائز کر دیا۔

یہ حضرتؒ کی زندگی کا ایک مختصر جائزہ تھا۔ اگرچہ آپ کی زندگی کے اتنے گوشے ہیں کہ اگر ان پر لکھنا شروع کیا جائے تو کئی سو صفحات مزید لکھے جا سکتے ہیں۔ ہمارے مولانا سعید احمد جلال پوری اور مفتی خالد محمود کا اِصرار ہے کہ مضمون کو جلد مکمل کریں۔ تا کہ نمبر کی اشاعت ممکن ہو۔ اس لئے آخری بات جو ہمارے بزرگوں کی خاص صفت رہی ہیں اس کے تذکرہ پر مضمون ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو حضرت کی ایک سوانح مرتب کروں گا تو اس میں مزید تفصیلات درج کی جائیں گی۔

اکابر علمائے کرام خصوصاً دیوبند کے اکابر کی یہ شان رہی ہے کہ وہ خود اختیاری فقر اختیار کرتے ہیں اور تمام زندگی مجاہدات اور زہد میں گزارتے ہیں۔ سیّد الطائفہ حضرت حاجی اِمدادُاللہ مہاجرِ مکی نے مکہ مکرمہ میں ۱۷ دن فاقہ فرمایا اور پھر فتوحات کا دروازہ کھلا۔ آپ نے فرمایا کہ: ''میں نے اپنے سلسلے کی طرف سے فاقہ کا مجاہدہ کرلیا۔ ان شاء اللہ! آئندہ میرے سلسلے میں فاقہ نہیں آئے گا۔'' شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے مدینہ منورہ میں نہایت تنگ دستی اور عسرت کی زندگی گزاری۔ حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ خود مدرسہ کے لئے سر پر سبزی اُٹھا کر لایا کرتے تھے۔ گھر میں کئی دفعہ فاقہ ہم نے خود دیکھا۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ ''ریاض مسجد'' سے پیدل تشریف لایا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے ان مجاہدات کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ایسی فتوحات نصیب فرمائیں کہ ہمارے یہ اکابر آخری دور میں لاکھوں روپے کے ہدایا دیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''جو لوگ ہمارے بزرگوں کی زندگی کا آخری دور دیکھتے ہیں اور ان کی فتوحات پر ان کی نظر ہوتی ہے تو وہ اکثر و بیشتر بزرگوں سے اصلاح حاصل نہیں کر سکتے۔'' حالانکہ یہ اکابر بزرگ ان فتوحات کے باوجود جب دُنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو مقروض ہوتے ہیں اور ان فتوحات کو اپنی ذات پر استعمال کرنا

فہرست

اپنے منصب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہوتا ہے کہ لاکھوں دینار تقسیم کر دیئے۔ مگر اپنے افطار کے لئے کچھ رکھنا یاد نہیں رہا۔ لونڈی نے یاد دلایا تو فرمایا کہ پہلے یاد دلاتی اور پانی سے روزہ اِفطار کرلیا۔ یہی صورتحال شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تھی۔

جیسا کہ شروع میں تذکرہ ہوا کہ حضرت شہیدؒ ٹرین کی تھرڈ کلاس سے تشریف لایا کرتے تھے۔ مسجد فلاح کے آغاز کے موقع پر مفتی مزمل حسین کاپڑیا کے مطابق بسوں پر لٹک کر تشریف لے جاتے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں فتوحات کا ایسا دروازہ کھولا کہ لوگ لاکھوں روپے آپ کو دیتے کہ آپ اپنی مرضی سے خرچ کریں اور حضرت دِینی مدارس اور جہادی تنظیموں کو مرحمت فرمادیتے۔

آپ کے زُہد عن الدنیا کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے چند سالوں سے یہ معمول بنایا ہوا تھا کہ کوئی چیز آپ کی ملکیت میں نہ ہو۔ آپ کی خواہش رہتی کہ دُنیا سے اس حال میں رُخصت ہوں کہ آپ خالی ہاتھ ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ یہ میرے کپڑے بھی میری اہلیہ کی ملکیت ہیں۔ ان کی طرف سے صرف استعمال کی اجازت ہے۔ اس بنا پر آپ ہمیشہ مقروض رہتے۔

ایک دفعہ آپ نے مجھے حج کے لئے درخواست جمع کرانے کا حکم فرمایا۔ درخواست جمع کرانے کے بعد عزیزم عبدالرزاق نے آپ سے عرض کیا کہ حج کی رقم مرحمت فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ: ''اچھا!'' ایک دو دِن بعد ہمارے ایک دوست اور حضرت کے خلیفہ حافظ فیروزالدین صاحب نے حج کی رقم آپ کو مرحمت فرمائی۔ میں نے برادرم عبدالرزاق سے کہا کہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر رقم وصول کرلیں۔ وہ شام کو جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ: ''میں نے تو وہ رقم ایک مدرسے کے ضرورت مند کو دے دی۔ اب پھر آنا، اگر کہیں سے رقم آئی تو میں دے دوں گا۔''

فہرست

عبدالرزاق نے مجھے بتایا تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو آپ کے حج کی رقم تھی؟ حضرت نے فرمایا کہ: ''بھائی! ایک ضرورت مند کو میں خالی ہاتھ کیسے واپس کرتا؟ خدا اور دے دے گا۔'' واقعی حضرت کی بات صحیح ثابت ہوئی، دوسرے دن ہی حضرت شہیدؒ نے حج کی رقم جمع کرادی۔

بہر حال حضرت شہیدؒ کا یہ معمول زندگی کے آخر تک رہا۔ اپنی ذات کے لئے آئی رقم دینی کاموں میں مرحمت فرمادی اور خود مقروض ہو گئے۔ اس بنا پر جب آپ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے تو تین لاکھ روپے کے آپ مقروض تھے، جو آپؒ کے بعد آپؒ کے متعلقین نے ادا کئے۔ اسی طرح ہمارے ایک مخلص عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے فرمایا کہ حضرت شہیدؒ نے تین لاکھ روپے کے قریب رقم قرضہ لی تھی۔ حالانکہ مولانا سعید احمد جلالپوریؒ، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور مولانا منظور احمد الحسینیؒ وغیرہ نے واضح طور پر فرمایا کہ حضرت نے کوئی قرضہ نہیں لیا۔ مگر حضرت کی کرامت کہ ان کے مخلص احباب اور متعلقین اور صاحبزادگان نے یہ رقم بھی ادا کردی۔ اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ حضرت شہیدؒ پر کسی کا حق تھا۔ واقعی حضرت شہیدؒ نے زُہد کا آخری حق تک ادا کردیا۔

شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کا سانحہ اتنا عظیم سانحہ ہے اور آپ کی جدائی کا غم ایسا غم ہے جس پر ہم جیسے بے بضاعت اور تہی دامن کا لکھنا الفاظ کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے اس سانحہ کے بارے میں حضرت شہیدؒ کے الفاظ جو انہوں نے مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت پر فرمائے تھے اسی کو لکھ کر اپنے جذبات کا اظہور کرتا ہوں اور اپنے مضمون کی اِبتدا و اِنتہا کو اس طرح مبارک بناتا ہوں کہ مضمون کا آغاز حضرت شہیدؒ کے ان الفاظ سے کیا جو انہوں نے اپنے شیخ حضرت بنوریؒ کے بارے میں تحریر فرماتے تھے اور مضمون کی اِنتہا حضرت شہیدؒ کے ان الفاظ سے کرتا ہوں جو انہوں نے مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے بارے میں تحریر فرمائے:

فہرست

''حضرت سعید بن جبیرؒ ۹۵ھ میں حجاج کے دستِ جفا سے شہید ہوئے تھے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ان کے بارے میں حضرت میمون بن مہرانؒ کا قول نقل کیا ہے: ''سعید بن جبیرؒ کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ رُوئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔'' نیز امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد نقل کیا ہے: ''سعید بن جبیرؒ اس وقت شہید ہوئے جب کہ رُوئے زمین کا کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔''

''پاکستان کی حد تک یہ فقرہ حضرت مفتی محمودؒ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ وہ دُنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب اہلِ علم ان کے علم وفقہ کے محتاج تھے۔ اہلِ دانش کو ان کے فہم وتدبر کی احتیاج تھی، اور اہلِ سیاست ان کی قیادت وزعامت کے حاجت مند تھے۔ اس لئے ان کی وفات بیک وقت علم ودانش، فقہ وحدیث، سیاست وقیادت، حلم وتدبر، شجاعت وبسالت اور شہامت وزعامت کا ماتم ہے۔ ان کی تنہا ذات سے دِین اور خیر کے اتنے شعبے چل رہے تھے کہ ایک جماعت بھی ان کے خلا کو پُر کرنے سے قاصر رہے گی۔'' (شخصیات وتأثرات ص۱۹۶)

موجودہ وقت میں یہ جملہ شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہٗ پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ آپؒ دُنیا سے اس وقت رُخصت ہوئے کہ تصنیف وتالیف، تردیدِ قادیانیت، رُشد وہدایت، وعظ ونصیحت، شفقت ومحبت، تعلیم وتعلّم، جہاد وتبلیغ، خطابت واِمامت، قیادت وسیادت، حلم وتدبر، غرض ہر میدان میں آپ کی ضرورت تھی۔ عام طور پر بڑوں کی وفات پر کہا جاتا ہے کہ قوم یتیم ہوگئی، لیکن اگر اس جملے کی حقیقت تلاش کرنی ہو تو وہ حضرت شہیدِ اسلام کی رحلت پر ہی کی جاسکتی ہے کہ آپ کی

رحلت سے طبقۂ علمائے دیو بند اور آپ کے متعلقین و متسبین یتیم ہو گئے اور ان کی دُنیا اندھیر ہو چکی ہے۔

اللّٰھم اغفرله وارحمه وعافه، واعف عنه، واکرم نزله، ووسع مدخله، وابدله دارًا خیرًا من داره، واھلًا خیرًا من اھله، اللّٰھم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ آمین! برحمتك یارب العالمین

(مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

سفرِ شہادت

۱۸؍مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کے وہ لمحات میں کس طرح بھول سکوں گا جب ہم سب کے لئے دُنیا اندھیر ہوگئی اور وہ مسکراتا چہرہ جو ہم سب کے لئے باعثِ تسکین تھا مسکراتا ہوا اپنے ہی لہو سے اپنے آپ کو سرخ رُو کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔

والدِ محترم، مرشد العلماء، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر، محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے ہم نام وہم کام، گلشنِ بنوری کے سرخیل، اِمامِ اہلِ سنت مفتی احمد الرحمٰن اور مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کے ہم سفر، لسانِ ختمِ نبوّت، شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خان محمدؒ کے ترجمان، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مولانا مسعود اظہر، مفتی نظام الدین شامزئی، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کے مرشد، ولی کامل، درویش صفت، فقیہ وقت، مجاہد اعظم اور ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو ہم ظالم درندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے اور میرے کمزور ہاتھ اور جسم ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے قاصر رہے، اور ان کی آخری خواہش اور پاک سرزمین افغانستان میں کی گئی دُعا قبول ہوئی اور حضرتؒ شہادت کا مرتبہ پاکر حیاتِ جاودانی سے ہم کنار ہوگئے۔ جہاں حکمِ خداوندی کے مطابق اب ان کو کوئی موت سے دوچار نہیں کرسکتا۔ صادق الامین، خاتم النّبیین، نبی الملاحم اور قائد المجاہدین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے اور خدا تعالیٰ

کے سوال پر دوبارہ شہادت کے پُرلطف لمحات کے طالب ہورہے ہوں گے۔ عربی شعر کے مفہوم کے مطابق: ''وہ تو بے شک کامیاب ہوکر اعلیٰ علیّین میں جگہ پا گئے۔ لیکن ہم ان کے فراق پر غمگین ہیں اور ان کے مسکراتے ہوئے چہرے کو ہر طرف ڈھونڈ رہے ہیں۔''

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ معمول کے مطابق دُعائے سحر گاہی اور فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر آرام فرماکر گھر سے رُخصت ہونے سے پہلے گویا اپنے آقا سے اجازت کی طلب کے لئے دوگانہ ادا کرکے دُعا میں مشغول ہوئے تو کوئی بھی تصور نہیں کرسکتا تھا کہ چند لمحوں بعد اس شخصیت نے شہادت کا منصب پاکر آخرت کو سدھار جانا ہے۔ ۱۰ بجے آپ گھر سے نیچے اُترے تو آپ کا وفادار رفیق وجاں نثار محافظ اور ڈرائیور عبدالرحمٰن موجود تھا، اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ کسے معلوم تھا کہ آج دروازہ کھولنے والا آخری بار دروازہ کھولنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور گاڑی میں بیٹھنے والا بھی اس زندگی کی آخری سواری پر سوار ہورہا ہے۔ چونکہ اس دِن امتحان کی وجہ سے میری چھٹی تھی، اس لئے خادمِ خاص برادرم محمد اجمل کے بجائے میں دُوسری طرف کا دروازہ کھول کر حضرت کے پہلو میں پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ حضرت کا معمول تھا کہ آپ نصیر آباد بس اسٹاپ پر پھل فروشوں کے پاس گاڑی رُکواتے اور آپ کا مخلص مرید محمد نعیم پھل لئے تیار کھڑا ہوتا، آپ قبول فرماتے اور گاڑی چل پڑتی۔ اسی معمول کے مطابق گاڑی رُکوائی اور فرمایا: آج پھل واپسی میں لیں گے۔ میں نے کہا بھی کہ کیا آج دوپہر کو نوش نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا: آج طبیعت نہیں ہے۔ نعیم نے کہا: میں گھر پہنچادُوں گا، آپ واپسی میں زحمت نہ فرمائیں۔ محمد نعیم واپس ہوا۔ میں نے گاڑی کا شیشہ اُوپر کیا ہی تھا کہ ایک دھماکہ ہوا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو بھائی عبدالرحمٰن ایک طرف لڑھک رہا تھا۔ میں نے محسوس کرلیا کہ حضرت پر قاتلانہ حملہ ہوگیا ہے اور آپ کا وفادار ساتھی جو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ''میری زندگی میں حضرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا، پہلے میں حضرت پر اپنی جان نچھاور کروں گا، پھر میری لاش سے

فہرست

گزر کر ہی حضرت کی طرف کسی ظالم کے ہاتھ بڑھیں گے۔'' واقعی اس نے اپنی زبان کی لاج رکھ لی۔

میں حضرت کو بچانے کے لئے آپ کے سینے سے چمٹ گیا تاکہ آپ پر چلنے والی گولی مجھے چھلنی کردے، لیکن حضرت محفوظ رہیں، مگر تربیت یافتہ ظالم درندوں نے حضرت کی گردن اور پہلو کی طرف سے حملہ کیا اور دو گولیاں مجھ پر چلائیں، ایک گولی میری پیٹھ سے ہوتی ہوئی سینے سے نکل کر حضرت کے جسم میں پیوست ہوگئی۔ میں اب تک یہی گمان کرتا رہا کہ حضرت محفوظ ہیں اور حضرت کے جسم پر موجود خون میرا خون ہے۔ مگر جب مجھے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کا وِرد کرتی ہوئی حضرت کی زبان ساکت محسوس ہوئی تو میں نے حضرت کے کندھے کو ہلاتے ہوئے کہا: ''حضرت اُٹھ جایئے! ظالم جاچکے ہیں۔'' لیکن خونِ شہادت سے سرخ رُو حضرت کا مسکراتا ہوا چہرہ گویا کہتا نظر آیا: '' بیٹے! میں تو حیاتِ جاودانی پاگیا اور جنت کے مزے لوٹ رہا ہوں۔'' اگرچہ مجھے یقین سا ہوگیا کہ حضرت دُنیا کی سرحد عبور کرچکے ہیں، مگر پھر بھی میں مایوس نہیں ہوا، بلکہ گاڑی سے باہر نکلا کہ لوگوں کو متوجہ کرکے حضرت کو ہسپتال لے جاؤں، ہوسکتا ہے کہ حضرت بے ہوش ہوں، مگر وہاں ہر طرف افراتفری تھی۔ میں گھر کی طرف چل دیا تاکہ دُوسرے بھائیوں اور گھر والوں کو اطلاع دُوں۔ اتنے میں محلے کے ایک ساتھی نے ڈرائیور کو ایک طرف کیا اور گاڑی لے کر ہسپتال کی طرف دوڑا، جب کہ مجھے محلے کے ایک ساتھی نے گھر پہنچایا اور میں نے اس سانحے کی اطلاع دی۔ میرے بھائی حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی صاحب مجھے وہاج ہسپتال لے گئے، وہاں ڈریسنگ کرکے عباسی شہید ہسپتال پہنچایا گیا، جہاں پر دوبارہ ڈریسنگ کی گئی۔ حضرت کو بھی عباسی شہید لے جایا گیا، لیکن وہ تو اسی وقت رُخصت ہوچکے تھے۔ اگرچہ ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اس بات کی غمازی کررہا تھا کہ وہ محوِ استراحت ہیں اور ابھی انگڑائی لیتے ہوئے اُٹھیں گے۔ اس لئے کہ عام طور پر میں نے یہی سنا تھا کہ گولی لگنے سے شدید تکلیف ہوتی

فہرست

ہے، کئی منٹ تک لوگ تڑپتے ہیں، دہشت کی وجہ سے چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تو میرے حضرت کے ساتھ نہیں ہوا اور ہوتا بھی کیوں؟ اس لئے کہ آپ تو جنت کے سوداگر اور خریدار تھے۔ چنانچہ جب آپ گھر سے نکلے تو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ ڈرائیور عبدالرحمٰن شہید ہوا تو آپ کے لب مبارک کلمے کا وِرد کرتے ہوئے نظر آئے، آپ کو چار گولیاں لگیں، تب بھی آپ کے وِرد میں کوئی فرق نہیں آیا، نہ آہ نکلی نہ ہی چیخ، اور نہ ہی آپ کے پُرسکون چہرے میں تغیر یا رَدّوبدل ہوا۔ حدیث شریف کے مطابق آپ کی رُوح فرشتوں نے بہت ہی پیار اور عقیدت سے نکالی اور آپ کو گولیوں کی تکلیف کے احساس سے عاری کردیا۔

حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے بارے میں سنا تھا کہ ٹانگ کا آپریشن کراتے وقت آپ نے بے ہوشی کا انجکشن لگوانے سے انکار کردیا، اور جب ڈاکٹروں نے نشتر لگانے شروع کئے تو آپ نے ذِکراللہ شروع کردیا جس کے جذب وسرور کی وجہ سے آپ کو نشتر کے کاٹنے کا احساس تک نہ رہا۔ حضرت مفتی صاحب کے متعلق تو صرف سنا ہی تھا مگر اپنے حضرت کی حالت کا خود مشاہدہ کیا کہ مسلسل گولیاں لگ رہی ہیں، لیکن زبان سے کلمہ طیبہ کا وِرد جاری ہے اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت ابا جان کی شہادت پاکستان ہی نہیں بلکہ دُنیا بھر کے مسلمانوں پر بجلی بن کر گری اور ہر طرف سوگ چھا گیا۔ کراچی کی مارکیٹیں اور کاروباری دُنیا دیکھتے ہی دیکھتے سونی ہوگئی، ہر شخص اشکبار تھا، منٹوں میں لوگ جامع مسجد الفلاح نصیر آباد اپنے مرشد کی میّت کی زیارت کے لئے پہنچ گئے۔ ہر طرف سے سسکیوں اور آہوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ملک کے اطراف سے علمائے کرام اور مشائخ عظام پہنچنا شروع ہوگئے اور شام تک لاکھوں افراد جنازے کے لئے جمع ہوچکے تھے۔ محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے گلشنِ علم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے سینٹرل جیل تک تقریباً تین

کلومیٹر کے علاقے میں لوگ ہی لوگ نظر آرہے تھے۔ جنگ کے فوٹو گرافر کی عکاسی کے مطابق ایسا معلوم ہورہا تھا کہ ایک طویل وعریض علاقہ میں انسان ہی انسان ہیں۔ ایشیا کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ آج تک نہیں ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا: ''ہماری عنداللہ مقبولیت کا اندازہ ہمارے جنازوں سے ہوتا ہے۔'' واقعی حضرت کا جنازہ مقبولیت عنداللہ کا عظیم مظہر تھا۔ جہاں لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ لاکھوں فرشتے بھی آپ کی مغفرت کی دُعا کرتے ہوئے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کررہے تھے۔

نمازِ جنازہ کے بعد آپ کے جسدِ خاکی کو ''جامع مسجد خاتم النّبیین'' کے پہلو میں سپردِ خاک کردیا گیا۔ آپؒ کا مسکراتا چہرہ، لہو سے رنگین داڑھی دیکھ کر ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ''آپ خدا تعالیٰ کے دربار میں سرخ رُو ہو کر جارہے ہیں۔''

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی پوری زندگی ہی دِینِ اسلام کی سربلندی کے لئے وقف تھی۔ اس لئے وہ کسی ایک شعبے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، بلکہ ان کی خدمات، دِین کے تمام شعبوں کو محیط ہیں، اس لئے آپ کو اپنی ذات میں انجمن کہنا زیادہ مناسب ہے۔ آپ کی ان خدمات کی وجہ سے آپ کو ''ترجمانِ علمائے اہلِ حق'' کا خطاب بھی دیا گیا۔ مولانا بنوریؒ آپ کو ''اپنا ہم نام وہم کام'' کہا کرتے اور اپنے مدرسہ کا مدار قرار دیتے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی جہاد سے عبارت تھی، لیکن جہادِ افغانستان میں آپ کا اہم کردار ہے۔ طالبان کی حمایت میں سب سے پہلے آپ نے فتویٰ صادر کیا۔ مولانا مسعود اظہر کی رہائی پر آپ نے ''جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت علی الجہاد کی سنت ادا کی، اور پھر افغانستان کا دورہ کرکے امیر المومنین ملا عمر کو تعاون کا یقین دلایا۔ اگلے مورچوں پر جا کر فائرنگ کی اور احمد

شاہ مسعود کی شکست کے لئے بددُعائیں کیں۔ بہرحال حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پوری زندگی جہدِ مسلسل تھی، جن کی خدمات کو تاریخ سنہری حروف سے محفوظ رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی)

سلسلۂ قادریہ کے بزرگ کا خواب

حضرت مرحوم کی صاحبزادی نے تحریر کیا کہ جس دِن اباجی کو شہید کیا گیا اسی دِن بہاول پور کے سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ نے دوپہر کے وقت قیلولے میں خواب دیکھا کہ زمین وآسمان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے اور دو مختلف رنگ ولباس کے فرشتے آسمان سے اُتر رہے ہیں اور زمین سے کسی چھوٹے سے قد کی ہلکی سی میّت کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور تمام فرشتے قطار در قطار کھڑے مرحبا، مرحبا کے نعروں سے اس کا استقبال کر رہے ہیں۔ اسی حالت میں وہ دو فرشتے اس میّت کو اُٹھا کر آسمان کی طرف لے جارہے ہیں اور فرشتے اُونچی آواز سے مرحبا مرحبا پکار رہے ہیں۔ بزرگ نے بیدار ہوکر اپنے احباب کو جمع کرکے کہا کہ: ''آج کسی بہت بڑے اللہ والے کو دُنیا سے لے جایا گیا ہے۔'' شام کو اِطلاع ملی کہ حضرت کو شہید کردیا گیا۔ اس بزرگ نے ہمارے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے والد بہت بڑے اللہ والے تھے اور پھر اپنا خواب بیان فرمایا اور یہ بھی کہ اللہ ربّ العزّت نے تین دِن تک مرحبا سے ان کا استقبال کیا ہے۔ یہ بزرگ حضرت مولانا شمس الزماں دامت برکاتہم ہیں جو سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

نوٹ:... یہ مولانا شمس الزمان کالاباغ میانوالی کے رہنے والے تھے۔ پھر بہاول پور ریگستان کے علاقے میں اپنی زمینوں پر خانقاہ قائم کی تھی۔ اس خانقاہ شریف میں خصوصیت کے ساتھ درود شریف کی کثرت کا معمول تھا۔ موصوف اب وصال فرماگئے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً!

نمایاں اوصاف وخصوصیات

شمائل واخلاق

حضرت اقدسؒ بہت ہی نفیس الطبع، خوش اخلاق اور مرنجاں مرنج تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے، اکابر کا انتہائی ادب وتعظیم اور اصاغر سے بہت شفقت فرماتے۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ سب سے زیادہ مجھ سے ہی تعلق و پیار ہے۔ طبیعت انتہائی بے ضرر تھی۔ کبھی کسی کا بُرا نہیں سوچا، کسی کے درپے آزار نہیں رہے، عفو ودرگزر کرنا شیوہ تھا، کسی کی ایذا رسانی پر کبھی شکوہ نہ کرتے، بلکہ ایذا رسانوں سے ہمیشہ حسنِ سلوک اور مروّت کا معاملہ فرماتے۔ زندگی بھر کسی سے انتقام نہیں لیا، بچوں سے بہت پیار کرتے، قابلِ اصلاح بات پر حسبِ موقع سختی اور نرمی سے تنبیہ فرماتے۔ خلافِ شریعت باتوں پر سخت نکیر فرماتے اور اصلاح کی کوشش فرماتے۔ خاموشی اور چشم پوشی قطعاً روا نہ رکھتے۔ کسی کے عیب ونقص کو کبھی نہ اُچھالتے، بلکہ انتہائی پردہ پوشی فرماتے، کسی کی خوبی، نیکی اور احسان پر بہت خوش ہوتے اور دُعاؤں کے انبار لگا دیتے۔ اعزہ واقارب سے حسنِ سلوک فرماتے، حبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ کا مرقع تھے۔ حسنِ باطن کے ساتھ حسنِ ظاہر میں بھی محبوب تھے، بہت حسین، خوبصورت، شانِ دلربائی رکھتے تھے۔ فنا فی العلم تھے، ورع وتقویٰ کے مجسمہ تھے، خوف وخشیت، رُجوع وانابت الی اللہ، اَحکامِ شریعت کی عظمت وتوقیر، اسلاف پر اعتماد اور ان کے ساتھ حسنِ عقیدت مثالی تھا۔ حضرات صحابہ کرامؓ، اہلِ بیتِ عظامؓ، تابعین، اَئمہ مجتہدین، اولیاء اللہ، بزرگانِ دِین، علماء، صلحاء اور اتقیاء کے ادب واحترام کو اِنتہائی ملحوظِ خاطر رکھتے۔

فہرست

اپنے اساتذہ ومشائخ اور بڑوں کے ساتھ حسنِ عقیدت واحترام اعلیٰ درجے کا تھا۔غیر معقول اور ناشائستہ باتوں سے طبعاً نفرت تھی۔نگاہ کی بہت حفاظت فرماتے،غیر محرم پر کبھی نگاہ نہیں ڈالی۔ بازار میں اور راہ چلتے وقت رُوئے انور کو رُومال سے ڈھانپنے کا معمول تھا۔گفتگو نہایت شیریں، علمی،مفید اور سنجیدہ فرماتے۔لاشعوری میں بھی فحش اور غیر شائستہ بات نہیں کی۔مجلس میں میرِ مجلس ہوتے، گفتگو سے مجلس کو گل وگلزار بنادیتے۔ زاہد عن الدنیا اور راغب فی الآخرہ تھے۔فتوحات کو سنبھال کر نہ رکھتے، بلکہ احباب اور حاجت مندوں پر بے دریغ خرچ کر ڈالتے۔ سیر چشم، کشادہ دست، فراخ دِل از حد تھے، خطیر خطیر رُقوم ضرورت مندوں کو دیتے۔نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے،وضو کے ساتھ مسواک کا ہمیشہ التزام فرماتے، نماز نہایت اطمینان اور خشوع وخضوع سے پڑھتے۔ اسلاف واکابر سے محبت وعقیدت اوران پر اعتماد ویقین تصور سے بھی بالا تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ:''اِحرام کی حالت میں، بابِ کعبہ کے پاس کھڑے ہوکر، غلافِ کعبہ پکڑ کر، سر پر قرآن مجید رکھ کر قسم کھا سکتا ہوں کہ ہمارے اسلاف واکابر برحق تھے، دین کو جوانہوں نے سمجھا وہی صحیح اور حق ہے، انہی کی اتباع وپیروی میں فلاح ونجات ہے۔'' اسلاف سے سرِمو اِنحراف کو بھی سمّ قاتل گردانتے۔آپ کی تمام تر تصانیف کا محوَر اسلاف کی عظمت واتباع ہی ہے۔آپ کی تحریرات کو پڑھ کر اِیمان ویقین میں جِلا، پختگی اور تصلّب کے ساتھ ساتھ اسلاف پر اعتقاد واعتماد بڑھ جاتا ہے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات، ریب وتردّد دُور ہوجاتا۔یہی چیز اِیمان کی سلامتی کا ''عروۃ الوثقیٰ'' ہے۔

آپؒ لباس سادہ مگر صاف ستھرا پہنتے، اکثر وبیشتر سفید لباس زیبِ تن فرماتے، زندگی کے آخری دور میں سر مبارک پر پگڑی باندھنے کا معمول تھا۔لیکن حضر وگھر میں پانچ کلی ٹوپی استعمال فرماتے، جو سر مبارک پر خوب سجتی۔صاف گورا رنگ، سفید ریش مبارک کے ساتھ جب سفید لباس زیبِ تن فرماتے اور سر مبارک پر سفید پگڑی سجاتے تو ''حسنِ یوسف'' دوبالا ہوجاتا۔طبیعت میں خشکی نہیں تھی، بہت خوش طبع تھے، مزاح کا عنصر طبیعت میں غالب

فہرست

تھا، آپؒ کی مجلس میں کبھی اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی، دِل چاہتا کہ حضرت بولتے اور موتی رولتے رہیں۔ دورانِ گفتگو لطائف بیان فرماتے، خود بھی ہنستے دُوسروں کو بھی ہنساتے۔ جب تبسم فرماتے تو بہت ہی خوبصورت لگتے۔ پہلی ہی مجلس اور ملاقات میں آپ کی محبت اور کشش ملنے والے کو اپنا گرویدہ اور اسیر بناڈالتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شانِ محبوبیت سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین! (مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

خوبصورت اور نفیس خط

حضرت اباجی شہیدؒ کا خط بے حد نفیس تھا اور آپ خوبصورت لکھائی کو پسند فرماتے تھے۔ میرے اُستاذِ محترم فرماتے تھے کہ میں نے بہت سے مفتی حضرات کے خط دیکھے ہیں، لیکن حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کے خط جیسا خوبصورت اور نفیس خط کسی کا نہیں دیکھا۔ میرے اُستاذِ محترم حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی بھی حضرت اباجی شہیدؒ کے خط کا بطورِ خاص تذکرہ فرماتے ہوئے یہ جملہ دُہراتے کہ: ''مولانا کا خط لاجواب ہے!'' ایک مرتبہ چھوٹے بھائی حافظ محمد یحییٰ سلّمہ کے امتحانی پرچے دیکھ کر آئے۔ آکر بھائی کو نہایت شفقت کے انداز سے ڈانٹا کہ اتنے اچھے پرچے کرکے آیا ہے لیکن لکھائی بے حد خراب ہے۔ (صاحبزادی ذ۔ک لدھیانوی)

اعمال واوقات کی حفاظت

ا:... آپ ہر نماز میں اَذان سے قبل ورنہ اَذان کے فوراً بعد مسجد میں تشریف لے آتے اور محراب میں مصلیٰ پر تلاوتِ کلام میں مصروف رہتے، یہ آپ کا عام معمول تھا۔ آپ کا یہ معمول مبارک ائمہ مساجد اور تکبیرِ اُولیٰ کی پابندی کرنے کے خواہش مند حضرات کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔

۲:... آپ جمعہ کے دِن جمعہ کی نماز کے لئے ۱۲ بجے سے پہلے مسجد آجاتے اور ۱۲ بجے بیان شروع فرمادیتے، تقریباً ایک بجے تک بیان ہوتا، اس کے بعد سوالات کے

جواب دیئے جاتے، سوا ایک بجے پہلی اَذان ہوتی، دس منٹ سنتوں کی ادائیگی کا وقفہ، پھر دُوسری اَذان وخطبہ اور نماز ہوتی۔ اس میں جمعہ کے دِن مسلمانوں کو پہلی اَذان سے بھی پہلے مسجد بلانے کا حضرات علماء کے لئے آسان نسخہ اور جمعہ کی جلد ادائیگی کا سبق ہے۔

۳:...آپ دِین کا کام کرنے والے ہر اِنسان کو گلے لگاتے، اس سے خوش ہوتے اور اس کو اپنا سمجھتے، اس کی سرپرستی کرتے۔ اس میں اہلِ دِین اور علماء کے لئے بہترین لائحہ عمل اور وسعتِ قلبی کا بہترین سبق ہے۔

۴:...نکاح پڑھانے کے لئے دولہا کے شرعی لباس، وضع قطع، صورت وسیرت کو دیکھ کر نکاح پڑھاتے، ورنہ انکار فرمادیتے۔ اس میں نکاح خواں حضرات کے لئے سبق ہے کہ شریعت کی پاسداری کیسے کی جاتی ہے؟

۵:...''مہرِ فاطمی'' سے کم یا زیادہ پر نکاح نہ پڑھاتے، یعنی مہرِ فاطمی پر اِصرار فرماکر اُمت کو مہرِ فاطمی کی سنت پر لاتے۔

۶:...ہر مسلمان ومعتقد کو بڑے پیارے انداز میں داڑھی پر آمادہ کرتے۔

۷:...انگریزی محاورات اور جملوں سے سخت نفرت کا اظہار فرماتے تھے۔

۸:...اپنے کام سے اتنی لگن وشغف کہ ''جنگ'' اخبار میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے لئے شہادت باسعادت کے بعد تک کے کئی سال آگے کا کام کرگئے۔

۹:...شفقت واُلفت اور محبت ایسی فرماتے کہ آپ کی شفقت دیکھ کر ماں، باپ اور اُستاذ کی محبت بھول جاتی۔

۱۰:...سفر وحضر میں تہجد کے وقت صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام والتزام فرماتے۔

۱۱:...فضول مجلس آرائی سے مکمل اجتناب فرماتے۔

۱۲:...آپ کی مجلس میں بولنے سے زیادہ خاموش رہ کر آپ کے چہرے کو دیکھنے میں ایک عجیب حظ اور سرور ملتا تھا۔

۱۳:...آپ ہر مرید سے یہ عہد لیتے: تکبیرِ اُولیٰ کی پابندی کرنا، روزانہ ''مناجاتِ

فہرست

مقبول''، ''ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی ایک ایک منزل پڑھنا، تلاوتِ کلامِ پاک کم ازکم ایک پارہ اور حفاظ کے لئے تین پارے، حسبِ تلقین ذِکر پر مداومت، شریعت وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنا، منہیات ومحرمات سے مکمل اجتناب، فضولیات، لغویات ورُسومات سے اِحتراز کی تاکید کرنا، حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی پر پُرزور اِصرار کرنا۔

خوفِ خدا، خشیتِ الٰہی اور انابت الی اللہ آپ کے چہرے سے عیاں ہوتی، گویا کہ آپ کی زندگی کا ہر عمل قرآنی الفاظ میں ''فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ'' (الذاریات:۵۰) اور ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾'' (آل عمران) کا مصداق تھا۔ بالفاظِ دیگر آپ قرآنی آیات کی عملی تفسیر نظر آتے تھے، جس میں بناوَٹ وتصنع کچھ بھی نہیں تھا۔

ملفوظات:...ایک بار فرمایا کہ مہمان تین قسم کے ہوتے ہیں:

ا:...جن سے ملنا یا بلانا پسند نہیں ہوتا، چنانچہ اگر وہ آبھی جائیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ نہیں ہیں یا مصروف ہیں۔ دُوسرے الفاظ میں آپ ان سے ملنا نہیں چاہتے۔

۲:...دُوسری قسم ان کو بلایا تو نہیں جاتا لیکن وہ آجائیں تو چائے پانی کے بغیر نہیں جانے دیا جاتا۔ یعنی ضروری تواضع کی اور چلتا کیا۔

۳:...تیسری قسم کے وہ ہوتے ہیں کہ ان کے بلانے میں فخر محسوس کیا جاتا ہے، اگر آجائیں تو اپنے معمولات اور روزمرہ کے کام کاج بھی آگے پیچھے کرنا پڑیں تو بخوشی کردیتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ آج مسلمانوں کا اور مسجد میں آنے والوں کا یہی حال ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مسجد میں آتے ہی نہیں ہیں۔ دُوسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ آتے تو ہیں لیکن جانے اور مسجد سے نکلنے کی پہلے سوچتے ہیں، گھڑی دیکھ کر آتے ہیں اور گھڑی دیکھ کر دس پندرہ منٹ میں فارغ ہوکر چلے جاتے ہیں۔ ہم سب مسلمان اس وقت دُوسری قسم میں چل رہے ہیں۔ اللہ تیسری قسم میں سے بنادے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر اور مسجد میں جی جان

فہرست

سے دل لگا کر عبادت کرنے والے بن جائیں۔آمین!

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں فرمایا کہ میں ان سے راضی ہوں، وہ مجھ سے راضی۔اور راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ہمارا ہر کام اللہ کی مرضی اور حکم ومنشا کے مطابق ہو، ہمارا کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مطابق ہو، سیرت وصورت، قول فعل، عمل وکردار میں سب اللہ کے حکم کو پورا کرنے والے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہوں۔اللہ ہم سب کو ایسا بنادے۔آمین ثم آمین!

(حافظ عبدالرشید، حیدر آباد)

نظمِ اوقات

حضرت شہیدؒ کی استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تربیت کا جو سلسلہ بھی شروع فرمایا اسے نہایت پابندی سے نبھایا۔ وہ جمعہ کا وعظ ہو، یا ہفتے کے مختلف دُروس، مجالسِ ذِکر ہوں یا رمضان المبارک کا اِعتکاف، اس میں کبھی تخلف نہیں آنے دیا۔ ہمارے ان اکابر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں فرماتے، بلکہ وہ نظمِ اوقات کے ذریعے اپنے اوقات کو تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف اور تلاوت وذِکر میں اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی سے قیمتی بن جاتا ہے اور ان کے اوقات میں برکت ہوجاتی ہے۔ یہ اسی نظام الاوقات کا ثمرہ ہے کہ آج حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی چھوٹی بڑی تالیفات ہزار سے تجاوز کرگئی ہیں۔اسی طرح راقم الحروف کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ بعض چھوٹے بڑے اسفار میں معیت کی سعادت نصیب ہوئی ہے، مثلاً ملتان، لاہور، تاشقند، سمرقند، بخارا، برطانیہ اور افغانستان وغیرہ کے اسفار میں راقم بھی ان کے ہم رکاب تھا۔ جن میں ان کی استقامت اور لمحاتِ زندگی کو قیمتی بنانے کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ ان کی استقامت کا یہ حال تھا کہ گھر سے نکلتے ہی ہاتھ میں تسبیح ہوتی اور زبان ذِکراللہ سے تر رہتی۔ ایئرپورٹ، ہوائی جہاز وغیرہ ہر جگہ یہی حال تھا۔ جہاں بھی ہوتے نماز کے وقت میں باقاعدہ اَذان دلاتے اور باجماعت نماز ادائیگی کا اہتمام فرماتے۔

فہرست

تاشقند کے ایک ہوٹل میں علماء کے وفد کے ساتھ قیام تھا، جہاں کسی زمانے میں اَذان دینا بھی جرم تھا، وہاں بھی باقاعدہ آپ اَذان کہلواتے اور سب کے سامنے باجماعت نماز ادا کی جاتی۔ اور فجر کی نماز میں جب قاری سعید الرحمٰن صاحب اِمام ہوتے تو بہتوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ یہی حال آپ کی تہجد کے معمول کا تھا کہ سفر میں بھی اس میں کبھی فرق نہیں آتا تھا۔ گویا وقت پر اُٹھنا، وقت پر عبادت کرنا اور وقت پر دُوسرے معمولات ادا کرنا آپ کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ (حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر)

حضرتؒ اور کتاب .... لازم وملزوم

حضرت اقدسؒ کی شخصیت مجموعۂ محاسن تھی، آپ کی ذات ایک حسین گلدستہ تھی، جس میں اللہ تعالیٰ نے رنگ ہارنگ کے خوبصورت پھول جمع کردیئے تھے۔ اگر ایک طرف آپ کا قلم ملاحدہ، زنادقہ اور زائغین کے خرمنِ امن وسکون کو پھونک ڈالتا تھا تو دُوسری طرف آپ کی زبان کی حلاوت اہلِ ایمان اور عاشقانِ رسول کے قلوب کے لئے ٹھنڈک اور راحت وسکون کا باعث ہوتی تھی۔ اگر ایک طرف آپ اپنے علمی نکتوں سے تشنگان علوم کو سیراب کردیتے تھے، وہاں رُشد وہدایت کے طلب گاروں کی رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ ایک طرف اللہ کی معرفت وخشیت اور عشقِ رسول کا دریا آپ کی ذات میں موجزن تھا تو دُوسری طرف طبیعت میں اعلیٰ درجے کی متانت وسنجیدگی کے ساتھ خوش طبعی، مسرت بخش ظرافت اور حسنِ مزاح کی صفات بھی تھیں۔ اُولوالعزمی، بلند ہمتی اور جفاکشی کے ساتھ دُوسروں کو راحت وآرام پہنچانے کا جذبہ بھی تھا۔ اپنے اکابر اور اپنے بزرگوں کی بے انتہا تعظیم وتوقیر کے ساتھ چھوٹوں پر بے پایاں شفقتیں اور عنایتیں بھی تھیں۔

آپ کی ذات میں استغنا، بے نفسی کے ساتھ مخلوقِ خدا کے ساتھ خیرخواہی اور نفع رسانی کے اوصاف بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے تھے۔ رُسوخ فی العلم کے ساتھ علم کی اشاعت، علم کی تدریس وتعلیم، معلومات کا وسیع ذخیرہ، تیقظ وبیداری، دلکش تحریر،

مہارت تصنیف، مؤثر خطابت اور حکیمانہ دعوت وارشاد جیسے عالی اوصاف سے بھی اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔

ان تمام اوصاف میں آپ کا نمایاں وصف ''علم'' تھا، جس کی جھلک آپ کی تصانیف، آپ کی مجالس، آپ کی خطابت، آپ کی تحریر وتقریر، آپ کی گفتگو، آپ کی تدریس، غرضیکہ ہر جگہ نظر آتی ہے۔ علم کے حصول کے آپ شروع ہی سے حریص تھے، زمانۂ طالب علمی میں ہر وقت کتاب آپ کے ہاتھ میں رہتی تھی، مطالعے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ اور زمانۂ طالب علمی کے بعد مطالعہ اور حصولِ علم کے شوق میں مزید اضافہ ہوتا رہا۔ کتابیں خریدنے کا حد درجہ شوق تھا، خود لکھا ہے کہ جب حضرت اپنے والد محترم کے ساتھ پہلی مرتبہ حج کے لئے گئے تو سوائے کتابوں کے کچھ نہیں خریدا، اور بعد میں بھی یہی معمول رہا اور آخر وقت تک حضرت اور کتاب لازم وملزوم رہے۔ سفر ہو یا حضر، گھر ہو یا دفتر، آپ ہر وقت کسی نہ کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول ہوتے۔

(مفتی خالد محمود، کراچی)

علمائے دیوبند کی تحقیق پر غیر متزلزل اعتماد

آپؒ کی دُوسری نمایاں خصوصیت علمائے دیوبند... کثر اللہ سوادہم... سے آپ کی والہانہ عقیدت، وابستگی اور ان کے عقیدے اور علم وعمل پر غیر متزلزل اعتماد تھی، اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ جو آج کل نئے وابستگانِ مدارسِ دیوبند سے نکلتی جارہی ہے اور موجودہ دور کے محقق علمائے کرام اپنی تحقیق کو ہی حرفِ آخر سمجھتے ہیں اور علمائے دیوبند کی تحقیق پر غیر متزلزل اعتماد کی کیفیت ان میں نظر نہیں آتی۔ ہمارے حضرت شہیدؒ اپنی تحقیق سے زیادہ علمائے دیوبند کی تحقیق کو قابلِ اعتماد سمجھتے تھے اور جب بھی آپ کو اپنی تحقیق کے دوران اپنے اکابر کی عبارت نظر آتی تو آپ بہت زیادہ فرحت کا اظہار فرماتے اور فوری طور پر اس کو اپنے مضمون کی زینت بناتے۔ ایک دفعہ برمنگھم ختمِ نبوّت کانفرنس میں آپ نے فرمایا کہ میں اپنی ہزارہا تحقیقات کے مقابلے میں اپنے اکابر کی تحقیق پر آنکھ بند کرکے اعتماد کرتا ہوں۔

فہرست

آپ کا زندگی بھر کا طرزِ عمل اور آپ کے وہ مضامین جو وقتاً فوقتاً آپ نے اس سلسلے میں تحریر فرمائے، اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ (مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ)

تلاوت وقراءت اور تجویدی ذوق

حضرت اقدس شہیدِ اسلامؒ کی مزید ایک خصوصیت بطورِ خاص یہ نظر آئی کہ قرآن مجید کی تلاوت وسماعت اور اس کے علومِ مخصوصہ تجوید وقراءت سے بھی آپ کو عشق کے درجے میں بہت والہانہ اور گہرا دِلی ربط وعلاقہ حاصل تھا۔ اس کی مثال میں بطورِ نمونہ صرف حسبِ ذیل چھ واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

ا:...ایک بار رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے بعد احقر مسجدِ نبوی شریف میں نوافل کے بعد برفع الصوت ۲۴واں پارہ تلاوت کر رہا تھا۔ حضرت اقدس نے اپنے ایک مسترشد سمیت اِقتدا کی، ناچیز نے دوگانے میں صرف یہی ایک پارہ تلاوت کیا۔ سلام پھیرنے کے بعد ناچیز کے ایک عربی مقتدی نے کہا کہ آج آپ نے دوگانے میں خلافِ معمول کم مقدار میں تلاوت کی ہے! اس پر حضرتِ اقدس نے اپنے ان ساتھی سے فرمایا کہ ''چلو بھائی! قاری صاحب کے مقتدی تو اس کو کم محسوس کرتے ہیں اور ہم زیادہ کا تحمل نہیں کرسکتے، بس اتنا ہی کافی ہے۔'' واضح رہے کہ اس وقت حضرت علیل تھے، جس کے مدِنظر اتنی مقدار بھی بہت زیادہ تھی، مگر قرآنی عشق کے نتیجے میں حضرت والا نے اس کو قطعاً محسوس نہ فرمایا۔

۲:...اَخیر عمر کے چند رمضانوں میں حضرت اقدس نمازِ تراویح بطورِ خاص طویل القراءت قرائے کرام کی اِقتدا میں ادا کرتے رہے۔ حضرت قاری عبداللہ صاحب، خلف الرشید حضرت اقدس شیخنا ووالدنا مجدد القراءت قاری رحیم بخش صاحب قدس سرہٗ کئی سال تک غالباً دس پارے یومیہ حضرت کو تراویح میں سناتے رہے۔ شنید ہے کہ حضرت قاری صاحب کی شہادت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ حضرت اقدس کو اسی طرز پر نمازِ تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے ہیں۔

۳:...سلسلۂ پانی پت کے شیخین حضرت اقدس اِمام الوقت حضرت اقدس مولانا المقری القاری فتح محمد صاحبؒ (۱۳۲۲ھ-۱۴۰۷ھ) اور مجدد القراءات حضرت اقدس مولانا المقری القاری رحیم بخش صاحبؒ (۱۳۴۱ھ-۱۴۰۲ھ) سے حضرتِ والا کو والہانہ عقیدت ومحبت تھی اور پھر مدۃ العمر پورے سلسلۂ پانی پت پر بھی برابر آپ کی خصوصی عنایتیں اور شفقتیں مبذول ومنعطف رہیں۔

۴:...آخری ملاقات میں ناچیز سے ارشاد فرمایا کہ ''قاری صاحب! مجھے حدیثیں تو یاد رہتی ہیں مگر قرآنِ پاک بھولتا جارہا ہے، صرف اِمام کو لقمہ تو دے لیتا ہوں مگر ویسے یاد نہیں، اس کا کیا علاج ہے؟'' احقر نے عرض کیا: حضرت! لقمہ دینا تو زیادہ یاد ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ جب تک سامع کو قاری سے زیادہ یاد نہ ہو اس کو لقمہ دے نہیں سکتا۔ ویسے حسبِ ارشاد قرآنِ کریم کی مزید پختگی کا طریقۂ کار حضراتِ اساتذۂ کرام کی تعلیمات کی روشنی میں ''إِذَا تَكَرَّرَ تَقَرَّرَ'' کا ہے کہ حسبِ فرصت واستطاعت روزانہ کے لئے کچھ مقدار مقرّر کرلی جائے، اس کو سورۂ فاتحہ کے معیار کے مطابق یاد کرکے کسی کو سنا دیا جائے اور پھر جہاں جہاں غلطی آئے ان مقامات کو اگلے پچھلے دو دو تین تین کلمات شامل کرکے بیس بیس یا تیس تیس مرتبہ اس طرح دہرالیا جائے کہ پھر مدۃ العمر دوبارہ ان غلطیوں کے صدور کا قطعاً اِحتمال واِمکان نہ رہے۔

۵:...ایک مرتبہ ناچیز سے دریافت فرمایا کہ قاری صاحب! غنہ اور اِخفاء میں کیا فرق ہے؟ ناچیز نے عرض کیا کہ غنہ تو خیشوم کا ایک عام عمل ہے جو صرف ناک میں آواز لے جاکر ایک الف کے برابر اس کے بڑھانے کا نام ہے، لیکن اِخفاء اصل مخرج کے ایک خاص عمل سے عبارت ہے کہ نون کی ادائیگی میں اصل مخرج کنارۂ زبان اور تالو زبان کے دخل کو کمزور کرکے اس کی ادائیگی کا زیادہ تر تعلق خیشوم (ناک کے بانسے) سے کردیا جائے۔ اس خاص عمل کے بعد اسی نہج پر نون کی ادائیگی کو برقرار رکھتے ہوئے ایک الف کے برابر آگے آواز کو مزید بڑھانا یہ غنہ ہے۔ (اسی طرح میم کے اخفاء کے معنی ہیں کہ میم کی ادائیگی

فہرست

میں اصل مخرج شفتین میں ہونٹوں کے دخل کو قدرے کمزور کرکے اس کی ادائیگی کا تعلق خیشوم سے کردیا جائے۔ پھر اسی خاص نہج پر میم کی ادائیگی کو برقرار رکھتے ہوئے ایک الف کے بقدر آگے آواز کو بڑھانا، یہ غنہ ہے)۔ حضرت کے صاحبزادے عزیز حافظ محمد یحییٰ جو قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے ان سے ارشاد فرمایا کہ سن لو! یہ بات خوب یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس واقعے سے حضرت کے تجویدی ذوق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۶:... آخری ملاقات میں فرمایا کہ عزیز حافظ محمد یحییٰ کو بھی تبرکاً اعزازی سند دے دی جائے۔ ناچیز نے یہ خیال کرکے کہ حضرت کے فرمان میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت ہے، نیز سلسلۂ سند میں محض شمولیت بھی برکاتِ سلسلہ کے حصول کا ایک قوی ذریعہ وباعث ہے، تعمیلِ ارشاد میں عزیز سلّمہ کو بھی سند واجازت دے دی۔

ایک دفعہ مدینہ شریف کی حاضری کے موقع پر احقر سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتیں قلب میں ڈالی ہیں جو میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ایک یہ کہ صحابہ کرامؓ کو تو روافض نے مطعون قرار دے دیا، ائمۂ کرام کا غیر مقلدین نے صفایا کردیا، مگر احادیث پر منکرینِ حدیث نے ہاتھ صاف کردیا، اب دینِ اسلام میں دَم خم ہی کیا باقی رہ گیا جس کے بل بوتے پر ہم یہود ونصاریٰ کو یہ کہہ سکیں کہ ہمارا دینِ اسلام قطعاً محفوظ وسالم وغیر محرف ہے، اور تمہاری یہودیت ونصرانیت یکسر محرف ہوکر رہ گئی ہے۔ دُوسری یہ کہ جن ائمہ ورجالِ حدیث نے سلسلہ بسلسلہ نقل کرکے ہم تک حدیث پہنچائی ہے انہوں نے ہی قرآن بھی تو نقل فرمایا ہے جو ہمارے پاس موجود ہے، اور جو سلسلہ بسلسلہ نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے، اگر ان حضرات نے... معاذ اللہ!... احادیث غلط پہنچائی ہیں تو قرآنِ کریم کے بارے میں بھی کیا گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ انہوں نے قرآنِ کریم ہم تک صحیح اور دُرست طریقے سے پہنچایا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ قرآنِ کریم کی سندِ متواتر تو مستقلاً موجود ہے، لہٰذا اس کی محفوظیت میں کوئی شک نہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ حقاً قرآنِ کریم تو قطعاً محفوظ ہے، مگر قرآنِ

فہرست

کریم کی اس متواتر سند میں جو قرائے کرام آرہے ہیں وہ ان محدثین کی نقل کردہ احادیث کو صحیح اور دُرست تسلیم کرتے ہیں جو آپ لوگوں کے گمان کے مطابق...معاذ اللہ!...غلط ہیں، تو جو لوگ (تمہارے زعم کے مطابق) ایک غلط چیز (حدیث) کو صحیح اور دُرست تسلیم کرتے ہیں، وہ دُوسری صحیح نقل کردہ چیز (قرآن) کے بارے میں بھی غلطی کے مرتکب ہوسکتے ہیں تو اب قرآنی سند کی صحت کی بھی کیا گارنٹی دی جاسکتی ہے؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح قرآنِ کریم سلسلہ بسلسلہ محفوظ چلا آتا ہے بعینہٖ اسی طرح حدیث شریف بھی سلسلہ بسلسلہ نقل ہوتے ہوئے قطعاً محفوظ وسالم طریقے سے ہم تک پہنچی ہے۔ سبحان اللہ! کیسے قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔ (مولانا قاری محمد طاہر صاحبؒ، مدینہ منورہ)

شفقت ومحبت کا وصف

فہرست

ایک صفت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی وہ آپ کی شفقت ومحبت تھی کہ انسان خواہ کتنا ہی پریشان حال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، لمحوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسے وہ سکون واطمینان اور فرحت نصیب ہوتی کہ اب اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خود راقم کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک واقعے کے سلسلے میں راقم اتنا پریشان ہوا کہ عجیب عجیب خیالات وتصورات دل میں آنے لگے۔ کیونکہ واقعہ جس شخصیت سے متعلق تھا وہ میرے محسن اور میرے لئے انتہائی قابلِ احترام شخصیت تھے۔ جب میری پریشانی انتہا کو پہنچی تو میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اس پریشانی کو عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ جمعہ کا دِن تھا، میں جمعہ حضرت کی مسجد میں پڑھ کر جب حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت نے حسبِ عادت دیکھتے ہی سینے سے لگالیا۔ حضرت کے سینۂ مبارک سے مس ہوتے ہی کچھ عرض معروض سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے وہ ساری پریشانی ختم فرمادی۔ بعد میں حضرت کی خدمت میں سارا واقعہ ذِکر کیا اور حضرت کے ارشاد پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے شر سے بھی حفاظت فرمائی اور وہ سارا معاملہ بحمد اللہ بخیر وخوبی حل ہوگیا۔ (مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ)

سیاست سے دُوری

عملی سیاست سے تو آپ ہمیشہ کنارہ کش رہے، لیکن نظریاتی طور پر ''جمعیت علماء اسلام'' سے خاص تعلق تھا اور اسی تعلق خاطر کا اظہار تھا کہ آپ نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ کو خلافت عطا فرمائی اور اس طرح ''جمعیت علماء اسلام'' کی سرپرستی بھی فرمائی۔

لاہور تشریف آوری پر ایک صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ کچھ حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ فرمائیں، جواباً فرمایا کہ مولوی تو کہتا ہی رہتا ہے، اس پر ان صاحب نے کہا کہ کلنٹن آیا تھا، حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو نہیں دیکھا اور مسکرا دیئے۔ ان صاحب نے دوبارہ کہا: حضرت! وہ آیا تھا اور بہت کچھ کہہ کر گیا ہے۔ اس پر حضرت پھر مسکرا دیئے اور کہا کہ بھائی! میں تو ایک دِن قبل ہی حج کے سفر سے واپس آیا ہوں اور وہ نہ میرے سامنے آیا نہ ہی میرے سامنے گیا، وگرنہ یقین جانئے میں ضرور کچھ کہتا۔ اس پر ان صاحب نے تکرار جاری رکھی اور کہا کہ حضرت! وہ جو کہہ گیا ہے اس کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوں گے، آپ کچھ کریں۔ اس پر حضرت بہت رنجیدہ ہوگئے اور فرمایا: ''نہ ہماری شکل سنت کے مطابق، نہ لباس سنت کے مطابق، جینے مرنے میں بھی ہم سنت کا مذاق اُڑاتے ہیں تو پھر اس کا خوف ہی ہوگا جس کو اللہ رَبّ العزّت نے آج تک غسلِ جنابت نصیب نہیں فرمایا اور ایسے پر ایسے ہی مسلط ہوتے ہیں۔ فیصلہ کرنے والا اُوپر بیٹھا ہے، اور وہ ہمارے اعمال کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اپنے آپ پر نظر کریں، ایسے آدمی سے کیا ڈرنا جس کو اللہ رَبّ العزّت نے ساری زندگی اِستنجا کرنے کی بھی توفیق نہ دی ہو؟''

(محمد عتیق انور، لاہور)

مکاتبِ قرآنیہ کی حوصلہ افزائی

حضرت کو قرآنِ کریم سے بڑا شغف تھا، اکثر و بیشتر قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے اور اپنے مریدین کو بھی کثرت کی تلقین فرماتے، اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی کوئی

قرآنِ کریم کے نام سے تقریب ہوتی اس میں حاضری کو سعادت جانتے۔ مدارس خصوصاً مکاتبِ قرآنیہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت ''اِقرأ'' کے سینکڑوں اِداروں سمیت ہزاروں مکاتبِ قرآنیہ آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ: ''میرے گاؤں میں قرآنِ کریم پڑھانے کا انتظام نہیں ہے، کیا اس کی میرے اُوپر ذمہ داری تو نہیں؟''

حضرت نے فرمایا: ''ذمہ داری تو ہے!'' پھر گھر تشریف لے گئے، ایک معتدبہ رقم لاکر میرے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: ''اس سے جگہ کا بندوبست کرو!'' حضرت دومرتبہ اس مدرسے میں تشریف لے گئے اور بہت خوش ہوئے۔ آج بھی وہ ''مدرسہ دارالقرآن یوسفیہ'' کے نام سے پنجاب کے ایک دیہات میں حضرت کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

(مولانا نعیم امجد سلیمیؒ)

فہرست

مکان کی تعمیر میں مدد واعانت

۱۹/مارچ ۱۹۹۵ء کو مولانا جلیل احمد اخون بہاول نگر کی ہمشیرہ محترمہ کے نکاحِ مسنون کی تقریب میں شرکت کے لئے بہاول نگر تشریف لائے تو ان کو ملنے کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیروالی، مولانا مسعود قاسم قاسمی نائب مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیروالی اور احقر بہاول نگر گئے۔ میں کسی کام کے لئے باہر نکلا تو میری عدم موجودگی میں حضرت مہتمم صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے ذِکر کیا کہ آپ کے اُستاذ آج کل بہت پریشان ہیں، جنات نے ان کے لڑکے صدیق کو بہت تنگ کر رکھا ہے۔ بعد میں مولاناؒ مجھے ملے اور اظہار افسوس کیا اور فرمایا کہ ''اُستاذ جی! آپ اس آسیب زدہ مکان کو چھوڑ کر نیا مکان تعمیر کروالیں۔'' میں نے عرض کیا کہ: میں مکان کہاں تبدیل کروں؟ نہ مدرسہ میں اتنی گنجائش ہے کہ مجھے نیا مکان بنوادے، اور نہ مجھ میں اتنی بساط ہے کہ میں اپنا مکان تعمیر کرلوں۔ حضرتؒ نے فرمایا: ''آپ مکان بنانا شروع کریں، اللہ تعالیٰ مطلوبہ رقم کا بندوبست فرمادیں گے۔'' چنانچہ مولاناؒ نے کراچی جاکر ایک لاکھ

روپے کا چیک بذریعہ رجسٹری میرے نام بھیجا۔ ابھی وہ رقم خرچ بھی نہیں ہوئی تھی کہ مولانا شہیدؒ نے دوسرا چیک مالیتی ایک لاکھ روپے اور بھیج دیا اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کے قریب رقم جامعہ نے بھی تعمیرِ مکان پر خرچ کی۔ اور ۱۹۹۶ء میں مولاناؒ بذاتِ خود مکان و جامعہ دیکھنے تشریف لائے۔ (مولانا عبداللطیف، قاسم العلوم، ملتان)

اساتذۂ کرام کا اِحترام

۲ر فروری ۱۹۹۳ء کو حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان کا تار موصول ہوا کہ آپ اور آپ کی اہلیہ کی عمرہ کی ٹکٹ او کے ہوگئی ہے، جہاز کی روانگی ۷ر فروری ۱۹۹۳ء کو کراچی سے ہوگی۔ احقر اور اہلیہ دونوں کراچی چلے گئے، جب کہ ویزے میں مشکلات کی وجہ سے کراچی میں چند دِن حضرتؒ کے گھر قیام کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرتِ والا نے ہماری مہمان نوازی کی انتہا کر دی اور تمام گھر والوں نے ہمارے ساتھ نہایت ادب و احترام کا معاملہ کیا۔ یکم رمضان المبارک کو ہم مکہ مکرمہ پہنچے، نمازِ عشاء اور اَعمالِ عمرہ سے فارغ ہوکر اپنے رہائشی مکان پر جارہے تھے کہ ''باب عبدالعزیز'' سے باہر حضرت مولاناؒ اور حضرت مفتی جمیل خان صاحب سے ملاقات ہوگئی، حضرت مولاناؒ احقر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جوشِ محبت میں گلے لگا لیا۔ کافی دیر تک بعض مسائلِ عمرہ پر گفتگو فرماتے رہے اور اپنا رہائشی مکان دِکھلانے کے لئے ساتھ لے گئے، اور جب بھی ملتے، فرماتے: آپ میرے لئے دُعا کریں۔ اساتذہ کا اِحترام ان کے دِل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

(مولانا عبداللطیف، قاسم العلوم، ملتان)

کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ایسے خوش نصیب علماء و صوفیہ میں سے ہیں کہ:

۱:... جن سے جید علماء نے کسبِ فیض کیا۔

۲:... عوام نے بھی فائدہ اُٹھایا۔

۳:... منتہی طلبہ نے بھی پڑھا۔

۴:... بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں۔

۵:... نیک اولاد چھوڑی۔

۶:... بہت بڑی تعداد میں مرید چھوڑے۔

۷:... سلسلۂ طریقت میں خلفاء کی کثیر تعداد موجود ہے، جن سے عوام وخواص کے دِلوں میں ان کی یاد تازہ رہے گی۔

۸:... ''مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی آبیاری کی، یہ سب ان کے عظیم کارنامے ہیں۔

۹:... یہی نہیں وہ اپنا نام شہیدوں کی فہرست میں رقم کراگئے۔

۱۰:... خلقِ خدا میں ان کے مقبول اور خدارسیدہ بزرگ ہونے کی شہادت ان کی نمازِ جنازہ میں عوام وخواص کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو شاذونادر ہی کہیں نظر آتا ہے۔

مولاناؒ کی شہادت پر رہ رہ کر ذہن میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کا وہ شعر، جو حضرت مرزا صاحبؒ کی لوحِ مزار پر کندہ ہے، اُبھرتا ہے اور مولانا لدھیانویؒ کے مزار پر صادق آتا ہے اور وہ خوب ہے!

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

(ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی، کراچی)

***

فہرست

سنتِ نبویہ سے عشق

اپنے معمولات میں سنتِ نبوی کا خاص اہتمام

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سنتِ نبوی پر سختی سے کاربند تھے، گویا حضرتِ والا کو سنتِ نبوی سے عشق تھا، اور ایسا عشق کہ عملِ مسنون کے علاوہ کوئی عمل پسند ہی نہ تھا۔ سنتِ نبوی کی تاثیر اور مٹھاس حضرت اقدسؒ کی ذات کے ریشے ریشے میں رچ بس چکی تھی۔ حضرت ''اَطِیْعُوااللّٰہَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ'' کا زندہ وجاوید مصداق تھے۔ حضرت اقدس شکل وصورت ولباس وپوشاک، اکل وشرب اور معمولات میں سنتِ نبوی کو بہت اہمیت دیتے تھے، اگر کسی شخص کی شکل شریعت کے مطابق نہ ہوتی تو حضرتِ اقدسؒ کی طبیعت پر سخت اثر پڑتا تھا۔ عمر کے آخری حصے میں تو ایسی طبیعت اور مزاج کے خوگر ہوگئے تھے کہ خلافِ سنت عمل کو دیکھ کر بے حد دِل برداشتہ ہوجاتے تھے اور بھرے مجمع میں خلافِ سنت عمل کے مرتکب کو تنبیہ فرماتے۔ اس ناچیز کو کچھ عرصہ مسلسل رفاقت وصحبت نصیب ہوئی اور حضرت والا کے اس مزاجِ گرامی کا بارہا تجربہ ہوا۔ ایک بار ایک مرید اپنے بیٹے کا نکاح پڑھوانے کے لئے حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، نکاح نامے میں حق مہر چند ہزار ڈالر تحریر تھے، حضرت اقدسؒ کی نظر اس تحریر پر پڑی تو فوراً چونک اٹھے اور فرمانے لگے: ''بھئی! نکاح کسی اور سے جاکر پڑھوالو، میں تو مہرِ فاطمی کے مطابق ہی نکاح پڑھاتا ہوں۔'' متعلقہ حضرات نے کچھ عذر ظاہر کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرتِ والا نے فرمایا کہ میں سوائے شرعی حق مہر کے اور کچھ نہیں جانتا۔ چنانچہ جب ان حضرات نے مہرِ فاطمی کے مطابق نکاح پر

رضامندی ظاہر کی تو حضرتِ والا نے بڑی خوشی سے نکاح پڑھا دیا۔ بعد میں دولہا اور متعلقین حضرات کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا اور فرمایا کہ: ''شاید میری بات آپ کو بُری لگی ہوگی!''، لیکن وہ حضرات بھی حضرت اقدسؒ کے اس عمل سے بہت خوش تھے۔

یہ حضرت اقدسؒ کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت تھی کہ جب بھی کوئی ناپسندیدہ عمل کسی کی طرف سے دیکھتے تھے تو فوراً اس پر روک ٹوک فرماتے۔ مگر تنبیہ کے بعد کہیں زیادہ پیار و محبت کا معاملہ فرماتے، جس سے ان افراد کو قلبی راحت وسکون نصیب ہوجاتا تھا۔

حضرت اقدس نوّر اللہ مرقدہٗ کی خصوصیات میں سے ایک ہم خصوصیت یہ تھی کہ اوّل تو داڑھی منڈے سے معانقہ نہ فرماتے تھے اور اگر کبھی فرما بھی لیتے تھے تو اس شخص کے چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے اور شفقت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے کہ ''بھئی! اب داڑھی رکھ لو، اپنی شکل تو کم از کم سنت کے مطابق بنالو!'' اور اکثر داڑھی منڈے کے چہرے پر ہلکی سی چپت بھی رسید کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: ''اب تو اس کو نہیں منڈواؤ گے نا!'' یہ حضرتِ والا کی کرامت تھی کہ جس داڑھی منڈے کے چہرے پر حضرتِ والا کا دستِ مبارک پھر جاتا یا ہلکی سی چپت لگ جاتی وہ ضرور داڑھی رکھ لیتا۔ حضرتِ والا کے دستِ مبارک کی برکت سے سینکڑوں لوگوں نے داڑھیاں رکھ کر اپنی شکل کو شریعت کے مطابق بنالیا تھا۔ قمیص کے کالر پر اکثر تنبیہ کرتے اور فرماتے کہ اپنی شکل وصورت اور لباس تو کم از کم سنتِ نبوی کے مطابق بنالو۔ پتلون اور شرٹ کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

حضرت اقدس نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی زندگی کے اکثر حصے میں عمامہ پہنا ہے، چند سالوں سے جب سے حضرت والا پر فالج کا حملہ ہوا تھا، عمامہ کا بوجھ نہ سہار سکنے کی وجہ سے یہ معمول ترک ہوگیا تھا اور فرماتے تھے کہ: ''کمزوری کی وجہ سے عمامہ پہننا برداشت نہیں ہوتا۔ ورنہ جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ عمامہ پہنوں۔'' یہ حضرتِ والا کے سنتِ نبوی سے عشق کا ثمرہ

تھا کہ حضرتؒ کی مسجد میں بوڑھوں کے علاوہ اکثر نوجوان خواہ دِینی طالب علم ہوں یا اسکول وکالج کے، سب نماز کے وقت عمامہ پہن کر مسجد میں آیا کرتے تھے، پوری مسجد میں ایسا لگتا تھا جیسے فرشتے نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو چکے ہیں۔ یہ کیفیت عشرہ اعتکاف میں خصوصیت سے دو چند نظر آتی تھی۔

حضرتِ والا کے سنتِ نبوی سے عشق کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرتِ والا نے تقریباً ۱۵ سال تک باقاعدگی کے ساتھ لوکی کا سالن استعمال کیا، لوکی کے سالن کے علاوہ کچھ استعمال نہیں فرماتے تھے، یہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ لوکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ سبزی تھی۔ اس سنت پر عمل کرنے کے لئے ایک عرصے تک لوکی کا استعمال کیا۔ لیکن بعد میں ڈاکٹروں کے مشورے پر اس کا استعمال ترک کردیا، کیونکہ ڈاکٹروں نے کہا کہ مسلسل لوکی استعمال کرنے کی وجہ سے جسم کی تاثیر حد سے زیادہ ٹھنڈی ہوگئی ہے، لہٰذا اب مزید استعمال نہ کریں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرتِ والا کے اندر کتنی استقامت اور سنتِ نبوی سے عشق و محبت تھی؟

(مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، کراچی)

مسنون داڑھی کی تاکید

یوں تو حضرتؒ شریعت کے ہر معاملے میں حساس تھے، مگر اسلامی وضع قطع اور شرعی شکل اور مسنون داڑھی کی خصوصی تاکید فرماتے اور کہتے کہ داڑھی منڈوانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ یہ گناہ نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت بھی برقرار رہتا ہے۔ چنانچہ اس سفر میں ایک دن آپ مسجدِ نبوی سے باہر تشریف لائے تو ایک صاحب جو پاکستانی تھے اور وضع قطع سے تعلیم یافتہ اور اچھے خاصے متمول معلوم ہوتے تھے، حضرت سے نہایت ادب اور اکرام سے ملے اور حضرت سے دُعا کی درخواست کی۔ حضرت نے ان کو دیکھ کر رونا شروع کردیا، ہم سب حاضرین بھی رونے لگے اور وہ صاحب بھی رونے لگے، حضرت نے تھوڑی دیر بعد ان سے فرمایا: ''بھائی! آپ نے پوچھا نہیں کہ میں کیوں رویا ہوں؟''

اس پر ان صاحب نے عرض کیا: ارشاد فرمایئے! آپ کیوں روئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''بھائی! میں نے جب تمہارے چہرے کو دیکھا تو مجھے اس لئے رونا آیا کہ آپ اس چہرے اور شکل کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں گئے ہوں گے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی؟''

یہ سننا تھا کہ وہ شخص دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور روتے روتے کہنے لگا کہ ''حضرت! آئندہ کبھی بھی داڑھی نہیں منڈاؤں گا۔'' اس کے بعد حضرت نے ان کے لئے دُعا کی اور چل دیئے۔ (قاری محمد اسماعیل رشیدی)

طریقِ نبوی پر چلنے کی ہدایت

آپؒ نہایت ہی نڈر، بے باک اور سنتِ نبوی پر عمل کرنے اور عمل کی ترغیب دینے والے تھے۔ آپؒ کے سامنے جب بھی کسی دُنیاوی حکمران کے دبدبے کا ذکر ہوتا، اس کی شان وشوکت بیان کی جاتی تو فوراً اسے حرفِ غلط کی طرح ٹھکرا دیتے اور طریقِ نبوی پر چلنے کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ جو آدمی سنتِ نبوی پر عمل کرتا ہے اور دل میں خوفِ خدا رکھتا ہے اس سے زیادہ شان وشوکت والا کوئی نہیں۔ (محمد عتیق انور، لاہور)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت

حضرت والد ماجدؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق ومحبت تھی وہ ناقابلِ بیان ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آتا تو محبت وخوشی سے حضرت کا چہرہ کِھل جاتا اور ایک دم چہرے پر بشاشت اور مسکراہٹ کی لہر دوڑ جاتی، آنکھوں سے عقیدت ومحبت سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہوجاتا، چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب، ایک عجیب وغریب منظر پیش کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈُوب کر آپ کا تذکرہ کیا کرتے تھے، بلکہ حضرت اپنے ہر وعظ کے اوّل وآخر یا درمیان

فہرست

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذِکرِ جمیل ضرور فرماتے، چاہے اس وعظ کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہوتا۔

کئی بار اس بات کا تذکرہ جب حضرتؒ سے کیا گیا تو حضرتؒ معمول کے مطابق مسکرادیتے اور زبانِ حال سے حضرت عارفیؒ کا وہ شعر پڑھ دیتے جو آپ اکثر اپنے وعظ میں پڑھا کرتے تھے۔

ذِکر اُن کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی!
بے خودی کیا چیز ہے! وارفتگی ہوتی ہے کیا!

ایک بار حضرتؒ اندرون سندھ سفر پر تشریف لے جارہے تھے،سفر لمبا تھا، چونکہ حضرت اباجانؒ کیسٹ نہیں سنا کرتے تھے، اس لئے ڈرائیور بھائی عبدالرحمٰن شہیدؒ نے حضرتؒ سے پوچھ کر ایک نعت کی کیسٹ لگادی جو طاہر جھنگوی کی آواز میں تھی، جب نعت خواں نے یہ شعر پڑھا:

یوسف نوں جے ویکھیا تے انگلیاں ہن کٹیاں
آقا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) دے عاشقاں نے جاناں وار سٹیاں

تو حضرتؒ نے بے اختیار اور والہانہ انداز میں نعرہ لگایا جو حضرت کی عادت کے بالکل برخلاف تھا۔شاید یہی عاشقانہ نعرۂ مستانہ ہی اللہ تعالیٰ کو پسند آگیا کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں میں شامل کرکے آپ کی جان کا نذرانہ بھی قبول کرلیا گیا۔

حضرتؒ کا ایک خاص انداز تھا کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک آتا تو نہایت محبت وعقیدت سے درود شریف پڑھتے اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اتنے خوبصورت انداز میں پڑھتے کہ سننے والا بھی اس کی چاشنی اور لذت سے لطف اندوز ہوتا۔

اس محبت وعشق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے تعلق کے باوجود بارگاہِ نبوّت کے ادب وآداب اور خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مواجہہ شریفہ پر حاضری سے گھبراتے اور فرماتے کہ میں اس قابل کہاں کہ آنحضرت صلی

فہرست

اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوسکوں۔ لہٰذا ہمیشہ اَقدامِ عالیہ کی جانب سے ہی سلام عرض کرتے، فالج کے حملے سے پہلے آپؒ ہمہ وقت اَقدامِ عالیہ میں بیٹھے رہتے تھے۔

پہلی مرتبہ ۱۹۹۳ء میں جب راقم حضرت کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوا اور حضرت کو اَقدامِ عالیہ کی جانب سے روضۂ اقدس پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا تو اس موقع پر حضرتؒ کے رونے کا جو انداز تھا شاید یہ ناکارہ اسے ساری عمر نہ بھول سکے گا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے حضرتؒ ابھی بے ہوش ہوکر گر جائیں گے۔ جن لوگوں نے حضرتؒ کے ساتھ روضۂ مقدسہ، علیٰ صاحبہا الف سلام پر حاضری دی ہوگی، شاید وہ اس کیفیت سے واقف ہوں گے۔

یہ تو اِمام الانبیاء خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ادنیٰ سی جھلک تھی۔ اس کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو جو عقیدت و محبت تھی، وہ بھی آپ کی تحریروں، تقریروں اور گفتگو سے واضح ہوتی تھی۔ چنانچہ جب بھی مودودی صاحب کا تذکرہ ہوتا تو بے چین ہوکر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معصوم ہونے پر وعظ فرماتے اور کبھی اپنی کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' سے اس بارے میں مضامین پڑھ کر سناتے۔ دو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ جب حضرتؒ کے ساتھ برمنگھم ختمِ نبوّت کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا تو اس سفر میں شیفیلڈ میں حضرت مولانا عبیدالرحمٰن صاحب زِیدمجدہٗ کے گھر قیام تھا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرتؒ چہل قدمی کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت حضرتؒ راقم کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، چونکہ حضرت مولانا عبید صاحب کے گھر کے قریب ہی دو چرچ ہیں، جن میں سے ایک پر جو صلیب بنی ہوئی ہے اس پر ایک بت سولی پر لٹکا ہوا نظر آرہا تھا۔ حضرتؒ چلتے چلتے رُک گئے اور کافی دیر تک اس کو دیکھتے رہے، پھر فرمانے لگے: ''عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ سولی پر لٹکا ہوا شخص... نعوذباللہ!... عیسیٰ علیہ السلام ہیں'' یہ فرمانا تھا کہ آنکھیں بھر آئیں اور کافی دیر تک اسی کو دیکھتے رہے، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شہیدؒ عیسائیوں کی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام کی اس توہین پر بے حد

فہرست

شکستہ دل اور غمگین ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مردِ قلندر اپنے دِل میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کس قدر احترام وعظمت اور محبت رکھتا تھا۔

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرتؒ کو جو قلبی لگاؤ تھا اس کا اندازہ حضرتؒ کی کتاب ''شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم'' پڑھ کر ہی ہوسکتا ہے۔ جب بھی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ فرماتے تو ان حضرات کے مقام کو بیان فرما کر بڑا رشک فرماتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تذکرے کے درمیان فرماتے: ''مجھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مظلوم کوئی نظر ہی نہیں آتا۔''

جب کبھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذِکرِ خیر فرماتے تو بے حد اَدب سے نام لیتے اور فرماتے: ''میری ماں صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا'' یا ''اُمّ المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔''

اگر کسی وعظ یا درسِ قرآن کے درمیان واقعۂ اِفک بیان فرماتے تو دیر تک روتے رہتے اور بیان کرتے کرتے خاموش ہو جاتے، اور اپنی طالب علمی کے زمانے کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کرتے: ''ایک دن ہمارے اُستاد صاحب نے ہر ایک طالبِ علم سے پوچھا کہ تمہاری کیا خواہش ہے؟ ہر طالبِ علم نے اُستاد کو اپنی اپنی خواہش بتلائی اور جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ مرنے کے بعد میری دو خواہشیں ہیں:

۱:... بہترین سا ''ہدایہ'' کا نسخہ ہو اور میں خود صاحبِ ہدایہ سے ہدایہ پڑھوں۔

۲:... اگر وہاں ادب کے خلاف نہ ہو تو میں اپنی ماں صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کروں۔

یہ زمانہ طالب علمی ہی کی محبت تھی کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے دِین کا اتنا بڑا کام لیا۔ حضرتؒ کی شہادت کے بعد میرے بڑے بھائی جان مولانا محمد طیب لدھیانوی صاحب نے اپنے خواب میں حضرتؒ سے ان دو خواہشوں کے بارے میں دریافت کیا کہ ابا جان! آپ کی وہ دونوں خواہشیں پوری ہوگئیں؟ تو حضرت نے فرمایا کہ

فہرست

''پہلی خواہش تو پوری ہوگئی اور میں نے ''ہدایہ'' پڑھ لی ہے۔ دُوسری خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی، مجھے ابھی دُور سے زیارت کرائی گئی ہے، ابھی میں قریب سے زیارت کرنے جارہا ہوں۔''

ان ہی محبتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ سے عصمتِ انبیاء اور ناموسِ صحابہ کے عنوان سے تحریر کے میدان میں وہ کام لیا جو کسی چشمِ بینا سے مخفی نہیں، لیکن اس سب کے باوجود آپؒ نے اپنے آپ کو اتنا مٹایا کہ بار بار یہ تحریر فرماتے کہ ''اگر میری کوئی تحریر اسلاف کے خلاف ہو، یا راہِ اِعتدال سے ہٹی ہوئی ہو تو وہ ناقابلِ التفات ہے، بلکہ اکابر علماء کو چاہئے کہ وہ میری اصلاح کریں۔'' چنانچہ اگر آپؒ کی کوئی بات قابلِ اِشکال معلوم ہوتی یا اکابر کے مسلک سے بظاہر ہٹی ہوئی ہوتی تو اس سے رُجوع فرمانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ (صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی)

خواب میں زیارتِ نبوی کا شوق

میرے حفظ کے زمانے کا واقعہ ہے جب کہ میری عمر نو یا دس سال تھی کہ ایک دن میرے ہاتھ میں درود شریف کی ایک کتاب دیکھی اور فرمایا کہ بیٹا! کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا: ''ابا جی! اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہونے کا عمل لکھا ہوا ہے، وہ سیکھ رہا ہوں، میں بھی کروں گا۔'' یہ سن کر بڑی نرمی سے میرے ہاتھ سے وہ کتاب لی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے درد سے فرمایا: ''بیٹا! ہمارے اعمال اور ہماری شکلیں ایسی ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا عمل کریں؟'' حضرت ابا جانؒ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کافی دِن تک میں اپنے بچکانہ ذہن میں یہ سوچتا رہا کہ ابا جی تو بزرگ ہیں، پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں جب کہ میں تو اتنے سارے نیک کام بھی نہیں کرتا جتنے ابا جی کرتے ہیں۔ بس اس دن کے بعد سے آج تک یہی کیفیت ہے کہ مجھ جیسا رُوسیاہ اس کا اہل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ طیبہ کا شرف حاصل کرے، لیکن: ''شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا!'' (صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی)

تواضع وانکساری

زُہدوقناعت میں نمونۂ اسلاف

حضرت اقدسؒ ہر شعبۂ حیات میں دُنیا اور دُنیا کی آلائشوں سے دُور رہتے، زُہد وقناعت میں آپ نمونۂ اسلاف تھے۔ دُنیا کی عظمت ومحبت کسی بھی انداز سے آپ کو متأثر نہ کرسکی، لباس وپوشاک، خورد ونوش اور رہن سہن میں ہمیشہ سادگی وقناعت کو اپنایا، تکلّفات سے قطعاً مبرا تھے، ہر کام شریعت اور سنتِ نبوی کے مطابق کرتے، اِخلاص وللّٰہیت کا مجسمہ تھے۔ مدرسہ اِحیاء العلوم ماموں کانجن میں مدرّس مقرّر ہوئے تو مشاہرہ (ماہوار تنخواہ) صرف ۷۵ روپے تھی، اسی قلیل تنخواہ پر اکتفا فرمایا، کبھی قلّتِ تنخواہ کا شکوہ نہیں کیا، جب تک رہائشی مکانات مدرسے میں تعمیر نہیں ہوئے، مدرسے سے متصل ایک بلڈنگ کے بالاخانے میں، جو صرف چھوٹے سے ایک کمرے اور مشکل سے دوتین چارپائیوں کے صحن پر مشتمل تھا اور اس میں بجلی پانی کا نام تک نہ تھا، کافی مدّت اسی میں گزر اوقات کیا۔ گھر کا سامان کیا تھا؟ کپڑوں کے لئے ایک چھوٹا سا ٹرنک، دوعدد چارپائیاں، کھانے پینے کے چند ضروری برتن، پانی کے لئے دوتین گھڑے جو خدام بعد نمازِ عصر دُور ایک ہینڈ پمپ سے بھر کر اُوپر پہنچاتے۔

ایک بار نمازِ فجر کے بعد اچانک ہمارے کمرے میں تشریف لائے، ٹھنڈا میٹھا موسم تھا، یہ ناکارہ کمرے میں نمازِ فجر کے بعد سو رہا تھا۔ نہایت پیار بھرے انداز میں آہستہ آہستہ اپنی مبارک ہتھیلی سے اس ناکارہ کے گالوں کو سہلانے لگے، اچانک نیند سے بیدار ہوا تو حضرت اقدس کو سامنے کھڑا پاکر ہڑبڑا گیا، نہایت شفقت سے فرمایا کہ: ’’نمازِ فجر کے

بعد سویا نہیں کرتے، یہ تلاوت کا وقت ہے!'' بندہ خاموشی سے اُٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ بعض مرتبہ کئی کئی ماہ تنخواہ نہ ملی تب بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ ایک بار شعبان، رمضان کی تعطیلات کے بعد شوال میں مدرسہ آئے، غالباً دو ماہ کی تنخواہ ڈیڑھ صد روپے یک مشت ملی، پچاس روپے اپنے گزارے کے لئے رکھ کر باقی سو روپے میں سے پچاس روپے بنام مولانا حکیم محمد حسین صاحب (پھوپھی زاد بھائی) اور پچاس روپے بنام چوہدری عبدالباری (حقیقی بڑے بھائی) منی آرڈر کر دیئے۔ منی آرڈروں کے کوپن میں یہ عبارت تحریر فرمائی: ''سو روپے ضرورت سے زائد تھے، لہٰذا پچاس پچاس روپے ارسالِ خدمت ہیں، اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر لیجئے!'' منی آرڈر چونکہ میرے ذریعے ڈاک خانے بھیجے تھے، اس لئے یہ واقعہ میرے علم میں آیا۔ اس سے حضرت اقدس کی صلہ رحمی اور زُہد کا وصف اتم ظاہر ہوتا ہے۔ (مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

فنائیت وتواضع

حضرت اقدسؒ کی فنائیت وتواضع اور چھوٹوں کی عزت وحوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حرمین شریفین کی حاضری کے موقع پر مدینہ منورہ تشریف لاتے، انتہائی شفقت فرماتے ہوئے ناچیز کے پاس بذاتِ خود صفِ اوّل میں تشریف لاکر ہر بار احقر کو معزّز ومفتخر فرماتے، اور جب ناچیز یہ عرض کرتا کہ: ''بحمداللہ! مواجہہ شریف پر بوقتِ حاضری یہ ناچیز با قاعدہ سے آنجناب کا سلام عرض کرتا ہے'' تو حضرتؒ کا نورانی چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھتا اور یوں محسوس ہوتا جیسے اس وقت حضرتؒ کو دُنیا بھر سے قیمتی کوئی دولت ہاتھ آگئی ہے اور پھر خوب خوب دُعاؤں سے نوازتے۔ (مولانا قاری محمد طاہر رحیمیؒ، مدینہ منورہ)

بے نفسی وفروتنی

حضرت شیخؒ کو حق تعالیٰ نے عبدیت ومحبوبیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، اور صحیح بخاری شریف کی حدیث: ''ثم یوضع له القبول فی الأرض'' کے مطابق ان

کی یہ محبوبیت عطیۂ آسمانی تھا۔ وہ ہر محفل میں ''چراغِ محفل'' ہوتے، خواہ یہ محفل بادشاہوں کی ہوتی یا درویشوں کی، طلبہ کی یا دانشوروں کی، عربوں کی یا عجمیوں کی، احباب کی یا اغیار کی، وہ سب پر بھاری نظر آتے۔

حضرتؒ کے اِخلاص وللّٰہیت، بےلوثی و بےغرضی اور بےنفسی وفروتنی کا ثمرہ تھا کہ یہ بےتاج بادشاہ کروڑوں انسانوں کے دِلوں پر حکمرانی کررہا تھا، اور جب وہ دُنیا سے رُخصت ہوا تو اس کا آفتابِ شہرت نصف النہار پر تھا۔ آپؒ نے اپنے آپ کو جتنا مٹایا، اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اُٹھایا، جس قدر اپنی پستی وفروتنی کا اقرار کیا حق تعالیٰ نے اسی قدر رفعتوں اور بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ سچ ہے: ''من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ'' فوق العادت اخلاص وتواضع کے ساتھ ساتھ آپ کی خودداری واستغنا کی شان بھی نرالی تھی۔

(مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

فہرست

شانِ فنا کی نسبت

مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ساری زندگی اس کوشش میں رہے کہ آپ شہرت سے دُور رہیں اور کوئی آپ کو نہ پہچانے۔ خلیفۂ اوّل سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شانِ فنا کی نسبت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور بقول حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ: ''تصوف نام ہے اپنے آپ کو مٹادینا۔'' حضرت شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ساری زندگی اس فلسفے کی تصویر بننے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دفعہ جدہ ایئرپورٹ پر فرمایا: ''دِل چاہتا ہے کہ مجھے کوئی نہ جانے، نہ کوئی حضرت کہے، نہ بڑا سمجھے!'' اتنے میں پی۔آئی۔اے کا ایک افسر آیا اور دو فرسٹ کلاس کے بورڈنگ کارڈ دے گیا کہ ایک آپ کے لئے اور ایک کسی اور بزرگ کو آپ مرحمت فرمادیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: دیکھو! میں کیا سوچ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتے ہیں۔''

اپنی نفی کرو اور نفی کی بھی نفی کرو

تواضع کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے: ''جب تک میرے شیوخ یعنی حضرت بنوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری اور حضرت عارفی... رحمہم اللہ... زندہ رہے، میں اپنے آپ کو اِنسان بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اب ان کے جانے کے بعد کچھ کچھ انسانوں میں شمار کرنے لگا ہوں۔'' اور اکثر فرماتے تھے کہ: ''اپنی نفی کرو! اور نفی کی بھی نفی کرو!'' اپنے اکابرین کے لئے محبت اور ادب وعقیدت حضرت اباجی شہیدؒ پر ختم تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے پوتے مسجد میں تشریف لائے، عذر کی وجہ سے گھر نہیں آسکتے تھے، حضرت اباجی ان سے ملنے کے لئے ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے تشریف لے گئے۔ (صاحبزادی ذ۔ک لدھیانوی)

فہرست

عاجزانہ انداز

۱۴۱۳ھ میں راقم الحروف کو حج پر جانا تھا، اس موقع پر حضرتؒ نے جو قیمتی باتیں تحریر فرمائیں وہ درج ذیل ہیں۔ پھر اس خط کے آخر میں حضرتِ والاؒ نے جس والہانہ اور عاجزانہ انداز میں دُعا کی درخواست فرمائی وہ حضرتؒ کی تواضع اور فنائیت کی روشن دلیل ہے کہ ایک اتنا بڑا محقق، عالمِ ربانی اور قطبِ دوراں! ایک ادنیٰ طالبِ علم سے اس طرح دُعا کی درخواست کرے۔ چنانچہ لکھا: ''برادرم سلّمہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کعبہ شریف پر پہلی نظر کے موقع پر جو دُعا کی جائے اس کی قبولیت کی اُمید ہے۔ اکابر سے اس کا کوئی معمول منقول نہیں کہ کون سی دُعا کی جائے؟ کوئی سی اچھی دُعا مانگی جاسکتی ہے۔ مدینہ شریف میں موت کی تمنا مبارک ہے، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں، اور جب وقت آئے ایمان کے ساتھ رُخصت فرمائیں۔ مناسکِ حج کا اہتمام کیا جائے اور کسی عالم سے جو مسائلِ حج سے واقف ہو، پوچھ پوچھ کر اَرکان ادا کئے جائیں۔ وقت کو ضائع نہ کیا جائے، مکہ مکرمہ میں طواف کی کثرت کی جائے، تلاوت کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور کلمہ شریف کا وِرد رکھا

جائے، کم سے کم ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف ضرور پڑھا جائے۔ مدینہ منورہ میں درود شریف کی کثرت کی جائے اور ذکر و دُعا کا اہتمام کیا جائے، مسجد شریف میں جب بھی حاضری ہو (حرمین شریفین دونوں میں) اِعتکاف کی نیت ضرور کرلی جائے، اور نہایت ادب وسکون اور اِحترام کے ساتھ وقت گزارا جائے، کسی سے لڑائی جھگڑا، بحث مباحثہ ہرگز نہ کیا جائے، اگر کسی کی طرف سے کچھ تکلیف پہنچے اس سے بھی درگزر کیا جائے، اللہ تعالیٰ حج مبرور نصیب فرمائے! یہ ناکارہ بھی بہت ہی فقیر ومحتاج ہے، اس لئے اگر دُعاؤں کی زکوٰۃ اس فقیر کو بھی عطا فرمائیں تو غایت کرم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دُنیا وآخرت کی سعادت نصیب فرمائے، اپنی رضا ومحبت عطا فرمائے اور دُنیا وآخرت میں اپنے محبوب ومقبول بندوں کی معیت نصیب فرمائیں۔'' (مولانا محمد نعیم میمن، حیدرآباد)

سادگی اور خوش گفتاری

اہلِ حدیث حضرات میں ایک خاصا بڑا معتدل نام حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کا ہے۔ برصغیر پاک وہند کا شاید ہی کوئی علمی رسالہ ایسا ہو جو اُن کی نظر سے نہ گزرتا ہو، بلکہ غیرملکی فارسی وعربی جرائد بھی منگواتے تھے اور ان کی ذاتی لائبریری جو آج کل ایک وقف اِدارہ ہے، اس میں برصغیر کے تمام اہم علمی پرچوں کی تقریباً مکمل فائلیں موجود ہیں۔ موصوف، مولانا محمد یوسف شہیدؒ کے مضامین ''بینات'' اور آپ کے قلم کے ...جو فتنوں کے تعاقب میں نہایت روانی سے چلتا تھا... بہت معتقد تھے۔ چونکہ ان کے ساتھ میرے نیازمندانہ مراسم تھے، لہٰذا انہوں نے مجھ سے کہا کہ: ''مولانا محمد یوسف صاحب جب کبھی لاہور تشریف لائیں تو میری ان سے ملاقات کرائیے۔'' حضرت شہیدؒ کا ان دنوں معمول تھا کہ اگر لاہور کسی کام کے لئے شریف لاتے تو میرے ہاں ''مکتبہ رشیدیہ'' شاہ عالم مارکیٹ ضرور قدم رنجہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تشریف آوری پر میں نے کہا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ فوراً فرمایا کہ: چلو ابھی چلتے ہیں!

اب یہ مجھے یاد نہیں کہ ہم تانگے پر شیش محل روڈ گئے یا رکشے پر، بہر حال ملاقات ہوئی اور دونوں کو ایک دُوسرے سے مل کر جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف کے خیال میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ خاصی پختہ عمر کے ہوں گے اور ساتھ یہ بھی کہ آج کل کے علماء کی طرح ... جن میں ایک میں بھی تھا کہ ان دنوں اچکن میں جکڑا رہتا تھا... مولانا محمد یوسف صاحبؒ شوخ و شنگ لباس میں ہوں گے، عینک چہرے پر لگی ہوگی، چھڑی ہاتھ میں ہوگی اور گھڑی بھی، شلوار اچکن پہنے ہوں گے۔ لیکن جب ملاقات ہوئی تو ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ جیسے سیدھے سادے وہ خود تھے، ایسے ہی مولانا محمد یوسفؒ تھے اور پھر جوان، لیکن جوانی کی کوئی علامت چہرے پر ہویدا نہ تھی۔ لیکن سادگی کے ساتھ خوش خلقی اور خوش گفتاری بھی ایسی کہ ''مرنہ جائے کون'' مولانا کے بارے میں فرمایا: ''میری طرح جاٹ لگتے ہیں'' اور مولانا محمد یوسف ذات کے اعتبار سے بھی واقعی جاٹ تھے۔ لیکن ان کی مراد سادگی تھی۔ (مولانا حافظ عبدالرشید ارشد مرحوم، لاہور)

امانت و دیانت

قاری سعید الرحمٰنؒ (راولپنڈی) فرماتے ہیں کہ:

افغانستان کے سفر میں فرمایا: ''وہ واقعہ یاد ہے کہ ایک بار ہم دونوں خیر المدارس میں امتحان دے رہے تھے کہ کسی نے امتحان گاہ میں پرچہ پھینکا اور ہم دونوں نے اس کو ہاتھ بھی نہ لگایا، اور فرمایا کہ میں نے تو اس کو کہا کہ یہ خیانت اور بد دیانتی ہے۔'' سبحان اللہ! جو شخص دورانِ طالب علمی امانت و دیانت کا خیال رکھتا ہو، وہ آنے والے دور میں کس قدر ان اُمور کا لحاظ رکھنے والا ہوگا؟ آج کے دور کے طلبہ کے لئے کیا بہترین سبق و موعظت ہے کہ علم کے حصول میں یہ بلند کردار رکھنا چاہئے۔

***

سلوک واحسان

حضرت شہیدؒ کے مشائخِ عظام

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّراللہ مرقدہٗ نے بھی اپنے رُوحانی مدارج اپنے مشائخ کی نگرانی اور راہنمائی میں نہ صرف یہ کہ طے کئے بلکہ ان میں کمال پیدا کیا۔ حضرتؒ نے کن شیوخ سے فیض حاصل کیا؟ اس رُوحانی سفر کی داستان سناتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں: ''حق تعالیٰ شانہٗ کے جو بے پایاں انعامات واحسانات اس ناکارہ کے شاملِ حال ہیں ان میں سے ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اپنے مقبول ومحبوب بندوں کی محبت، قلب میں ودیعت فرمائی اوران سے ربط وتعلق نصیب فرمایا۔ فلہ الحمد ولہ الشکر!

ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹرعبدالحی عارفی نوّراللہ مرقدہٗ یہ شعرکثرت سے پڑھا کرتے تھے:

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

چار بزرگوں کے ساتھ اس ناکارہ کو بچپن ہی سے عشق کی حد تک عقیدت ومحبت تھی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّدحسین احمد مدنی نوّراللہ مرقدہٗ، حضرت اِمام التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی نوّراللہ مرقدہٗ، حضرت محدث العصر مولانا سیّدمحمد یوسف بنوری نوّراللہ مرقدہٗ، حضرت سلطان القلم مولانا مناظر احسن گیلانی نوّراللہ مرقدہٗ۔

اپنے چار اکابر کے لئے یہ ناکارہ ہرنماز کے بعد اِلتزاماً ایصالِ ثواب کرتا ہےاور

ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دُعا کرتا ہے:

۱:...سیّدی ومرشدی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان۔

۲:...سیّدی ومرشدی قطب العالم حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ۔

۳:...سیّدی ومرشدی حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ۔

۴:...سیّدی ومرشدی حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ۔

اوّل الذکر میرے اُستاذِ حدیث بھی ہیں اور شیخِ اوّل بھی۔ ثانی الذکر میرے شیخِ ثانی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب میرے رہبرِ طریقت ہیں، اور حضرت اقدس بنوریؒ سے نہ اس ناکارہ کو باقاعدہ تلمذ حاصل تھا اور نہ وہ اس ناکارہ کے باقاعدہ شیخ طریقت تھے، لیکن اس ناکارہ کی شخصیت کی تکوین میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے، اور علمی ورُوحانی استفادہ سب سے زیادہ انہی سے کیا، اس لئے یہ ناکارہ ان کو اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے، بعد میں حضرت بنوریؒ نے اس ناکارہ کو حدیث کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی۔ اس لئے ان کو بھی اپنا شیخ ومرشد سمجھتا ہوں۔'' (شخصیات وتأثرات ص ۱۳۲) (مفتی خالد محمود، کراچی)

گاؤں میں معمولاتِ رمضان

حضرت اقدسؒ نے حافظِ قرآن ہونے کے بعد ہمیشہ تراویح میں قرآن سنایا، قرآن کا دور ہمیشہ صاحبزادہ محمد سعید کے ساتھ کیا، رمضان المبارک میں معمول تھا کہ تراویح کا پارہ اوّلاً تہجد میں پڑھتے، تہجد سے فارغ ہوکر سحری نوش فرماتے، نمازِ فجر اَدا فرماتے، پھر نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے، درس کے بعد اِشراق کے نوافل ادا کرتے، پھر آرام کرنے کے لئے لیٹ جاتے۔ تقریباً دس بجے بیدار ہوتے، مسواک کے ساتھ وضو فرماتے، چاشت کے نوافل ادا کرتے، نوافل کے بعد صاحبزادہ محمد سعید کے ساتھ دور شروع کرتے، نمازِ ظہر سے تھوڑی دیر پہلے دور ختم کرتے، قیلولہ فرماتے، ظہر کی اَذان کے ساتھ ہی اُٹھ جاتے، وضو فرماتے، ظہر کی سنتیں ادا کرتے، پھر نمازِ ظہر کی اِمامت فرماتے۔ نمازِ ظہر کے بعد متصلاً

محمد سعید صاحب کے ساتھ دوبارہ دور شروع فرماتے، جو نمازِ عصر تک جاری رہتا، عصر کی اَذان ہونے پر جدید وضو کرتے، عصر کی سنتیں ادا کرتے، نمازِ عصر کی اِمامت کراتے، نمازِ عصر کے بعد درسِ حدیث دیتے۔ درسِ حدیث سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر کے لئے عمومی مجلس فرماتے، پھر مجلس برخاست کرتے اور اپنی نگرانی میں ہم خدام سے بادام وغیرہ اور مکھن کی چٹنی اور اِفطاری تیار کرواتے، اس دوران ہم خدام کو خوش کلامی اور مزاح سے نوازتے رہتے۔ اِفطاری اور نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر اَوّابین میں پورے دِن کا دور کردہ پارہ سناتے، صاحبزادہ محمد سعید سامع کے علاوہ آپ کے والد ماجد جناب چوہدری اللہ بخش اور راقم کے والد ماجد مولانا حکیم محمد حسین صرف دو مقتدی ہوتے۔ عشاء سے کچھ دیر پہلے نوافل اَوّابین سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے، اتنے میں عشاء کی اَذان ہوجاتی، نیا وضو فرماتے، سنتیں پڑھتے، پھر نمازِ عشاء اور تراویح پڑھاتے۔ پورا رمضان تراویح سمیت نمازِ پنج گانہ کی جماعت خود کراتے۔ تراویح سے فراغت پر گرم دُودھ نوش فرماتے اور خواص کے ساتھ تھوڑی دیر مجلس آرائی کے بعد سونے کے لئے تشریف لے جاتے۔ کراچی منتقل ہونے سے قبل برسہا برس آبائی گاؤں میں ہمیشہ اسی معمول کے ساتھ رمضان شریف گزارا کرتے۔

(مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

مریدین و متوسلین کی تعلیم و تربیت

آپؒ کے اصلاح و ارشاد کا طریقہ بہت مفید و مؤثر تھا، سلوک و احسان کے سلسلے میں آپ کی تعلیم و تربیت کے امتیازی پہلو یہ تھے:

۱:... آپؒ اپنے مریدین و متوسلین میں شریعت کی عظمت و اتباع کا جذبہ پیدا کرتے جو طریقت کے لئے بہت ضروری ہے۔

۲:... محبتِ اِلٰہیہ اور عشقِ رسول سے دِلوں کو معمور کرتے۔

۳:... دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دِلوں میں بٹھاتے۔

۴:... اِتباعِ سنت کو ہر چیز پر فوقیت دیتے۔

۵:... حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی رعایت کا بہت اِلتزام کراتے۔

٦:... قضا نمازوں، روزوں اور دیگر فرائض کے جلد ادا کرنے کا بہت اہتمام کراتے۔

۷:... باطنی رذائل کے اِزالے کی طرف بہت توجہ دیتے۔

۸:... آپس میں لڑائی جھگڑا، باہمی تو تکار اور طعن و تشنیع سے بچنے کی بطورِ خاص تلقین فرماتے۔

۹:... عبادت کے ساتھ صفائی، معاملات کو اَز بس ضروری سمجھتے۔

۱۰:... اَذکار و وظائف کی پابندی، تلاوتِ قرآن مجید، موقع بہ موقع مسنون دُعاؤں کے پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید فرماتے۔ شیخ سے رابطہ اور اِتباع و اِطلاع کو اِحسانی وسلوکی ترقی کے لئے اشد ضروری سمجھتے۔ ''تلك عشرة كاملة'' (مولانا محمد اسلمؒ، گوجرہ)

حضرتؒ سے میرا اِصلاحی تعلق

تصوف و سلوک کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے میرے دِل میں شہیدِ اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے متعلق اِلقاء کیا اور میرے دِل میں ان سے رُجوع کرنے کی طرف رغبت ڈال دی، کیونکہ جتنے مشائخ اور بزرگ ذہن میں آتے رہے، کچھ حضرات تو دُور تھے، اور بعدِ مکانی کی بنا پر ان کی برکات سے استفادہ مشکل تھا، اور کچھ حضرات کے ساتھ قلبی و ذہنی مناسبت نہیں تھی۔ یہ بات دل میں آئی تو میں سیدھا حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں حضرتؒ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے متصل کمرے میں تشریف رکھتے تھے، ظہر کے بعد کا وقت تھا، بندہ جب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؒ نے میری طرف توجہ فرمائی، بندے نے ساری صورتِ حال عرض کرتے ہوئے بتایا کہ پہلے میں فلاں فلاں بزرگوں سے بیعت تھا اور اب اپنا اصلاحی تعلق حضرت سے قائم کرنا چاہتا ہوں۔ میری معروضات سن کر حضرت کو تھوڑا سا تعجب بھی ہوا، لیکن آپ نے ہنس کر قبول فرمایا اور بیعت فرمانے کے بعد اَذکار تلقین

فہرست

فرمائے۔ اس کے بعد سے آج تک حضرتؒ کی جانب سے جو الطاف وعنایات اور جو شفقتیں مسلسل ہوتی رہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس بندۂ ''ظلوم وجہول'' نے آج تک صحیح معنی میں ان کی قدر نہ کی۔ آج جب اس حیاتِ مستعار میں مختلف مواقع پر مشکلات پیش آتی ہیں تو دِل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے کہ کاش! حضرتؒ حیات ہوتے یا حضرتؒ کی حیات میں اس حوالے سے کوئی بات ملتی تو بفضلِ خدا ان مشکلات کا اِزالہ ہوجاتا۔

(مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ)

....

❋... مولانا لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصلاحی تعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ سے بھی تھا اور بعد میں میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس سرہٗ سے بھی انہیں خلافت حاصل ہوئی۔ ان دونوں بزرگوں کے فیوض سے مالا مال ہوکر انہوں نے اصلاح وارشاد کے میدان میں بھی عظیم خدمات انجام دیں۔

(مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

....

❋... فیڈرل بی ایریا کی جامع مسجد فلاح کو مولاناؒ نے اس جہت سے اپنا مرکز فیض رسانی قرار دیا تھا، اسی مسجد کے مکان میں مولانا آخر وقت تک مقیم رہے۔ اس مسجد میں ہونے والی ان کی مجالس نے نہ جانے کتنے مردوں اور عورتوں کی زندگی میں خوشگوار دِینی انقلاب پیدا کیا۔ پورے محلے پر ان کی اصلاحات کا رنگ نمایاں تھا، بعد میں لوگ دُور دُور سے ان مجالس میں شرکت کے لئے آتے اور مولاناؒ کے فیوض سے مالا مال ہوتے تھے۔

(مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

مسندِ رشد وہدایت

مسلکِ حقہ علمائے دیوبند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ صرف علومِ ظاہری پر اِکتفا نہیں کرتے بلکہ علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ اگر تزکیۂ باطن نہ ہو تو اس علمِ ظاہری کی کوئی

فہرست

حیثیت نہیں گردانتے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے تجزیے میں یہ خصوصیت لکھی ہے کہ علومِ ظاہری اور علومِ باطنی کا حسین اِمتزاج یہیں پر نظر آئے گا۔ (دوسرے خط میں) ''رہبان باللیل اور فرسان بالنہار'' کی عملی تصویر دارالعلوم دیوبند کے علمائے کرام ہی کو کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے تذکرے میں علمائے اسلام تحریر فرماتے ہیں کہ: ''دارالعلوم کے چپراسی سے لے کر شیخ الحدیث تک وقت کے اولیائے کرام ہوا کرتے تھے۔'' فقیہِ ملت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے علومِ ظاہری کے اُونچے درجے پر فائز ہونے کے باوجود اصلاحِ باطنی کے لئے سیّد الطائفہ حضرت اِمدادُاللہ مہاجر مکیؒ سے رُجوع کیا اور تزکیۂ نفوس اور سلوک کی منازل طے کرکے دستارِ خلافت سے سرفراز ہوکر اُمت کی ہدایت کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے رُجوع کیا اور مدینہ منورہ کی ویران مساجد میں ذِکر واذکار اور مجاہدات کے ذریعہ منازلِ سلوک طے کیں اور شیخِ وقت کی حیثیت سے ہزاروں افراد کی اصلاح کی خدمات سرانجام دیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سندِ فضیلت سے سرفراز ہوکر سیّد الطائفہ حضرت حاجی اِمدادُاللہ مہاجرِ مکیؒ کی خدمتِ عالیہ میں گئے اور مختصر عرصے میں منازلِ سلوک طے کیں۔ اسی طرح حضرت لدھیانوی شہیدؒ جب جامعہ خیرالمدارس سے دستارِ فضیلت سے مشرف ہوئے تو آپؒ کی توجہ وعقیدت کا محوَر خیرالاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ تھے، جن کو اگر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے شرفِ تلمذ تھا تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی طرف سے شرفِ خلافت واجازت بیعت بھی حاصل تھا۔ اس حسین اِمتزاج نے رُشد وہدایت کی مسند کو چار چاند لگائے ہوئے تھے، بڑے بڑے اکابر علمائے کرام آپ سے بیعت ہوکر منازلِ سلوک طے کرنا اپنے لئے سعادتِ دارین گردانتے تھے۔ حضرت اقدس شہیدؒ نے بھی دستارِ فضیلت حاصل کرتے ہی اپنے آپ کو مکمل طور پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے سپرد

فہرست

کرتے ہوئے بیعت کی درخواست کردی، جسے اَزراہِ شفقت ومحبت حضرتؒ نے قبول فرمالیا اوراس طرح آپؒ سلسلۂ اشرفیہ، اِمدادیہ، چشتیہ سے منسلک ہوکر اصلاحِ باطن کی منازلِ سلوک طے کرنے لگے، اورحضرت جالندھریؒ نے جو معمولات تجویز فرمائے اس کو پورا کرنے لگے، اس سلسلے میں آپ کی حضرت جالندھریؒ سے خط وکتابت بھی ہوئی جو ''خیرالمکاتیب'' کے عنوان سے ''بیس مردانِ حق'' میں حضرت شہیدؒ کے مضمون کے ذیل میں...جوحضرت مولانا خیرمحمد جالندھریؒ پرتحریر فرمایا...شاملِ اشاعت ہے۔حضرت شہیدؒ درس وتدریس کے ساتھ معمولات بھی پورے اہتمام سے ادا کرتے رہے، اور ایک ایک مسئلے پر حضرت مولانا خیرمحمد جالندھریؒ سے رہنمائی حاصل کرکے سلوک کی دُشوار راہوں کو قطع کرتے رہے،تا آنکہ ۲۱؍شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲؍اکتوبر ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا خیرمحمد جالندھریؒ اس دارِفانی سے دارِبقا کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت شہیدؒ کو اپنے تزکیہ اور اصلاحِ نفس کے لئے کسی دُوسرے شیخ کی ضرورت محسوس ہوئی۔تب آپؒ کی نگاہِ انتخاب اس دور کے ولیٔ کامل، قطب الاقطاب قدوۃ السالکین، اِمام العافین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمدزکریاؒ پر پڑی اورآپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی جسے فرطِ محبت سے حضرتِ شیخ نے قبول کرتے ہوئے آپ کوسابقہ معمولات جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سلسلے کے معمولات پورے کرنے کا حکم دیا۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدزکریاؒ کے حکم کے مطابق حضرت شہیدؒ نے اپنے معمولات پورا کرنے کے ساتھ شیخ سے باضابطہ اصلاحی تعلق رکھا اور اپنے معمولات کی اطلاع حسبِ سابق دیتے رہے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدزکریاؒ کی حضرت شہیدؒ پرخصوصی نگاہ تھی، پاکستان سے ہرآنے جانے والے سے حضرت شہیدؒ سے متعلق آپ برابر معلومات حاصل کرتے رہتے اورحضرت شہیدؒ کی خدمات پرخوشی کا اظہار فرماتے۔ بارہا محدث العصر حضرت بنوریؒ سے آپ کا تذکرہ بہت اچھے اور محبت بھرے انداز میں فرمایا جس سے حضرت بنوریؒ کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔ ۲۹؍ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ کو آپؒ کی شہادت سے اکیس سال قبل اور حضرت مولانا خیرمحمد

فہرست

جالندھریؒ کی وفات کے دس سال بعد حضرت شہیدؒ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو درج ذیل خط تحریر فرمایا جس کے ایک ایک لفظ میں تواضع اور اپنی بے بضاعتی کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ لکھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سیّدی حضرت الشیخ الامام دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس ناکارہ نے بارہا ارادہ کیا کہ حضرتِ والا کی خدمت میں کچھ حالات لکھوں، مگر جب بھی اس کا قصد کیا محجوب ہوکر رہ گیا کہ کوئی حالت ہو تو لکھوں۔ قرآنِ کریم، حدیثِ نبوی اور اپنے اکابر کے ارشادات میں جو کچھ پڑھا ہے، جب اپنی حالت کا اس سے موازنہ کرتا ہوں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فہرست میں نام درج کرانے کے بھی لائق نہیں ہوں۔

حضرتِ والا نے بارہ تسبیح کا ذِکر ارشاد فرمایا ہے، بحمداللہ! وہ پابندی سے کرتا ہوں، مگر کبھی کبھی ناغہ بھی ہوجاتا ہے۔ اَذانِ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے اُٹھنے کا معمول ہے، مگر پابندی اس کی بھی نہیں ہو پاتی۔ اِستغفار، درود شریف، تسبیحاتِ فاطمی اور دیگر اَذکارِ مسنونہ پر حتی الوسع مداومت کرتا ہوں۔ الحمدللہ! جب بھی فرصت کا لمحہ ملے زبان پر ذِکر جاری ہوجاتا ہے، مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان ہی زبان پر ہے، قلب مشغول بحق نہیں، بلکہ اَفکارِ پریشان اور خطرات وساوِس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ حضرتِ والا کے ساتھ جتنا عشق اور ربطِ قلب ہونا چاہئے وہ بھی پورا محسوس نہیں ہوتا۔ الحمدللہ! پنج وقتہ نمازوں کے بعد حضرتِ والا کے لئے ایصالِ ثواب اور دُعا ترقیٔ

فہرست

درجات اِلتزاماً کرتا ہوں۔ کسی کی غیبت اور بدگوئی سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ کسی دُوسرے سے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

حضرت! یہ ناکارہ دُور افتادہ بھی ہے اور بداستعداد بھی اور حضرتِ والا کی توجہاتِ عالیہ اور مراحمِ خسروانہ کا بہت ہی محتاج اور نہایت لائقِ رحم ہے۔ حضرتِ والا اس ناکارہ کے مناسبِ حال جو ہدایات فرمائیں گے، ان شاء اللہ! ان پر بجان ودِل عمل کروں گا۔ حضرتِ والا سے دُعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ حضرت کے طفیل اس ناکارہ کو اپنی رضا ومحبت نصیب فرمائیں اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دُنیا سے جانا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم وفضل سے حضرتِ اقدس کا سایہ تادیر قائم رکھے اور فیوض وبرکات میں اَضْعَافاً مُضٰعَفَۃً اضافہ فرمائے۔ (آمین) والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

۲۹؍ربیع الاوّل ۱۴۰۰ھ

۱۷؍فروری ۱۹۸۰ء۔‘‘

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جیسے پہلے سے اس خط کے منتظر تھے اور ان کو حضرتؒ کی اس کیفیتِ احسان کا انتظار تھا، اس لئے کہ تصوف کی اِصطلاح میں حضرت شہیدؒ ’’فنا‘‘ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوچکے تھے۔ ان کے خط کے ایک ایک حرف سے فنائیت اور خودفراموشی اور اِتباعِ شیخ کے جذبات واضح طور پر نظر آرہے تھے اور سونا بھٹی سے کُندن ہوکر نکل چکا تھا، اب اس کے اظہار اور کام لینے کی ضرورت تھی، حضرتِ شیخؒ کی دُوربین نگاہیں مستقبل میں جھانک رہی تھیں، سلسلۂ اِمدادیہ کے ہمہ طُرق کی تقویت حضرت شہیدؒ کے وجودِ بامسعود کے مقدّر میں لکھی جاچکی تھی، اس لئے فوری طور پر جواب کے ساتھ خلافت کی خلعت سے سرفراز فرماکر درج ذیل جواب تحریر فرمایا:

فہرست

''باسمہ سبحانہ
مکرم ومحترم مدفیوضکم

بعد سلامِ مسنون، گرامی نامہ بہت دیر ہوئی پہنچا تھا، مگر اس ناکارہ کی طبیعت روزانہ ہی خراب ہوتی جارہی ہے، جس کی وجہ سے ڈاک پڑھنا اور جواب لکھوانا بہت مشکل ہوا....۔مگر جواب کے لئے کبھی دریغ نہیں۔ آپ کے معمولات بالخصوص ذکر بارہ تسبیح کی پابندی سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اِستقامت وترقیات سے نوازے۔

توکلاً علی اللہ تعالیٰ! آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں، جو کوئی طالب آئے اس کو بیعت کرلیا کریں۔ ''تربیت السالک''، ''اِکمال الشیم''، ''ارشاد السلوک'' اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ ''آپ بیتی'' نمبر۶ میں جو اِجازت کے متعلق مضمون ہے، اس کو بھی مطالعہ میں رکھیں۔ اجازتِ بیعت کی حیثیت ایک سند کی سی ہے، اس کو دلیلِ کمال نہیں سمجھ لینا چاہئے، بہت سے لوگوں کو اس گمان میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے ملأ اَعلیٰ سے تحت الثریٰ میں گرتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اس کو دلیلِ کمال سمجھ کر معمولات چھوڑ دیئے۔ حالانکہ اس کے بعد تو ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ تو دلیلِ مناسبت ہے کہ آدمی اس کے بعد اگر محنت ومجاہدہ سے اس نسبت کو بڑھائے تو ترقی کرتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نسبت ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا واقعہ ''تذکرۃ الرشید'' میں بھی اور میری دُوسری تالیف میں بھی کثرت سے مذکور ہے کہ حضرتؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے بیعت کے ایک ہفتے کے بعد فرمادیا تھا کہ: ''میاں

رشید احمد! مجھے تو جو کچھ دینا تھا دے دیا، اب بڑھانا تمہارا کام ہے۔'' اور دُوسرے موقع پر کسی کے اِستفسار پر کہ: ''حضرت پھر کیا ہوا؟'' حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ: ''پھر تو میں مرمٹا!'' حضرت گنگوہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ مجھے دینا تھا دے دیا، اس وقت تو مجھے کچھ پتا نہیں چلا تھا کہ حضرتؒ نے کیا چیز مجھے دی۔ مگر اَب مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز تھی؟ میرا تو جی چاہتا تھا کہ بہت تفصیل سے لکھوں، مگر میری طبیعت بھی خراب ہے، بہت مشکل سے یہ چند سطور لکھوا سکا ہوں، آپ کے لئے دِل سے دُعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام!

حضرت شیخ الحدیث

۷؍جون ۱۹۸۰ء، مدینہ طیبہ۔''

حضرت شہیدؒ کے تصور کے خلاف جب یہ خلافت نامہ پہنچا تو آپ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی کیفیت طاری ہوئی کہ آگ لینے گئے تھے، پیغمبری مل گئی۔ حضرتؒ نے تو اپنی بے بضاعتی کا ذکر کرکے معمولات کے اضافے کی درخواست کی تھی، مگر اِدھر سے شیخ نے آپ پر خلافت کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا، اس لئے آپ پر ایک عجیب گریہ کی صورت پیدا ہوئی، چنانچہ آپؒ نے اس جواب پر ان الفاظ کا یہ نوٹ تحریر فرمایا:

''یہ صحیفہ مبارکہ ۳۰؍رجب ۱۴۰۰ھ کو موصول ہوا، اس کو پڑھتے ہی نہایت رِقت سے گریہ طاری ہوا۔ اے اللہ! میری جو حالت ہے وہ آپ کے سامنے ہے، یا اللہ! اپنے مقبول بندوں کے حسنِ ظن کو قبول فرما اور اپنے اس نالائق وگناہگار بندے کو ان کی جوتیوں میں جگہ عطا فرما۔ محمد یوسف

۳۰؍رجب المرجب ۱۴۰۰ھ۔''

اندازہ کیجئے! ایک طرف قطبِ وقت سے خلافت کا اِعزاز مل رہا ہے، اور ادھر دُوسری جانب حضرت شہیدؒ کی تواضع اور فنائیت کا یہ عالم کہ بجائے اپنی حالت پر ناز اور فرحت وخوشی کے اظہار کے، اپنے نفس کے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کر کے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے خوشی اور غم میں اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔

شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی خلافت کے باوجود آپؒ حتی الوسع بیعت کرنے سے گریز اور اِحتراز کرتے رہے، اور کوئی طالب آتا تو اس کو حضرت شیخؒ کی طرف بھیج دیا کرتے اور اس کے سامنے اپنی حالت منکشف کر دیتے، اکثر فرماتے: ''اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہوئی ہے۔ ورنہ اگر ہماری حالت کو اللہ تعالیٰ دُنیا پر ظاہر فرمادیں تو لوگ ہم پر تھوکیں بھی نہیں!'' حضرت شہیدؒ یہ تصنع یا تکلف کی بنا پر نہیں فرماتے تھے، بلکہ منازلِ سلوک طے کر کے آپ کی یہ حالت ہوگئی تھی اور واقعتا آپ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی طرح اپنے آپ کو دُنیا کا کمتر انسان گردانتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے بیعت کے باوجود شیخ کے دُور ہونے کی بنا پر (جیسا کہ آپ نے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ دُور افتادہ اور بداستعداد ہوں) آپ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ خلیفۂ اَجل حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں تشریف لے جاتے اور تصوف وسلوک کے سلسلے میں ان سے مشاورت فرماتے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ بھی آپ سے بہت زیادہ شفقت کا معاملہ فرماتے اور خصوصی طور پر اپنے قریب بٹھاتے اور آپ کو اپنی مجلس کی رونق فرماتے۔ بارہا فرمایا کہ: ''مولانا تقی عثمانی اور آپ میرے سرمایہ اور مدارِنجات ہیں!'' حضرت شہیدؒ کو بھی آپ سے والہانہ محبت تھی۔ شیخ طریقت مولانا محمد زکریا نوّر اللہ مرقدہٗ کی خلافت کے فوراً بعد عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور اس کا باقاعدہ اعلان فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوّر اللہ مرقدہٗ کی زندگی میں اور آپ کی وفات

فہرست

کے بعد شدّت سے حضرت شیخ کے خلفائے کرام خصوصاً حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب زید مجدہم نے حضرت شہیدؒ سے اِصرار کیا کہ وہ بیعت کا سلسلہ شروع کریں، مگر حضرت شہیدؒ عذر فرماتے رہے جس پر ایک دفعہ ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب نے فرمایا کہ: ’’آپ بیعت نہ کر کے شیخ الحدیثؒ کی رُوح کو تکلیف پہنچا رہے ہیں!‘‘ بلکہ فرمایا کہ خود حضرت شیخ الحدیث نوّر اللہ مرقدہٗ کا بھی یہی انداز تھا، مگر حضرت دہلویؒ اور حضرت رائے پوریؒ نے زبردستی حکم دے کر بیعت کرائی اور فرمایا کہ کیا تم پر وحی آئے گی؟ جبریل علیہ السلام کے آنے کے منتظر ہو؟ بہر حال اس کے بعد حضرت شہیدؒ بادِلِ نخواستہ بیعت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ بیعت کے لئے آنے والوں کو فرماتے: ’’کیوں اپنی زندگی خراب کرتے ہو؟ اس ناکارہ سے بیعت کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، میں تو اس قابل نہیں ہوں، فلاں حضرت کے خلیفہ کے پاس چلے جاؤ، فلاں سے بیعت کرلو، اِستخارہ کرلو‘‘ مگر جب بہت ہی مجبور ہوتے تو بیعت فرما لیتے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی رحلت کے بعد تو آپ پر بیعت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

علمائے کرام، مشائخِ عظام اور عوام الناس کا ایک سیلاب تھا جس کا رُخ آپ کی طرف ہوگیا، جو ایک دفعہ زیارت کرلیتا، گرویدہ ہوکر مرید بن جاتا۔ رفتہ رفتہ آپ پر تصوف کا رنگ اتنا غالب ہوا کہ تصنیف و تالیف اور ’’مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت‘‘ کے کام کے علاوہ زیادہ وقت مسندِ رُشد و ہدایت پر ہی صرف ہوتا۔ فجر کے بعد سے لے کر رات بارہ ایک بجے تک متوسلین، متبعین اور مریدین کا مجمع رہتا۔ فجر سے قبل مسجد فلاح ذاکرین کے ذِکر کی رُوحانی کیفیت سے سرشار نظر آتی۔ آپؒ کا معمول تہجد کے بعد فجر سے قبل ذِکر کا تھا، لیکن وہ آپ اپنے گھر پر کرتے، مگر آپ کے متوسلین اکثر مسجد میں ذِکر کرتے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی طرح بیعت کے لئے آپ کی شرائط بہت زیادہ سخت تھیں، مگر اس کے باوجود مریدین ٹوٹے پڑتے تھے، بغیر داڑھی والے، یا غیر شرعی داڑھی والے کو آپ اس وقت تک بیعت نہ کرتے، جب تک وہ توبہ کر کے اپنی داڑھی کو شرعی نہ کرلیتا۔ کالر والے لباس یا غیر شرعی لباس پہننے والے کو بیعت نہ کرتے، بلکہ ان لوگوں سے معانقہ تک سے اِحتراز

کرتے۔ دُعا کے لئے کہتے تو فرماتے کہ ’’دُعا کس طرح قبول ہوگی؟ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کیا ہوا ہے۔‘‘ بیعت کراتے ہوئے آپ ان الفاظ سے تجدیدِ ایمان اور گناہوں سے توبہ کراتے:

(اَلفاظِ بیعت مع خطبہ)

"الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ۔ ونشھد ان لآ إلٰہ إلّا اللہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد ان سیّدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارك وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۟ۙ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ (الأحزاب)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ؑ (الفتح)

جو الفاظ میں کہتا ہوں وہ کہتے جاؤ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔

ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے نبیوں پر، اور قیامت کے دِن پر، اور اس بات پر کہ اچھی یا بُری تقدیر اللہ کی جانب سے ہے، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

ہم نے توبہ کی کفر سے، شرک سے، بدعت سے، چغل خوری سے، بے حیائی کے کاموں سے، تہمت لگانے سے، چوری سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، اور ہم توبہ کرتے ہیں ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ: ان شاء اللہ! ان شاء اللہ! ان شاء اللہ! آئندہ کوئی گناہ نہیں کریں گے اور جو ہو جائے گا فوراً توبہ کریں گے، یا اللہ! ہماری توبہ کو قبول فرما۔ (آمین)

ہم نے بیعت کی حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی سے محمد یوسف لدھیانوی کے ہاتھ پر۔ یا اللہ! ہماری اس بیعت کو قبول فرما اور دُنیا و آخرت میں اپنے محبوب اور مقبول بندوں کا ساتھ نصیب فرما۔''

سلوک کی منازل طے کرانے میں آپؒ کا انداز مشفقانہ تھا، سختی نہیں فرماتے تھے، بلکہ ترغیب اور تصرف کا زیادہ استعمال فرماتے۔ بیعت کرتے ہی مریدین میں سنت کا رنگ غالب آنے لگتا، آپؒ باجماعت نماز اور تکبیرِ تحریمہ کا وعدہ لازمی طور پر لیتے، اور باجماعت نماز سے غفلت اور تکبیرِ تحریمہ کے تارک کو سخت تنبیہ فرماتے۔ شفقت کے انداز میں آپ کسی

فہرست

بے داڑھی والے کے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تو حضرتؒ کی کرامت یا ہاتھ کی برکت کا ایسا اثر ہوتا کہ وہ چہرہ کچھ دِن بعد داڑھی سے مزین ہو جاتا۔ مفتی خالد محمود نائب مدیر ''اِقرأ روضۃ الاطفال'' کے مطابق ''اِقرأ روضۃ الاطفال'' لاہور ٹرسٹ کے معاون، نعمت ٹرسٹ کے ایک اجلاس میں حضرت شہیدؒ شریک ہوئے تو ایک یا دو فرد داڑھی والے تھے، مگر جب کچھ عرصہ بعد دوبارہ اجلاس ہوا تو ایک دو کے علاوہ باقی تمام ٹرسٹی داڑھی کی نعمت سے مزین ہو چکے تھے۔ باجماعت نماز کا اہتمام اور تلاوتِ کلام پاک اور مختصر تسبیحات کے ذریعے آپ اصلاح فرماتے۔ عام طور پر معمولات میں صبح وشام ایک تسبیح تیسرا کلمہ، ایک تسبیح درود شریف اور ایک تسبیح اِستغفار اور ایک پارہ تلاوتِ کلامِ پاک، حفاظ کے لئے تین پارے، ''مناجاتِ مقبول'' کی ایک منزل اور حضرت مخدوم ہاشمؒ کی مرتب کردہ درود شریف کی کتاب ''ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی ایک منزل پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ حالات سے اطلاع کی صورت میں مزید وظائف بتاتے، عام طور پر مختصر ذِکر کرنے کا حکم دیتے جو آٹھ تسبیحات پر مشتمل ہوتا۔ تین سو مرتبہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور پانچ سو مرتبہ اسمِ ذات، اس سے زیادہ کام کرنے والوں کو دوازدہ تسبیح کی بھی تلقین فرماتے۔ ہر مرید کے حسبِ حال وظائف اور معمولات بھی تجویز فرماتے۔ ہر جمعرات کی مجلس میں اصلاحی بیان فرماتے، جمعۃ المبارک کا بیان بھی اصلاحی عنوانات پر مشتمل ہوتا۔ بیس سال میں لاکھوں افراد نے آپؒ سے اصلاح حاصل کی۔ زندگی کے آخری دور میں پیرانہ سالی اور بیماری کے باوجود آپؒ نے گلگت کی دُشوار گزار وادیوں میں سفر کیا اور اصلاحی مجالس کے ذریعے ہزاروں افراد نے ایک ہفتے میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت کی اور اپنی زندگی کا رُخ تبدیل کیا۔ لندن، افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

تصوف وطریقت میں آپ کا انداز بہت زیادہ سہل تھا، اس لئے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ رہی۔ اور اسی طرح آپؒ پر حسنِ ظن بہت زیادہ غالب ہو گیا تھا، خاص کر عمر کے آخری حصے میں شفقت ومحبت کے غلبے اور دِین کی اشاعت کا جذبہ آپؒ پر بہت

فہرست

زیادہ غالب آ گیا تھا، اس لئے آپؒ نے مختلف الخیال لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے خصوصی طور پر شفقت کا معاملہ کیا اور اس راہ کی طرف متوجہ کیا۔ ان میں ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے قائد مولانا فضل الرحمٰن، ''سپاہ صحابہ'' کے مولانا اعظم طارق، ''جیشِ محمد'' کے مولانا مسعود اظہر، تبلیغی جماعت کے مولانا طارق جمیل، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا احمد میاں حمادی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر جیسی شخصیات شامل ہیں۔ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور مولانا فضل الرحمٰن کو خلافت دیتے ہوئے فرمایا: آپ دونوں حضرات جس منصب پر فائز ہیں، یعنی جمعیۃ علماء اسلام کی اِمارت اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا اہتمام، یہ اتنا عظیم منصب ہے کہ اس پر ہمیشہ ہمارے اکابر علماء نے صاحبِ نسبت افراد کا تقرّر کیا ہے، میرے دِل میں آیا کہ آپ حضرات کو جب اللہ تعالیٰ نے یہ منصب علمائے کرام کے ذریعے دلوادِیا تو آپ صاحبِ نسبت ہوں، اس لئے میں آپ کو اپنے سلسلے کی خلافت دیتا ہوں۔ مولانا اعظم طارقؒ نے جیل سے خط کے ذریعے بیعت کی اور منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے خطوط تحریر فرمائے۔ جیل میں آپؒ نے محسوس کیا کہ اب نفس تصوف کی طرف متوجہ ہوگیا ہے تو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ گلگت میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جب حضرت آدم بنوریؒ کو خلافت عطا فرمائی تو اپنے احباب کو فرمایا ہم نے پنچھی کے پَر کاٹ دیئے ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' پھر فرمایا کہ ہم نے مولانا فضل الرحمٰن، مولانا اعظم طارق، مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا طارق جمیل کو نسبت کے ذریعے قابو کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کام لے گا۔''

بلامبالغہ حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ کے بعد مسندِ رُشد وہدایت سے اتنا زیادہ اصلاح کا کام حضرت شہیدؒ کی خانقاہ میں ہی نظر آتا ہے، خدا کرے اکابرین کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ حضرت شہیدؒ کے درج ذیل خلفائے کرام ہیں:

ا:... حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ (امیر جمعیت علماء اسلام)

٢:...حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہٗ (ملتان)
٣:...حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ (کراچی)
٤:...حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (کراچی)
٥:...حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ (صدر سپاہ صحابہ)
٦:...حضرت مولانا احمد میاں حمادی (ٹنڈو آدم)
٧:...حضرت مولانا مفتی منیر احمد اخون (کراچی)
٨:...حضرت مولانا مسعود اظہر مدظلہٗ (اَمیر جیشِ محمد)
٩:...حضرت مولانا محمد حسین، حسین پوریؒ (ملتان)
١٠:...حضرت مولانا منظور احمد الحسینیؒ (لندن)
١١:...حضرت مولانا محمد سلیم دھورات مدظلہٗ (برطانیہ)
١٢:...حضرت مولانا اسماعیل مدظلہٗ (برطانیہ)
١٣:...حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمیؒ (مدینہ منورہ)
١٤:...حضرت مولانا قاری محمد یٰسین یوسفی مدظلہٗ (کراچی)
١٥:...حضرت مولانا قاری محمد صدیق رحیمی مدظلہٗ (ملتان)
١٦:...حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ رحیمی (مرحوم)
١٧:...حضرت مولانا محمد سلیمان ہوشیار پوری (مرحوم)
١٨:...حضرت مولانا ربّ نواز مرحوم (حیدرآباد)
١٩:...حضرت حافظ فیروز الدین مدظلہٗ (کراچی)
٢٠:...حضرت مولانا قاری عطاء اللہ مدظلہٗ (ملتان)
٢١:...حضرت مولانا قاضی نثار احمد مدظلہٗ (جامع مسجد گلگت)
٢٢:...حضرت مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی مدظلہٗ (کراچی)
٢٣:...حضرت مولانا مفتی محمد اسلم مدظلہٗ (برطانیہ)

فہرست

۴۶:... حضرت مولانا امیر عبداللہ مدظلہٗ (افغانستان)

۴۷:... شیخ القرآن حضرت مولانا محمد افضل مدظلہٗ

۴۸:... حضرت مولانا قاری محمد طیب نقشبندی مدظلہٗ

۴۹:... سیّد اطہر عظیم (مجازِ صحبت، کراچی)

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی طرح آپ بھی ماہِ مبارک کے آخری عشرے میں اِعتکاف کا خصوصی اہتمام فرماتے اور گویا پورے سال میں دس دِن کے لئے آپؒ ایک خصوصی خانقاہ کے طرز پر متوسلین کی تربیت فرماتے۔ کراچی کے علاوہ مختلف علاقوں سے آپؒ کے مریدین سینکڑوں کی تعداد میں اِعتکاف کے لئے پہنچتے، اس میں بھی حضرتؒ کی شرائط بہت سخت ہوتیں کہ کسی بغیر داڑھی والے شخص کو اِعتکاف کی اجازت نہیں دی جاتی، کم عمر نوجوانوں کو اِعتکاف میں بیٹھنے نہیں دیا جاتا، اس پورے دس دِن کے دوران حضرتؒ خصوصی طور پر اس کا اہتمام فرماتے کہ زیادہ تر لوگ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور ایک دُوسرے سے تعلقات پیدا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع رکھیں۔ تہجد سے رات گئے تک کے معمولات میں ایک لمحے کی فرصت نہیں دی جاتی، رات تین بجے تہجد کی نماز ادا کی جاتی، خصوصی طور پر اہتمام کر کے معتکفین کو جگایا جاتا، سحری ساڑھے چار بجے آخری وقت میں کرائی جاتی، اس کے بعد فجر کی نماز کے بعد یٰسین شریف کا ختم کیا جاتا اور کچھ دیر وظائف کے بعد اِشراق کی ادائیگی کے بعد معتکفین آرام کرتے اور حضرتؒ بھی آرام فرماتے۔ دس بجے تمام معتکفین کو جگا دیا جاتا اور تمام ساتھی تبلیغی احباب کی نگرانی میں سورتوں کی اصلاح اور دُعائیں وغیرہ یاد کرتے۔ بعد نمازِ ظہر ختمِ خواجگان ہوتا اور مجلسِ ذکر منعقد ہوتی، اس کے بعد اِنفرادی اعمال اور تلاوتِ کلامِ پاک میں اَحباب مشغول ہوجاتے۔ بعد نمازِ عصر حدیث شریف کا درس ہوتا، اس کے بعد اِفطار اور وقتِ اِفطار کی اِنفرادی دُعا کی تیاری میں ساتھی مشغول ہوجاتے، زیادہ تر احباب دُعائیں یا تلاوت میں مصروف رہتے، اِفطار کے بعد کھانا، اور وضو کے بعد عشاء کی نماز اور تراویح ادا کی جاتی

ہے۔تراویح کے بعد درود شریف کی چہل حدیث پڑھی جاتیں، اور''حیاۃ الصحابہ'' سے تعلیم ہوتی، کچھ دیر معتکفین آرام کرتے یا اِنفرادی تقاضے پورے کرتے۔طاق راتوں کو تراویح کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد حضرت شہیدؒ ایک گھنٹہ اصلاحی بیان فرماتے اور پھر طویل دُعا فرماتے۔ تراویح کے بعد یا اصلاحی بیان کے بعد حضرت شہیدؒ اِبتدا میں قاری محمد عبداللہ صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ سے تین تین پارے قرآن مجید نفلوں میں سنتے۔ان کے انتقال (شہادت) کے بعد قاری محمد عثمان ارشد اور صاحبزادہ مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی سے قرآن مجید سنتے رہے، اس طرح چوبیس گھنٹے میں بمشکل تین چار گھنٹے آرام فرماتے۔اس اِعتکاف میں آخری سال سات سو کے قریب، ستائیس رمضان کے بعد ڈیڑھ ہزار کے قریب متوسلین شریکِ اِعتکاف ہوئے تھے۔طاق راتوں کے بیان میں مسجد کے اطراف کی تمام سڑکوں اور میدان کی طرف سامعین کا ایک اژدھام ہوتا تھا، چالیس اور پچاس ہزار سے زائد افراد شرکت کرتے۔حضرتؒ اگرچہ باآوازِ بلند دُعا نہیں فرماتے تھے لیکن آپ کی آہ وزاری کی وجہ سے پوری مسجد دُعا کے دوران آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے خدا تعالیٰ کو راضی کرتی نظر آتی۔ (مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

بہ حیثیت شیخِ طریقت

ایک کامل شیخِ طریقت میں جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے، اس کی فہرست تو بہت طویل ہے، لیکن جن چند بنیادی اوصاف کا ہونا لازمی شرائط میں سے ہے، ان میں سب سے پہلا وصف یہ ہے کہ وہ کسی صاحبِ سلسلہ بزرگ کی صحبت میں رہ کر اجازتِ بیعت حاصل کر چکا ہو۔دُوسری بنیادی بات یہ ہے کہ شریعت وطریقت کے علم کا جامع ہو، اور تیسری بنیادی بات یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی چنگاری اس کے دِل میں سلگ چکی ہو، مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے یہ کافی ہے۔کیونکہ اصل فیضِ ہدایت تو خدا کی طرف سے آتا ہے، شیخ تو صرف وسیلہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ مرید کی عقیدت

فہرست

وخدمت اور شیخ کی اتباع کی بدولت ہدایت اور اپنی معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے۔
حضرت مولانا بچپن ہی سے اکابرین مشائخ کی صحبت میں رہے اور بہت تھوڑے عرصے میں اپنی ثقاہت، للّٰہیت، اخلاص اور تفقہ فی الدین کی وجہ سے ان کے منظورِ نظر ہو گئے۔
(جناب نثار احمد خان فتحی)

دفتر میں آپؒ کے معمولات

حضرتِ والا گیارہ بجے دفتر تشریف لاتے اور قریباً ڈھائی بجے تک دفتر میں تشریف فرما ہوتے۔ ان ساڑھے تین گھنٹوں میں ایک منٹ بھی حضرتِ والا کو ضائع کرتے نہیں دیکھا، کبھی تصنیف کے کام میں مشغول ہوتے تو کبھی خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، کبھی کسی ملنے والے سے بات چیت فرماتے تو کبھی فون پر مسائل کا جواب دیتے نظر آتے۔ دوپہر کے کھانے میں دس منٹ سے زیادہ وقت نہ لگاتے، اِلَّا یہ کہ کبھی کوئی مہمان وغیرہ آجاتے تو پھر تھوڑی سی تاخیر ہوجاتی، اس کے بعد تھوڑی سی دیر اِتباعِ سنت میں قیلولہ فرماتے اور پھر ظہر کی نماز پڑھ کر کچھ مطالعہ یا تصنیف کا کام کرتے۔ اس دوران چائے بھی نوش فرماتے، اور پھر حدیثِ پاک کے درس کے لئے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن روانہ ہوجاتے۔ صرف ان معمولات کو دیکھنے کی برکت سے دِل میں داعیہ پیدا ہوا کہ میری زندگی بھی ترتیب کے ساتھ گزرنی چاہئے، لہٰذا حضرتِ والا کی رہنمائی اور مشورے سے اپنی زندگی کی ترتیب بنائی اور گاہ بگاہ مشورہ لیتا رہا۔ جس کی وجہ سے الحمدللہ! دِینی تربیت بھی ہوئی اور دُنیاوی راحت بھی نصیب ہوئی۔
(مولانا مفتی محمد نعیم میمن، حیدرآباد)

چار باتوں کی خصوصی تاکید فرماتے

حضرتِ والاؒ معمولات کی پابندی سے بہت خوش ہوتے تھے، اور معمولات میں سُستی اور ناغہ کرنے سے بہت کبیدۂ خاطر ہوتے تھے۔ حضرتِ والاؒ کی چار باتیں جو آپؒ ہر ایک سے ارشاد فرماتے تھے اور ان کی پابندی کی خصوصی تاکید فرماتے، یہ تھیں:

فہرست

۱:...تکبیرِ اُولیٰ کا اہتمام۔

۲:...ایک پارہ قرآن کی روزانہ تلاوت۔

۳:...''مناجاتِ مقبول'' اور ''ذریعۃ الوصول'' کی ایک ایک منزل۔

۴:...تسبیحاتِ ذِکر کی پابندی۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ چار چیزیں میرے نزدیک فرض کا درجہ رکھتی ہیں، باقی جو کچھ پڑھو وہ نفل کا درجہ رکھتی ہیں۔ ناکارہ اکثر سوچتا تھا کہ حضرتِ والا ان چار باتوں پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں؟ مگر رفتہ رفتہ وقت گزرنے اور ان پر عمل کرنے کی برکت سے ایک بات مشاہدہ میں آئی کہ تکبیرِ اُولیٰ کے اہتمام سے ہر کام کو ترتیب اور وقت پر کرنے کی عادت پڑتی ہے، جب کہ باقی تین باتوں پر عمل کرنے سے لہو ولعب اور لایعنی سے بچنے کی سعادت نصیب ہوجاتی ہے، کیونکہ جب کسی آدمی کے ذمہ کوئی کام ہوتا ہے تو وہ اس کو پورا کرنے کی فکر کرتا ہے، اور جب ذمہ میں کوئی کام نہ ہو تو اپنا وقت بے کار مشغلوں میں ضائع کرتا ہے۔ لہٰذا ہمارے حضرتؒ آدمی کو ان قیمتی مشغلوں میں بڑی حکمت کے ساتھ لگادیتے تھے اور پھر ان کی ادائیگی پر زور دیتے اور ان معمولات کے پورا ہونے پر خوشی کا اظہار فرماتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور دُعائیں دیتے، جب کہ معمولات میں ناغہ اور سستی کرنے پر ناگواری کا اظہار فرماتے، تنبیہ اور سرزنش فرماتے، لہٰذا جو شخص حضرتؒ کی ان باتوں پر اہتمام سے عمل کرتا، اس کی زندگی میں نکھار آجاتا اور اس کی زندگی قابلِ رشک بن جاتی تھی۔ ہمارے حضرتؒ خود بھی تکبیرِ اُولیٰ اور جماعت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: ''میں تہجد میں جب اُٹھتا ہوں تو روزانہ صلوٰۃ التسبیح اسی وقت پڑھ لیتا ہوں، پھر ذکر کا معمول پورا کرتا ہوں، پھر اگر وقت ہوتا ہے تو ''مناجاتِ مقبول'' اور ''ذریعۃ الوصول'' کی منزل بھی پڑھ لیتا ہوں، اتنی دیر میں اَذانِ فجر ہوجاتی ہے تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ کر مسجد میں آجاتا ہوں اور جماعت ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہوں۔''

اندازہ فرمائیں کہ اس پیرانہ سالی میں ان معمولات کا اہتمام، حتیٰ کہ آخری مرتبہ

جب حیدرآباد تشریف لائے تو اس رات بھی تہجد کے وقت اُٹھ کر صلوٰۃ التسبیح پڑھی، حالانکہ سفر میں تھے اور رات کو مسجد میں بیان بھی فرمایا تھا، اس کے باوجود اپنے معمولات میں ناغہ گوارہ نہیں فرمایا۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے: یہاں (دُنیا میں) کام کرو، مجھے کام کرنے والے بندے چاہئیں۔

جب راقم حضرتِ والاؒ کے پاس اِعتکاف کے لئے آیا تو حضرتؒ سے پوچھا کہ میں کس طرح وقت گزاروں؟ فرمایا: ''بس تلاوتِ قرآن میں لگ جاؤ!'' پھر ناکارہ نے دیکھا کہ حضرتؒ کے پاس اِعتکاف کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، اور کچھ ایسے بھی تھے جو دو دِن میں ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، اور تین دِن میں ایک قرآن مجید ختم کرنے والے تو سینکڑوں تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے حضرتؒ کتنی حکمت وبصیرت کے ساتھ لوگوں کو فضول اور لایعنی مشاغل سے نکال کر قیمتی اور بامقصد مشاغل میں لگادیا کرتے تھے۔ اور یہ تو اُصول ہے کہ جب آدمی بامقصد کام میں مشغول رہتا ہے تو زندگی پُرکیف بن جاتی ہے۔ حضرتؒ کے ایک مسترشد مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت کے بتائے ہوئے معمولات کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اگر معمولات پورے نہ ہوں تو ایک بوجھ سا سر پر سوار رہتا ہے، اور جب معمولات پورے ہوجاتے ہیں تو ایسی فرحت وخوشی محسوس ہوتی ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا، اور یہی حال حضرتؒ کے اکثر متعلقین کا ہے۔ (مولانا مفتی محمد نعیم میمن، حیدرآباد)

عجب سے متعلق سوال کا جواب

ایک بار میں نے عجب کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ: ''عجب کے معنی خود پسندی کے ہیں، یعنی اپنی جہالت کو اچھا سمجھنا اور یہ چاہنا کہ لوگ مجھے اچھا سمجھ کر عزّت کیا کریں۔ اور اگر آدمی کی اپنی گندگیوں پر نظر ہو اور اس کے باوجود لوگ اعزاز واکرام کا معاملہ کریں تو یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کا کرشمہ ہے، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر میرے عیوب

فہرست

منکشف فرمادیتے تو لوگ مجھ سے کتوں سے زیادہ نفرت کیا کرتے۔تو یہ عجب نہیں۔''

ایک مرتبہ میں نے اپنی باطنی بیماریوں کے بارے میں لکھا تو جواباً تحریر فرمایا کہ:''اپنے عیوب پر نظر رہے اور آدمی ہر حال میں اپنے آپ کو ہیچ سمجھے۔حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائیں، معمولات کی پابندی کرتے رہیے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے گڑگڑا کر مانگتے رہیے۔میرا اللہ اپنی رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے۔''   (مفتی محمد نعیم میمن، حیدرآباد)

***

فہرست

ناقابلِ فراموش واقعات

اپنی ذات کے لئے صرف اللہ تعالیٰ سے سوال

ایک مرتبہ ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مبلغین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ لدھیانوی ہواؤں میں اُڑتا ہے، اور اسے ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیا ہے۔ میرا اِبتدائی دور بھی آپ لوگوں کی طرح ہے، جب میں مجلس میں آیا تو پندرہ دِن دفترِ ختمِ نبوّت ملتان اور پندرہ دِن ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے لئے متعین ہوئے اور وظیفہ ۲۵۰ روپے تھا۔ اسی میں خورد ونوش اور کرایہ کا بندوبست بھی کرتا۔ ایک دِن حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کا مشاہرہ کتنا ہے؟ میں نے بتلایا تو پوچھا کہ کرایہ اور خورد ونوش؟ میں نے کہا کہ سب اسی سے پورا کرتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ وظیفے میں اضافے کے لئے حضرت بنوری سے کیوں نہیں کہتے؟ میں نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ غالباً حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ سے ذِکر کیا ہوگا کہ شام کے وقت حضرت بنوریؒ تشریف لائے اور فرمایا: ''مولوی صاحب! آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟'' میں نے بتلایا۔ اور خورد ونوش اور سفرخرچ کا پوچھا تو بتلانے پر فرمایا کہ: ''اس ماہ سے آپ کا وظیفہ ۱۲۰۰ روپے ہوگا اور کھانا میرے گھر سے آجایا کرے گا اور کرایہ بھی میں ہی دیا کروں گا۔'' اس پر فرمایا کہ میں نے آج تک اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے سوا کسی سے سوال نہیں کیا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: کراچی کے کچھ احباب آئے اور بڑے عجیب فخریہ انداز میں

بتلانے لگے کہ اس سال ہم نے دواڑھائی لاکھ روپے تقسیم کئے ہیں۔حضرت نے فرمایا کہ بیس بائیس لاکھ تو میرے جیسے درویش کے ہاتھوں تقسیم ہوئے، اس میں بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر فرمایا: یہ میرا یا آپ لوگوں کا کیا کمال ہے؟(مولانا محمداسماعیل شجاع آبادی)

مشعرِحرام کی حاضری

مدینہ سے واپسی پر حافظ عبدالقیوم سندھی (جوکہ یونیورسٹی اُمّ القریٰ میں پروفیسر ہیں) گاڑی لے آئے، چھ سات آدمی بیٹھ کر چلے، چلتے چلتے عرفات پہنچ گئے،عرفات گھوم پھر کر مزدلفہ پہنچے، پھرتے پھراتے مشعر الحرام پہنچے، مسجد بند تھی، گاڑی سے اُتر کر دروازے پر کھڑے ہوگئے، حضرت نے فرمایا: ''کبھی مشعرِحرام آنا نہیں ہوا، آج مشعرِحرام کی بھی حاضری ہوگئی۔'' مزدلفہ سے منیٰ پہنچے، جمرات کو دیکھتے ہوئے آخری جمرہ سے دائیں طرف گاڑی کو موڑا، ایک چھوٹی سی مسجد کے پاس گاڑی کھڑی کردی، حافظ عبدالقیوم نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں مدینہ منورہ کے چھ حضرات نے پہلی مرتبہ بیعت فرمائی تھی۔ (بیعتِ عقبہ اُولیٰ) الحمدللہ! حضرت کی برکت سے یہ بابرکات جگہیں نصیب ہوئیں۔

ایک سفر میں دورانِ گفتگو فرمایا کہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ: ''اگر میں پہلے مرجاؤں تو تم کو بہو بیٹیاں سنبھال لیں گی، اور اگر تم مرجاؤ تو مجھے کون سنبھالے گا؟ بہتر ہے کہ میں ہی پہلے مرجاؤں۔'' قدرت نے اس بات میں ان کو سرخرو کردیا اور اہلیہ سے پہلے ہی تشریف لے گئے۔ بات تو صرف گفتگو کی حد تک تھی، کسے معلوم تھا کہ یہ بات قبولیت کی حد پار کرچکی ہے۔ ''وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۲۱'' (سورۃ یوسف)

(مولانا عبدالمجید، سکھر والے)

حضرت آدم علیہ السلام کی شکایت

حج کے بعد حضرت مختصر وقت کے لئے مدینہ منورہ تشریف لائے، واپس آنے کے بعد ایک روز میرے (مولانا عبدالمجید سکھر) کمرے میں عصر کی نماز پڑھی اور پھر لیٹ

فہرست

گئے۔ فرمایا کہ: ''جعرانہ سے عمرہ کیا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے۔'' پھر فرمایا کہ: حضرت آدم علیہ السلام نے شکایت کی ہے (شکایت خواب کے ذریعے یا پھر حالتِ مکاشفہ میں تھی) کہ میری اولاد نے تو مجھے بالکل ہی بھلا دیا ہے، میرے لئے نہ کوئی اِیصالِ ثواب کرتا ہے نہ کوئی عمرہ وغیرہ، اس لئے آج حضرت آدم علیہ السلام کے لئے عمرہ کیا ہے۔'' پھر فرمایا کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آنے کے بعد سوسال تک روتے رہے، جب توبہ قبول ہوگئی تو سوسال تک شرمندگی کی وجہ سے سر نہیں اُٹھایا۔'' اس کے بعد شفاعت والی حدیث سنائی کہ تمام حضرات حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ اللہ رَبّ العزّت سے سفارش کریں، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں ہوں، شرمندہ ہوں۔ اس طرح سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس لوگ جائیں گے اور سب یہی جواب دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لوگ حاضر ہوں گے اور اپنی درخواست پیش کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: ''أنا لها! أنا لها!'' ''میں اس کے لئے حاضر ہوں! میں اس کے لئے حاضر ہوں!'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے۔ میں نے عرض کیا: میں بالکل اسی مضمون کا خطبہ جمعہ میں پڑھا کرتا ہوں، کبھی آپ کی مسجد میں حاضری ہوئی تو اِن شاء اللہ! جمعہ میں سناؤں گا۔ فرمایا: ''بہت اچھا!'' لیکن افسوس کہ یہ موقع آپ کی زندگی میں نہ آسکا۔

جب حضرتؒ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''مجھے اولاد نے بالکل بھلا دیا۔'' اس وقت میرے دِل میں کھٹک ہوئی کہ واقعی میں نے کبھی ایصالِ ثواب نہیں کیا اور نہ ہی کبھی ان کے نام کا عمرہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو کئی دفعہ ایسا کیا ہے، لیکن آدم علیہ السلام کے لئے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میں نے حضرتؒ سے عرض کیا: ''اب اگر اللہ نے موقع دیا تو آدم علیہ السلام کے لئے عمرہ کروں گا۔'' (مولانا عبدالمجید، سکھر والے)

***

فہرست

تحفظِ ختمِ نبوّت کے لئے خدمات

قادیانیت کی بیخ کنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ، اَمَّا بَعۡدُ

اللہ ربّ العزّت نے نبوّت کی اِبتدا سیّدنا آدم علیہ السلام سے کی، اور اس کی اِنتہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر، اس عقیدے کو ختمِ نبوّت کا عقیدہ کہا جاتا ہے۔ خیرالقرون سے لے کر اس دور تک ہر زمانے میں مسلمان اس عقیدے کی دِل و جان سے حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔

ہندوستان میں انگریز کے کہنے پر مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عقیدے پر شب خون مارا، چنانچہ تاریخ کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اکابرینِ اُمت نے اس مسئلے کے تحفظ اور قادیانیت کے اِبطال کے لئے سرفروشانہ جِدّ وجُہد کی ایک سنہری تاریخ رقم کی، حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ''الف'' سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ''یا'' تک ''تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی ایک ایمان پرور، جہاد آفرین، حقائق افروز، سنہری اور قابلِ قدر و فخر تاریخ ہے۔ اس دور میں ہمارے مخدوم و مرشد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس تاریخ اور روایات کے امین اور اس قافلے کے کامیاب فاتح جرنیل تھے۔

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ۱۹۷۵ء میں ''مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' سے وابستہ ہوئے، اور فتنۂ قادیانیت کے اِستیصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے

وہ کام لیا جو ایک مستقل اِدارے کے کرنے کا تھا۔

اس جماعت کی تشکیل کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۹۴۹ء میں حضرت اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور دُوسرے حضرات نے مل کر ایک غیرسیاسی جماعت کی بنیاد رکھی جو سیاست سے ہٹ کر صرف اور صرف دِینی نقطۂ نظر سے قادیانیت سے برسرِ پیکار رہو، اس جماعت کا نام ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' رکھا گیا۔

۱۹۵۳ء میں قادیانی فتنے کے خلاف عظیم الشان تحریک چلی، اس تحریک سے فراغت کے بعد ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کا ۱۹۵۴ء میں باضابطہ اِنتخاب ہوا اور حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے پہلے اَمیر مقرّر ہوئے۔ ان کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ یکے بعد دیگرے ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے اَمیر رہے۔ حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے وصال کے بعد شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی اِمارت قبول کرنے کے لئے مقتدر شخصیات نے گزارش کی، ان دِنوں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں مدرّس تھے، اور دس دِن ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے لئے دیا کرتے تھے۔ مولانا لدھیانوی شہیدؒ سے حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آپ مستقل کراچی آجائیں۔ حضرت لدھیانوی شہیدؒ اس کے لئے آمادہ نہ تھے، اب ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی اِمارت قبول کرنے کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے بھی حضرت بنوریؒ سے اِستدعا کی تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ: ''اگر میں مجلس کی اِمارت قبول کرلوں تو آپ مجلس کے مرکزی دفتر ملتان آجائیں گے؟'' حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے عرض کیا: ''بسروچشم!''

۹/اپریل ۱۹۷۴ء کو حضرت بنوریؒ نے مجلس کی اِمارت قبول کی، ۲۹/مئی ۱۹۷۴ء کو چناب نگر (سابق ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر سانحہ پیش آیا، قادیانیوں کے خلاف

بھرپور تحریک چلی جس کے نتیجے میں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، جب مبارک باد کے لئے حضرت لدھیانوی شہیدؒ اپنے مرشد و مربی حضرت بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا: ''وعدہ یاد ہے؟'' آپؒ نے عرض کیا کہ: ''یاد ہے!'' چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ''ختم نبوّت'' کے مرکزی دفتر ملتان تشریف لے آئے۔

آپؒ کا ''مجلس تحفظِ ختم نبوّت'' میں آنا گویا رحمتِ باری کا خصوصی فضل ہوا، آپؒ نے تحفظِ ختم نبوّت اور رَدِّ قادیانیت کے کام کو جدید خطوط پر اُستوار کیا، بلاشبہ یہ آپؒ کا تجدیدی کارنامہ تھا، اس پر جتنا آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ آپؒ کے اس تجدیدی کارنامے کی مختصر رُوئیداد یہ ہے:

قادیانیوں کو دعوتِ اسلام:... ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت کی کامیابی کے بعد اب اُمت کا فرض بنتا تھا کہ قادیانیوں کو دعوتِ اسلام دی جائے، ختمِ نبوّت کی حقانیت اور مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل نظریات کو ان پر آشکارا کیا جائے۔ آپؒ نے اس عنوان پر اُمت میں سب سے پہلے کام کیا، متعدد مضامین و رسائل لکھ کر اُمت کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کیا۔ ''الفضل'' اور دیگر قادیانی جرائد سے قادیانیوں کے پتاجات تلاش کر کے ہزاروں قادیانیوں کو ان کے گھروں کے پتوں پر ڈاک سے لٹریچر اِرسال کیا گیا، اور اس موضوع پر نہایت خوبصورت رسالہ ''قادیانیوں کو دعوتِ اسلام'' کے عنوان سے لکھ کر قادیانیوں کے گھر گھر بھیجا گیا۔

مبلغین اور کارکنانِ ختمِ نبوّت کے ذریعے قادیانیوں کو دستی لٹریچر پہنچایا گیا، پورے ملک میں اللہ رَبّ العزّت کے فضل و احسان سے آپؒ کی یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی، اور یوں آپؒ کی کوشش سے اُمتِ مسلمہ نے ایک فرض و قرض کی ادائیگی کا شرف حاصل کیا۔

شعبۂ نشر و اِشاعت:... آپؒ نے مجلس کے شعبۂ نشر و اِشاعت کے تحت بیسیوں

فہرست

رسائل وکتب بلاشبہ لاکھوں کی تعداد میں شائع کردیئے۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا ایک ملفوظ ہے کہ ''رَدِّ قادیانیت پر اتنا لکھا اور شائع کیا جائے کہ ایک مسلمان سوکر اُٹھے تو اس کے سرہانے ختمِ نبوّت کا لٹریچر موجود ہو۔'' حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت! کہ مولانا محمد علی مونگیریؒ کی اس تڑپ نے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شکل اختیار کی اور یوں آپؒ کے ذریعے رَدِّ قادیانیت پر تحریری کام اتنا ہوا جتنا گزشتہ پچاس برس میں نہیں ہوا تھا۔ ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' کا اِجرا، لٹریچر کی کثرت، کتب ورسائل کی اِشاعت، اِشتہارات وہینڈ بلوں کی تقسیم وترسیل نے ایک مستقل اِشاعتی اِدارے کے کام کی شکل اِختیار کی۔ یہ سب حضرت مرحوم کی کوششوں کا نتیجہ اور مساعیٔ جمیلہ کا ثمر ہے جو اس دور میں آپؒ کے ہاتھوں اُمت کو اللہ رَبّ العزّت نے نصیب کیا۔

آپؒ نے فاتحِ قادیان حضرت مولانا محمد حیات رحمہ اللہ کی رہنمائی میں قادیانیت کا ڈیڑھ دو سال میں بھرپور مطالعہ کیا، انہی دِنوں آپ نے مختلف رسائل ترتیب دیئے، جن میں ''قادیانیوں کو دعوتِ اسلام''، ''ربوہ سے تل ابیب تک''، ''مراقی نبی''، ''مرزائی اور تعمیرِ مسجد''، ''مرزا کا اِقرار'' اور ''قادیانیت علامہ اقبالؒ کی نظر میں'' شامل ہیں۔ علاوہ ازیں ملتان دفتر میں قیام کے دوران شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ''خاتم النّبیین'' کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا، جو ایک یادگار اور تاریخی کام ہے، جس کی افادیت اہلِ علم پر پوشیدہ نہیں۔

اسی زمانے میں ''قادیانیوں سے ستر سوالات''، ''أشد العذاب علیٰ مسیلمۃ الفنجاب'' مجموعہ رسائل مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، ''رئیسِ قادیان'' مصنفہ: مولانا محمد رفیق دلاوریؒ، ''اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ'' مصنفہ: مولانا نور محمدؒ، اور ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' مصنفہ: مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ، ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی شعبۂ نشر واِشاعت کی طرف سے آپؒ نے شائع کرائیں۔

غرض آپؒ کو جب سے حضرت بنوری رحمہ اللہ نے شعبۂ نشر واِشاعت کا سربراہ

فہرست

مقرّر کیا، آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے چار چاند لگا دیئے، اس دوران ''تحفظ ختمِ نبوّت'' اور ''دارالعلوم دیوبند'' کے عنوان پر آپؒ نے گراں قدر تحقیقی مقالہ تحریر کیا، جس کی ضخامت ڈیڑھ صد صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمات کی پیروی:... ۱۹۷۴ء کی تحریک کے بعد جہاں کہیں قادیانیوں نے قانون کی خلاف ورزی کی، اور ان کے خلاف کیس دائر ہوا، وکلا کی تیاری اور رہنمائی کے لئے قدرت نے آپؒ سے کام لیا، آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی جامعیت نصیب فرمائی تھی کہ بیک وقت ایک متبحر عالمِ دِین ہونے کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے لٹریچر پر پوری گرفت رکھتے تھے۔ آپؒ نے سرگودھا، بہاولپور وغیرہ عدالتوں میں اس طرح خدمات انجام دیں کہ قادیانیت بلبلا اُٹھی، اس دوران اللہ رَبّ العزّت نے کرم کیا کہ ۱۹۸۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت قادیانیوں کے خلاف منظم ہوئی، اس میں آپؒ نے بھرپور قائدانہ کردار ادا کیا۔

فہرست

۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو جنرل محمد ضیاء الحق صاحبؒ نے قادیانیوں کے خلاف امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری کیا، قادیانیوں نے اس کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں کیس دائر کردیا، تو اس کی پیروی کے لئے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اپنے گرامیٔ قدر رُفقاء حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر مدظلہٗ کے ہمراہ لاہور جاکر ڈیرہ لگالیا، دفترِ ختمِ نبوّت دہلی دروازہ لاہور مقدمے کی پیروی کے لئے وقف ہوگیا، رَدِّ قادیانیت اور قادیانیت کا تمام لٹریچر ملتان دفترِ ختمِ نبوّت سے لاہور منتقل کیا گیا، مگر مشکل یہ پیش آئی کہ تفاسیر و احادیث کی قدیم و جدید کتب کے بغیر اس مقدمے کی پیروی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ بہت جزائے خیر دے جامعہ اشرفیہ کے ارباب کو، کہ انہوں نے اپنی جامعہ کی لائبریری کے دروازے کھول دیئے، حضرت مرحوم اپنے رُفقاء سمیت وہاں منتقل ہوگئے، وکلا کے حوالہ جات کی فراہمی کے لئے فوٹو اسٹیٹ مشین منگوائی گئی۔

دِن بھر عدالت میں مقدمے کی کارروائی میں حصہ لیتے، شام کو رات گئے تک

حوالہ جات اور دلائل کی ترتیب وتخریج کا کام کرتے۔ آپؒ کی جامع شخصیت اور خداداد شہرت کو دیکھ کر ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے وکلا کے علاوہ سرکاری وکلا بھی آپؒ کے پاس آئے، آپؒ ان کے ہر اِشکال کا اس طرح جواب دیتے کہ وہ عش عش کر اُٹھتے، یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ تمام تر وکلا کی تیاری اور پورے کیس کی پیروی آپؒ کی محنت کی مرہونِ منّت ہے۔ اللہ رَبّ العزّت نے کرم کیا، قادیانیت شکست کھا گئی اور آپؒ کی اِخلاص بھری کاوِشوں کو قدرت نے قبولیت سے نواز کر متفقہ طور پر پانچ جسٹس صاحبان نے اُمتِ محمدیہ کے حق میں اور قادیانیوں کے خلاف فیصلہ دیا۔

قادیانیوں نے اس کے خلاف سپریم کورٹ اپیل بنچ میں اپیل دائر کی، وہاں سے بھی قادیانیوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، اس دوران افریقہ کے قادیانیوں (لاہوری گروپ) نے جنوبی افریقہ جوہانسبرگ کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا کہ ہمیں مسلمان سمجھا جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ ''رابطہ عالمِ اسلامی''، پاکستان حکومت نے اپنے وکلا وعلماء بھیجے، ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کا وفد بھی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی قیادت باسعادت میں وہاں پہنچا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جان جوکھوں میں ڈال کر، دِن رات ایک کرکے، اپنے آرام کو تج کرکے تمام وکلا کی تیاری کا کام جتنا اللہ رَبّ العزّت نے آپؒ سے لیا، وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے، بڑے بڑے جغادری مہینوں کی جاں گسل محنت سے اُکتا کر اِدھراُدھر ہوگئے، لیکن آپؒ مسلسل اس کام کو تندہی سے کرتے رہے۔ دوبارہ آپ کو جانا پڑا، مہینوں مسلسل سماعت ہوئی، لیکن یہ ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ تک آپؒ کی محنت کام آئی اور قادیانی جنوبی افریقہ کے سپریم کورٹ سے بھی اپنے کفر وزَندقے پر مہر لگا کر واپس آگئے۔

اسی طرح پاکستان کے چاروں ہائی کورٹوں میں قادیانیوں نے کیس دائر کئے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ مارے مارے ان کورٹوں میں پھرتے رہے، صبر آزما مراحل سے گزرے، مقدمات کی ایسے احسن انداز میں پیروی کی، اور ایسی مستقل وجاندار

فہرست

بنیاد پر قادیانیت کے کفر کو آشکارا کیا کہ مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بہاولپور عدالت میں بیان کی یاد تازہ ہوگئی۔

قدرت نے آپ سے وہ کام لیا کہ اس پر قادیانیت کے چھکے چھوٹ گئے، ان تمام کیسوں کی اپیل سپریم کورٹ میں گئی، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رُفقاء کی ٹیم لے کر سپریم کورٹ پہنچ گئے، آپ کے جانے سے راولپنڈی سپریم کورٹ علمائے کرام کے اِجتماع کا منظر پیش کرنے لگا، آپ نے وہاں بھی تمام وکلا کو تیاری کرائی، اور پھر راجہ حق نواز ایڈووکیٹ جو ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی سپریم کورٹ میں نمائندگی کررہے تھے، ان سے عدالت نے کہا کہ آپ اپنا بیان تحریری طور پر عدالت میں داخل کریں، شرعی نقطۂ نظر سے وضاحت کریں کہ امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس میں قادیانیوں پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں، وہ دُرست ہیں۔ راجہ صاحب نے اپنے مؤکل حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی طرف دیکھا، انہوں نے حامی بھری، کراچی تشریف لائے، مختصر مدّت میں ''عدالتِ عظمیٰ کی خدمت میں'' نامی مقالہ تحریر کیا، جو دلائل وبراہین کا ایسا خزینہ ہے کہ اسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نہیں بلکہ عالمی عدالت میں کوئی بین الاقوامی ماہرِ قانون خطاب کررہا ہے، اور اس کے دلائل کے سامنے فریقِ مخالف ندامت سے سر جھکائے کھڑا ہے، اور عدالت ان کے دلائل کے وزن سے بچھی چلی جارہی ہے۔

ان فیصلہ کرنے والے پانچ سپریم کورٹ کے جج صاحبان میں سے ایک جج نے ریٹائرمنٹ کے بعد فرمایا کہ: ''مولانا کے اس بیان نے ہماری اتنی رہنمائی کی کہ میں حیران رہ گیا کہ جو بات وکلا اس زور سے نہ سمجھا سکے، وہ ایک بوریہ نشین نے کس دلکش انداز میں باور کرادی!'' حق تعالیٰ کا کرم ہوا کہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی گرفت سے قادیانیت یہاں بھی جان نہ چھڑا سکی، بلکہ سپریم کورٹ سے بھی ان کو اپنے کفر پر مہر لگوانی پڑی۔ قادیانیوں نے سپریم کورٹ سے نظرِ ثانی کی اِستدعا کی، مولانا اس کی پیروی کے لئے پہنچے، لیکن اللہ کی شانِ قدرت کے قربان جائیں کہ کفر ہار کر دَم توڑ گیا، مولانا کامیاب وکامران

ہوئے۔ چنانچہ قادیانی سپریم کورٹ میں نظرِثانی کی اپنی درخواست کی پیروی کا حوصلہ نہ کرپائے اوران کی یہ درخواست بھی قادیانیوں کے اسلام سے خارج ہونے کی طرح سپریم کورٹ سے خارج ہوگئی۔ یوں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سِوِل عدالتوں سے لے کر سپریم کورٹ تک اور پاکستان سے جنوبی افریقہ تک کامیابی وکامرانی سے ہمکنار رہوئے۔

بیرونِ ملک قادیانیت کا تعاقب:... حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کی سوانحِ حیات لکھنے کے لئے آپؒ سے استدعا کی، آپ نے فرمایا کہ مولانا منظور احمد الحسینیؒ، محترم عبدالرحمٰن یعقوب باوا بھی میرے ساتھ ہوں گے، آپ ان کے ویزے کا بھی انتظام فرمائیں۔ دارالعلوم ہولکمپ بری انگلینڈ میں آپ مہینے بھر حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح مرتب کرتے رہے اور آپ کے دونوں خدام برطانیہ بھر میں تبلیغ کرتے رہے۔ اس دوران آپ کو بھی بعض اِجتماعات میں جانا پڑا، قادیانیوں سے یہاں ایک مناظرہ بھی ہوا، یوں ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے مناظرِ اسلام مولانا لال حسین اخترؒ اور شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے بعد تیسری آواز آپ کی تھی، جو برطانیہ میں ختمِ نبوّت کی رَعد بن کر گونجی، اور قادیانیوں کے لئے بجلی کی کڑک کا کام کرگئی۔ ۱۹۸۴ء کے اِمتناعِ قادیانیت آرڈی نینس کے بعد مرزا طاہر برطانیہ گیا، آپؒ اس کے تعاقب میں برطانیہ تشریف لے گئے، ختمِ نبوّت کانفرنس کی داغ بیل پڑی اور آج تک تسلسل کے ساتھ برطانیہ میں منعقد ہورہی ہے۔ آپؒ نے وہاں ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے دفتر کے لئے سوچ بچار کیا، حضرت الامیر مولانا خواجہ خان محمد صاحب سے اِجازت ودُعا لے کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بہ شانہ آپؒ نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا، اوراس مقصد کے لئے دُبئی میں ایک ماہ کے لگ بھگ قیام کیا، پاکستان وافریقہ میں اہلِ خیر کو متوجہ کیا اور یوں ختمِ نبوّت کا دفتر لندن میں قائم ہوگیا، جو آپؒ کا صدقۂ جاریہ ہے۔

کراچی دفتر ختمِ نبوّت:... کراچی میں ''مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے کام کی

فہرست

سرپرستی، نگرانی ورہنمائی آپؒ نے کی، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپؒ مجلس کے نائب امیر بنے، آپؒ نے کراچی دفترِ ختمِ نبوّت و جامع مسجد باب الرحمت کی تعمیر کا کام اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شروع کرایا، آپؒ کے رُفقاء آپؒ کے متعین کردہ خطوط پر محنت کرتے رہے، یوں آپؒ کی شخصیت کی جامعیت سے اسلامیانِ کراچی نے لاکھوں کے صرفہ سے یہ عظیم الشان مسجد و دفتر بنا دیا، کچھ عرصے بعد آپ کراچی دفتر ختمِ نبوّت میں بیٹھنے لگے تو اس سے دفتر کی رونق بڑھی اور پورے کراچی میں اسے مرکزیت نصیب ہوگئی۔ یہ سب کام آپؒ کی ذاتِ گرامی سے قدرت نے لئے۔

رجالِ کار کی تیاری:... آپؒ نے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ اور قادیانیت کے تعاقب کے لئے علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں ایک نئی رُوح پھونکی۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، دارالمبلغین ختمِ نبوّت ملتان، اور ردِّ قادیانیت کورس چناب نگر سے فارغ ہونے والے ہزاروں علماء وطلبہ آپ کے شاگرد ہیں۔ بلاشبہ اس وقت پاکستان اور بیرونی دُنیا میں ختمِ نبوّت کے عنوان پر کام کرنے والی تمام نئی ٹیم بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کی شاگرد ہے، ان میں کا ایک ایک فرد ہزاروں قادیانیوں پر بھاری ہے، اکیلے مولانا منظور احمد الحسینیؒ کو دیکھئے! جن کی تمام تر تیاری آپؒ کی نظرِ کرم کی مرہونِ منّت ہے، اس وقت پورے یورپ میں سرگرمِ عمل ہیں، ان کے وجود سے قادیانیت خائف ہے، یہ سب مولانا مرحوم کی باقیات الصالحات ہیں۔ مولانا مرحوم ردِّ قادیانیت کے عنوان پر اتنی بڑی جماعت تیار کرکے گئے ہیں، جو اِن شاء اللہ! آئندہ نصف صدی تک قادیانیت کے تعاقب کے لئے کافی ہیں۔ اس وقت انٹرنیٹ پر تمام تر انگریزی مواد آپؒ کے قلم کا شاہکار ہے۔

آپؒ نے قادیانی عقائد اور نظریات کے خدوخال واضح کرنے کے لئے ''تحفۂ قادیانیت'' کے نام پر چھ ضخیم جلدوں میں کتاب تحریر فرمائی، آپؒ کی گراں قدر کتاب ''تحفۂ قادیانیت'' کے کئی ابواب کا انگلش، عربی، سندھی، پشتو اور دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ

فہرست

ہو چکا ہے، اوران میں سے کئی ابواب انٹرنیٹ پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

غرض آپؒ کی ذاتِ گرامی سے قدرتِ حق نے عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ کے لئے وہ کام لیا، جس کی اس وقت پوری دُنیا میں نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ آپ تحریر وتقریر کے دھنی تھے، اور اس وقت قادیانیت کے خلاف کام کرنے والی ٹیم میں آپ کی ذاتِ گرامی کو اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔

متعلقین جانتے ہیں کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب ایک مجاہد فی سبیل اللہ بزرگ اور ممتاز دینی رہنما ہیں، آپ کی قیادت وسیادت پر اس وقت اہلِ علم متفق ومتحد ہیں، آپ بیان نہیں فرماتے، برطانیہ میں ایک موقع پر کسی نے عرض کیا، راقم الحروف بھی اس موقع پر موجود تھا کہ: ”حضرت! آپ تقریر نہیں فرماتے؟“ آپ نے فی البدیہہ فرمایا کہ: ”میری زبان مولانا محمد یوسف لدھیانوی ہیں، جس نے مجھے سننا ہے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تحریر وتقریر سنے اور پڑھے۔“ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ۱۹۷۴ء کے اَواخر سے لے کر تادَمِ واپسیں ”عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت“ کی قیادت وسیادت فرماتے رہے، اس دوران ”عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت“ نے جو ترقی کی وہ آپؒ کی گراں قدر خدمات کے اِظہار کا ایک روشن باب ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کو اعلیٰ مراتب سے نوازیں اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔

بلاشبہ اس محاذ پر آپؒ سے قدرتِ حق نے وہ کام لیا جس پر آپ کی ذات کو جتنا بھی خراجِ تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ (شاہینِ ختمِ نبوّت مولانا اللہ وسایا مدظلہٗ)

ختمِ نبوّت کے سلسلے میں حضرت شہیدؒ کی خدمات

ترجمانِ ختمِ نبوّت حضرت شہیدؒ نے جس سال دورۂ حدیث کیا، اس سال تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء عروج پر تھی، اور پورے پاکستان میں علمائے دیوبند اور دیگر مکاتبِ فکر کے لوگ اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں عقیدۂ ختمِ نبوّت

کے تحفظ کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کررہے تھے۔اس دور سے پہلے ہی حضرت شہیدؒ کا تعلق حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ سے تلمیذانہ ہو چکا تھا، اور آپؒ مولانا محمد علی جالندھریؒ کی جمعہ کی تقریر سننے جاتے تھے۔اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جوفرد بھی حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سن لیتا وہ ختمِ نبوّت کا شیدائی بن جاتا، تو حضرت شہیدؒ کو حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی جانب سے یہ جذبہ کس درجہ ملا ہوگا؟ اس کا اندازہ بعد کے واقعات وحالات سے خود بخود ہو گیا۔ حضرت شہیدؒ نے بھی ایک طالبِ علم کی طرح جوش وجذبے سے تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء میں ضرور حصہ لیا، اگرچہ اس کے خاص حالات تو آپؒ نے کبھی ذِکر نہ فرمائے، اور نہ ہی کسی اور سے سنے گئے، البتہ آپؒ اس کا تذکرہ اکثر فرماتے تھے کہ میں تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء والے سال دورۂ حدیث سے فارغ ہوا۔ اسی دور کی برکت اور حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے بیانات سننے کے اثرات تھے کہ جب مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ جیسی بڑی شخصیت نے قادیانیوں کی حمایت میں غلط فہمی کی بنا پر ایک شذرہ تحریر فرمادیا تو حضرت شہیدؒ سے برداشت نہ ہوسکا، اور باوجود میدانِ تحریر کے شہسوار نہ ہونے کے، فوری طور پر اس کا جواب لکھ کر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کو بھیج دیا اور وہ شائع ہوگیا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کا جواب لکھنے کے لئے آپؒ کو کتنی محنت کرنی پڑی ہوگی! اور کتنا کچھ مطالعہ کرنا پڑا ہوگا! مگر عقیدۂ ختمِ نبوّت کے ساتھ اس سے آپؒ کی گہری وابستگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپؒ کی عقیدت ومحبت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا، کیونکہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی مجلس حضرت کشمیریؒ کے تذکرے سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی مجلسِ شوریٰ کے رُکن تھے، اس بنا پر ماہنامہ ''بینات'' ہر مرحلے پر عقیدۂ ختمِ نبوّت اور ردِّ قادیانیت کے سلسلے میں اپنا فریضہ ادا کرتا تھا اور حضرت شہیدؒ

فہرست

اس میں برابر شریک ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی جماعت کے سفر کو اِرتقائی سفر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ ۱۹۵۳ء میں جزوی مارشل لا کے قیام اور ''مجلس احرارِ اسلام'' پر پابندی کے بعد ۱۹۵۴ء میں ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی تشکیل ۱۴/ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۳/دسمبر ۱۹۵۴ء کو مسجد سراجاں ملتان میں ہوئی۔ اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مجلس کا پہلا اَمیر مقرّر کیا گیا، اور حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات ان کے رُفقاء کی حیثیت سے شریکِ سفر ہوئے۔ تمام دفاتر حکومت نے قبضے میں لے لئے تھے، ریکارڈ وغیرہ ضبط ہوچکا تھا، ایک لاکھ سے زائد افراد اَسیر تھے، ان کی رہائی وغیرہ اور دیگر معاملات کی اِصلاح میں عرصۂ دراز لگ گیا۔ مولانا محمد علی جالندھری نے ایک ایک شہر اور بستی بستی جاکر مجلس کی تنظیمِ نو کی، اس بنا پر اس دوران دیگر علمائے کرام کا ربط اس سلسلے میں معاونین کی حیثیت سے رہا، مقامی طور پر کام کرنے کے عمل میں شرکت رہی، کوئی ایسی تحریک نہیں چلی جس کا تذکرہ لکھا جائے۔ اس بنا پر خود بڑے اکابر علمائے کرام کی شرکت بھی ایک معاونت کے انداز کی سی رہی۔ اس دوران یکے بعد دیگرے اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ اور ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ جماعت کو ایک مربوط اور منظم شکل دے کر رُخصت ہوتے گئے۔ ۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا محمد حیات صاحب کو عارضی طور پر اَمیر بنایا گیا، اور ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی حیثیت ایک ڈولتی کشتی کی سی ہوگئی۔ حضرت شہیدؒ اس صورتِ حال سے بہت زیادہ پریشان تھے، اسی دوران جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے اِجلاس کا اعلان ہوا اور اس اِجلاس میں اَمیر کے اِنتخاب کا مسئلہ بھی ایجنڈے میں آیا، محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس اِجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کے لئے گئے اور اپنے تأثرات اور دِلی خواہش کا اِظہار اس انداز میں فرمایا:

فہرست

''حضرت! آپ جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، میری درخواست ہے کہ یا تو جماعت کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیں (اِمارت قبول فرمالیں) یا فاتحہ فراغ پڑھ کر جماعت کو ختم کرنے کا اعلان کردیجئے گا۔''

حضرتؒ اس ناکارہ کی درخواست سے بہت متأثر ہوئے اور برجستہ فرمایا:

''اگر میں جماعت کی اِمارت قبول کرلوں تو تم ساہیوال سے ملتان ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے دفتر میں منتقل ہوجاؤ گے؟''

میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے کراچی آنے سے عذر ہے، کراچی کے علاوہ آپ جہاں حکم فرمائیں گے وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔ حضرتؒ اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔ ملتان تشریف لے گئے تو تمام اراکینِ مجلسِ شوریٰ نے حضرت سے درخواست کرتے ہوئے دفتر کی کنجیاں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دیں اور عرض کیا:

آپ کے اُستاذِ محترم اِمام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام اَمیرِ شریعت کے سپرد کیا تھا، حضرت شاہ صاحب اور ان کے رفیق مولانا محمد علی جالندھری یہ کام کر رہے تھے، ہم ان کے کارکن تھے، اب یہ آپ کے اُستاذِ محترم کی میراث ہے اور اس کی کنجیاں آپ کے سپرد ہیں، اگر اس کام کو جاری رکھنا ہو تو بسم اللہ! ہماری قیادت کیجئے، ورنہ کنجیاں پڑی ہیں، دفتر کو تالا لگادیجئے، ہم سب اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔ اس طرح حضرت

بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مزاج کے خلاف ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی اِمارت قبول کرنا پڑی اور آپؒ نے پانچویں اَمیر کی حیثیت سے جماعت کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ عجیب اتفاق ہے اور جس کا تذکرہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے اَمیرِ شریعت کے ہاتھ پر بیعت کرکے دیگر علمائے کرام کو بیعت کرنے کا حکم دیا تو میں نے پانچویں نمبر پر اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے بیعت کی تھی۔''

حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے امیر بننے پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے درج ذیل تأثرات ماہنامہ ''بینات'' میں ''قائدِ تحریک'' کے عنوان سے تحریر فرمایا:

''اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قادیانیوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھے، مگر حالات کا تیز و تند دھارا ان کے خلاف بہہ رہا تھا، تاہم وہ شدید ترین ناموافق حالات میں بھی قادیانیت سے نمٹنے کا فیصلہ کرچکے تھے، گویا:

موجِ خوں سر سے گزر ہی نہ جائے کیوں
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؟

جدید حالات میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے اَمیرِ شریعتؒ نے ملکی سیاسیات سے دست کش ہونے کا اعلان کیا اور آئندہ کا لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لئے ملتان کی ایک چھوٹی سی مسجد ''مسجد سراجاں'' میں ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ (مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۹۵۴ء) کو اپنے مخلص رُفقاء کی مجلسِ مشاورت طلب فرمائی، جس میں حضرت اَمیرِ شریعتؒ کے علاوہ مجاہدِ ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ، خطیبِ پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ، مولانا شیخ احمدؒ (بورے والا)، مولانا محمد

فہرست

عبداللہ رائے پوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، مولانا تاج محمود لائل پوری (فیصل آبادی)، مولانا محمد شریف جالندھریؒ، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا غلام محمد بہاولپوری، وغیرہ شریک ہوئے۔ غور وفکر کے بعد ''مجلس تحفظ ختم نبوّت'' کے نام سے ایک غیر سیاسی تبلیغی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ تھا ''مجلس ختمِ نبوّت'' کی تأسیس کا مختصر سا تعارف اور پس منظر!

حضرت اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس قافلے کا پہلا اَمیر وقائد منتخب کیا گیا۔ ۹؍ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱؍اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت اَمیرِ شریعتؒ کا وصال ہوا اور جماعت کو طفولیت کے عالم میں یتیم کر گئے۔

شاہ جیؒ کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ (المتوفی ۹؍شعبان ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۳؍نومبر ۱۹۶۶ء) اَمیرِ دوم، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ (المتوفی ۲۴؍صفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱؍اپریل ۱۹۷۱ء) اَمیرِ سوم، اور مناظرِ اسلام مولانا لال حسین اخترؒ (المتوفی ۱۱؍جولائی ۱۹۷۳) اَمیرِ چہارم منتخب ہوئے۔ مولانا لال حسین اخترؒ کے بعد فاتحِ قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ کو نئے اِنتخاب تک مسندِ اِمارت عارضی طور پر تفویض ہوئی، خیال تھا کہ آئندہ جماعت کی زمامِ قیادت مستقل طور پر انہیں کے سپرد کر دی جائے، مگر اپنے ضعف وعوارض کی بنا پر انہوں نے اس گراں باری سے معذرت کا اظہار فرمادیا اور جماعت خلا میں گھومنے لگی، یہ ایک ایسا بحران تھا کہ جس سے اس عظیم الشان پیش قدمی کے رُک جانے کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کا وعدۂ حفاظتِ دِین یکا یک ایک لطیفۂ غیبی کی شکل میں رُونما ہوا، اور وہ اس منصبِ عالی کے لئے اسلاف کے علوم وروایات کی حامل ایک ایسی ہستی کو کھینچ لایا جو اس منصب کی پوری طرح اہل تھی، جس سے ملتِ اسلامیہ کا سر بلند ہوا، جس کے ذریعے قدرت نے ختمِ نبوّت کی پاسبانی کا وہ کام لیا جو اس دور کی تاریخ کا جلی عنوان بن گیا، اور وہ تھے شیخ اسلام حضرت العلامہ مولانا سیّد محمد یوسف البنوری الحسینی نوّر اللہ مرقدہٗ۔

۱۵؍ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ مطابق ۹؍اپریل ۱۹۷۴ء کو یہ عبقری شخصیت ''مجلس

تحفظ ختمِ نبوّت'' کی مسندِ اِمارت پر رونق افروز ہوئی۔

کسی جماعت کی صدارت قبول کرنا حضرتؒ کے مزاج ومشاغل کے قطعاً منافی تھا، لیکن مخلصین کے اِصرار پر آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑا، یہ تو ظاہری سبب تھا، لیکن اس کے باطنی اسباب ودواعی متعدّد تھے، جن میں سے تین اسباب اہمیت رکھتے ہیں۔

اوّل:... حضرت اِمام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے دور میں رَدِّ قادیانیت کے اِمام تھے، انہوں نے ہی مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ''اَمیرِ شریعت'' مقرّر کرکے ایک جماعت کو مستقل اسی مہم پر لگادیا تھا، اور علمائے اُمت سے ان سے تعاون کرنے کی بیعت لی تھی۔ ادھر حضرت بنوریؒ اپنے شیخ کے علوم وانفاس کے وارث تھے، تحفظِ ختمِ نبوّت اور رَدِّ قادیانیت ان کے شیخ انور کی وارثت وامانت تھی، ظاہر ہے کہ اس کا اہل علومِ انوری کے وارث اور ان کے رُوحانی جانشین سے بہتر کون ہوسکتا تھا؟ اس لئے جب ایک فعال جماعت کی قیادت ان کے سپرد ہوئی تو آپ نے اسے عطیۂ خداوندی سمجھ کر قبول کرلیا۔

دوم:... حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے ''انجمن حمایتِ اسلام'' کے جن اجلاس میں مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اَمیرِ شریعت مقرّر کرکے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور دیگر علماء سے بھی بیعت کرائی، اس میں حضرت سیّد بنوری بھی شریک تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے شیخ انورؒ اور ان کے اَمیرِ شریعتؒ کی جماعت بے کسی وبے بسی کے جنگل میں بھٹک رہی ہے اور اس بے سہارا جماعت کے سارے اکابر اسے یتیم چھوڑ کر جاچکے ہیں تو آپؒ نے اپنی تمام تر معذوریوں کے باوجود اس یتیم جماعت کو اپنی آغوشِ شفقت میں اُٹھالیا۔ گویا وہ بیعت جو آپؒ نے ''انجمن حمایتِ اسلام'' کے اجلاس میں اَمیرِ شریعتؒ کے ہاتھ پر کی تھی، وہی آپ کو اَمیرِ شریعتؒ کی خلافت وجانشینی تک کھینچ لائی۔ ۱۵/ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ سے پہلے آپؒ، اَمیرِ شریعتؒ کی ''پاسبانِ ختمِ نبوّت فوج'' کے سپاہی تھے، اور اس تاریخ سے آپ کو اس فوج کا قائد وسپہ سالار بنادیا گیا۔

سوم:... حضرت قدس سرہٗ پر حق تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار اِنعامات تھے، آپ کے

صحیفۂ زندگی میں قدرت ایک نئے باب اور بالکل آخری باب کا اِضافہ کرنا چاہتی تھی، اور وہ تھا آپ کے مقامِ صدیقیت کا اِظہار۔ مسیلمہ کذّاب کی خبیث اُمت کا صفایا سب سے پہلے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی فوج نے کیا تھا اور مسیلمہ پنجاب کی اُمت کی سرکوبی ''یوسف صدیق'' کی فوج نے ''اوّل با آخر نسبتے دارد'' راقم الحروف کا خیال ہے کہ اسی صدیقی نسبت کی تکمیل کے لئے قدرت آپ کو آخری عمر میں ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی قیادت کے لئے کشاں کشاں کھینچ لائی تھی۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا قاضی احسان احمدؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد علی جالندھری قدس سرہٗ نے حضرتؒ کی خدمت میں جماعت کی قیادت کے لئے درخواست کی تھی، مگر حضرتؒ نے فرمایا کہ ''آپ کی موجودگی میں صرف آپ ہی اس کے لئے موزوں ہیں۔'' چنانچہ آپ نے اس وقت جماعت کی اِمارت تو قبول نہیں فرمائی، البتہ جماعت کی سرپرستی اور مجلسِ شوریٰ کی رُکنیت قبول فرمالی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ سے مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے تھے اور مجلس کی کوئی کارروائی حضرتؒ کے ایما وارشاد کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ بظاہر حضرت جالندھریؒ مجلس کے اَمیر خود تھے، مگر اس کی حقیقی قیادت اس وقت بھی حضرت بنوری قدس سرہٗ کے ہاتھ میں تھی۔

حضرت بنوری قدس سرہٗ کا دورِ اِمارت اگرچہ بہت ہی مختصر رہا اور اس میں بھی حضرتؒ اپنے بے شمار مشاغل اور ضعف و پیرانہ سالی کی بنا پر جماعت کے اُمور پر خاطرخواہ توجہ نہیں فرماسکتے تھے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہٗ نے آپؒ کی پُرخلوص قیادت کی برکت سے جماعت کے کام کو ثریٰ سے ثریا تک پہنچادیا اور ''بنوری دور میں'' جماعت نے وہ خدمات انجام دیں جن کی اس سے پہلے صرف تمنا کی جاسکتی تھی۔ ان کا بہت ہی مختصر خاکہ درج ذیل ہے:

''اِمارت سنبھالتے ہی تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء کا آغاز ہوا، جس کی قیادت کے

لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اَمیر منتخب فرمایا تھا، اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تدبر کی وجہ سے تحریک کامیاب ہوئی اور قادیانیوں کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دِیا گیا۔ حضرت شہیدؒ اس تحریک میں محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ کے شانہ بہ شانہ شریک رہے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق اپنا کردار اَدا کرتے رہے۔

الغرض! حضرت بنوریؒ جماعت ختمِ نبوّت کے اَمیر منتخب ہوکر کراچی تشریف لائے۔ حضرت شہیدؒ، حضرت بنوریؒ کو مبارک باد دینے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا: ''اپنا وعدہ یاد ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''بالکل حاضر ہوں! البتہ تین درخواستیں ہیں۔ ایک رہائش کا مکان مرحمت فرمادیں، دفتر کے ساتھ مسجد تعمیر فرمادیں اور دفتر میں قرآنِ کریم کا مکتب بنادیں۔'' حضرتؒ نے فرمایا: ''تینوں شرطیں منظور ہیں!'' اس طرح حضرت شہیدؒ ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' سے باضابطہ طور پر منسلک ہوگئے۔ اس دور میں جب کہ جماعت کے ناظمِ اعلیٰ کی تنخواہ تین صد روپے تھے، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شہیدؒ کی تنخواہ پانچ صد روپے طے فرمائی، اور فرمایا کہ: ''اس کی ادائیگی میں خود کیا کروں گا۔'' حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت بنوریؒ سے پوچھا کہ میری ذمہ داری کیا ہوگی؟ حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ: ''بس کچھ نہیں! آپ جو چاہیں کریں، بس یہیں رہیں۔'' ضابطے کے طور پر اگرچہ آپ ناظمِ نشریات تھے، مگر آپ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں تھی۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس دور میں ختمِ نبوّت لائبریری میں رکھی ہوئی اس موضوع سے متعلق تمام کتب کا مطالعہ کیا اور پُرانی نایاب کتابیں تلاش کرکے ان کی طباعت کا اِہتمام کیا، تردیدِ قادیانیت کے موضوع پر متعدّد رسائل تحریر فرمائے۔ محدث العصر حضرت علامہ کشمیریؒ کی فارسی میں نادر کتاب ''خاتم النّبیین'' کا اُردو ترجمہ فرمایا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جو کام لیا جانا تھا، وہ مکمل ہوچکا تھا، جس کا تذکرہ حضرت بنوریؒ خود فرمایا کرتے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں حضرت بنوریؒ کا انتقال

فہرست

ہو گیا، جس کی وجہ سے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے وابستہ ہر فرد کے علاوہ پوری دُنیا کے مسلمان مغموم ہو گئے۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا جو صدمہ ہونا تھا، اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مشن نے آپ کو نہ صرف زندہ بلکہ زیادہ جوش وولولے سے کام کرنے پر آمادہ کیا، اور حضرت شہیدؒ، مولانا مفتی احمدالرحمٰنؒ کی رفاقت میں زیادہ تندہی سے کام کرنے لگے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب زِیدمجدہم امیر منتخب کئے گئے، جب کہ اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمدالرحمٰنؒ نائب امیر، اور حضرت شہیدؒ ناظمِ نشریات اور مولانا محمد شریف جالندھری حسبِ سابق ناظمِ اعلیٰ مقرّر ہوئے۔ شیخ المشائخ خواجۂ خواجگان کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ گھنٹوں آپ تشریف فرما ہوتے ہیں، مگرلب پر مہر اور قلب ونظر سے لوگوں کی اصلاح اور دُعاؤں کے ذریعے حالات کی تبدیلی اور معاملات کی گتھی سلجھاتے نظر آتے ہیں۔ مولانا مفتی احمدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات رہے وہ شیخ المشائخ کی جگہ بیان فرماتے رہے، اس دوران حضرت شہیدؒ نے شعبۂ نشریات میں جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس وقت ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی جتنی کتب شائع ہوئی ہیں، ان کی اشاعت میں ۸۰ فیصد آپؒ کی مساعی کا حصہ ہے۔ ۱۹۸۴ء میں مرزا طاہر کے سر پر پھر شرارت کا بھوت سوار ہوا، اور اس نے آئین کی قادیانیت سے متعلق ترامیم قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ اس کی کھلے عام خلاف ورزی کریں، اپنی عبادت گاہوں پر قرآنی آیات تحریر کریں، کلمہ طیبہ آویزاں کریں، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ہر قادیانی اپنے سینے پر کلمہ طیبہ آویزاں کرکے سڑکوں پر گھومے تاکہ مسلمان معلوم ہو، اور لوگ دھوکا کھائیں۔ غرض اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور کہلوانے کی مہم شروع کی۔ ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' نے حکومت کو متوجہ کیا، مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، جس پر مجبور ہوکر ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' نے تحریک چلانے کے لئے ''مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوّت'' کو دوبارہ سرگرم

کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت شہیدؒ نے رسائل کے ذریعے کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات کی توہین کو دلائل سے واضح کیا۔ کوئٹہ کی جماعت نے مولانا نذیر احمد تونسوی کی قیادت میں قادیانیوں کو گرفتار کرا کر عدالت میں پیش کرایا اور سزا دِلوائی۔ حضرت شہیدؒ اس موقع پر بہت زیادہ فکرمند تھے اور تحریک میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالی اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کے ہمراہ صفِ اوّل میں قیادت کرتے نظر آتے تھے۔ قلمی میدان مکمل آپؒ کے سپرد تھا۔ ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' نے اسلام آباد میں دھرنا دینے کا فیصلہ کیا، جس پر مجبور ہو کر راجہ ظفر الحق کی مشاورت سے جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اِمتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور قادیانیوں کو شعائرِ اِسلام اِستعمال کرنے اور مساجد کی شکل میں عبادت گاہیں بنانے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور کہنے سے روکنے کے لئے قانون سازی ہوئی، جو بعد اَزاں مجلسِ شوریٰ سے منظور ہو کر ۸ ویں ترمیم کے ذریعے دیگر اِسلامی دفعات کے ساتھ آئین کا حصہ بنی، اور اس طرح ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کو جو کامیابی حاصل ہوئی، اس میں حضرت شہیدؒ کا بہت اہم کردار تھا۔ اس تحریک میں جمعیت علمائے اسلام نے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں بھرپور ساتھ دیا اور جس طرح تحریک ۱۹۷۴ء میں مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا بنوریؒ یک جان دو قالب تھے، اسی طرح اس تحریک میں حضرت شیخ المشائخ خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن ایک ادنیٰ سپاہی اور خادم کی طرح شریکِ سفر تھے۔ اِمتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا تو مرزا طاہر، چناب نگر (سابقہ ربوہ) کی سب سے بڑی عبادت گاہ میں جہاں ہمیشہ وہ جمعہ پڑھا کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا تھا، بیٹھ کر روتا رہا کہ اب ہمیں جمعہ سے بھی روک دیا گیا، ور پھر راتوں رات پاکستان سے بھاگ کر اپنے آقاؤں کی چرنوں میں لندن کے نواح میں ایک مرکز قائم کر کے پناہ گزین ہوا، اور پوری دُنیا میں اسلام و پاکستان اور مسلمانانِ پاکستان کے خلاف سازشوں اور مذموم پروپیگنڈوں میں مصروف ہوگیا۔ ڈش انٹینا، سیٹلائٹ، انٹرنیٹ

فہرست

اور دیگر ذرائع اِبلاغ کے ذریعے عیسائیوں کی این جی اوز کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کوگمراہ کرنے کے لئے اِرتدادی سرگرمیوں میں مصروف ہوگیا۔ ’’عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت‘‘ کواس سے تشویش ہوئی، حکومت کومتوجہ کیا گیا، مگر ان کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں، وہ اس طرف متوجہ نہیں ہوئی اور سدِّباب کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس لئے شیخ المشائخ خواجۂ خواجگان کے حکم پر ’’عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت‘‘ نے مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ لندن، یا انگلینڈ میں کسی جگہ دفتر ختمِ نبوّت قائم کر کے کام شروع کریں۔ اس دوران مرزا طاہر نے اپنی سالانہ کانفرنس کا اعلان پاکستان میں کیا تو ’’عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت‘‘ نے عدالت کے ذریعے اس پر پابندی لگوائی، کیونکہ ان کا یہ اِجتماع اِمتناعِ قادیانیت آرڈی نینس کے خلاف تھا۔ قادیانیوں کی جانب سے یہ سالانہ اجتماع انگلینڈ میں منعقد کرنے کے فیصلے پر ’’عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت‘‘ کی جانب سے بھی انگلینڈ میں کانفرنس کے انعقاد اور دفتر ختمِ نبوّت کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا، اور مولانا منظور احمد الحسینیؒ کے ہمراہ انگلینڈ گئے۔ مولانا ضیاء القاسمیؒ، ملک عبدالحفیظؒ وغیرہ کی جانب سے ایک اجتماع کا فیصلہ ہوا، جمعیت علمائے برطانیہ کے اِشتراک سے آخری دِن فیصلہ ہوا کہ یہ اِجتماع ’’عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت‘‘ کی جانب سے ہو۔ بحمداللہ! یہ اِجتماع بہت کامیاب ہوا اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ انگلینڈ میں دفتر ختمِ نبوّت قائم کرنے کے ساتھ مختلف علاقوں میں قادیانیت کی تردید اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کی عظمت کے اِظہار کے لئے بھرپور کام شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں اَمیرِ مرکزیہ نے مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ کی ذِمہ داری لگائی کہ وہ دفتر خریدیں۔ حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینیؒ نے اِبتدائی کام کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف متالا کے ساتھ دفتر کی جگہ پسند کی۔ بعد اَزاں مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ نے عرب اِمارات، جنوبی افریقہ اور انگلینڈ کا تفصیلی دورہ کر کے اس دفتر کی رقم ادا کی، اور اس طرح انگلینڈ میں قادیانیت کا تعاقب شروع کر کے مولانا محمد علی جالندھریؒ کا وعدہ پورا کر دیا کہ ’’قادیانی دُنیا

فہرست

کے کسی بھی گوشے، یہاں تک کہ اگر وہ چاند پر پہنچیں گے تو ہم ان کا وہاں بھی تعاقب کریں گے۔'' انگلینڈ میں دُوسرے سال ۱۹۸۶ء میں پھر کانفرنس ہوئی۔ مفتی احمدالرحمٰنؒ اور حضرت شہیدؒ، شیخ المشائخ خواجۂ خواجگان کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ پورے انگلینڈ کا دورہ کرکے مسلمانوں کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ پورے انگلینڈ میں کام شروع ہوا، جمعیت علمائے برطانیہ کو اس عمل میں شریک کیا گیا۔ ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا مفتی احمدالرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' نے متفقہ طور پر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو نائب اَمیر مقرّر کیا، حضرت شہیدؒ نے فرمایا بھی کہ ''آپ کسی اور بزرگ کو اس عہدے پر فائز کردیں، میں تو جماعت کا ویسے بھی خادم ہوں'' مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جس کام کے لئے آپ کا تقرّر دفترِ ختمِ نبوّت میں فرمایا، اس کا اصل وقت تو اَب شروع ہورہا تھا۔ حضرت مولانا محمد شریف جالندھری صاحبؒ بھی اپنے رَبّ سے جاملے تھے، اب ان کی جگہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری کے علوم اور محنت ولگن کے وارث وامین مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری ناظمِ اعلیٰ تھے، آپ کی رفاقت کے لئے مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اکرم طوفانی، مولانا بشیر احمد، مولانا اسماعیل شجاع آبادی، حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا، مولانا منظور احمد الحسینیؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا نذیر احمد تونسویؒ، مولانا سعید احمد جلالپوریؒ، مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مفتی محمد اسلم، مولانا فضل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر جیسے اَصحابِ علم وعمل وفضل موجود تھے۔ قادیانیت کا فتنہ عروج پر تھا، افریقہ اور سیرالیون مالی اور دیگر علاقوں میں قادیانیت تیزی سے کام کررہی تھی۔ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری تنظیمی مصروفیت کی بنا پر بیرونی ممالک کے اُمور کی طرف توجہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ خان محمد خاموش تصرف کے ذریعے رُوحانی طور پر تمام اُمور کی نگرانی کررہے تھے۔ حضرت شہیدؒ پر پوری ذمہ داری عائد ہوچکی تھی، ایک طرف انہوں نے امیرِ مرکزیہ کی ترجمانی بھی کرنی تھی جیسا کہ خود اَمیرِ مرکزیہ نے اس وقت اس کا اِظہار فرمایا جب کسی نے عرض کیا: ''حضرت! آپ تو نہ بیان فرماتے ہیں

اور نہ ہی کچھ فرماتے ہیں، جاں نثارانِ ختمِ نبوّت آپ سے کچھ سننے کے مشتاق ہوتے ہیں۔''
حضرت نے فرمایا:

''میری زبان مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو بنایا گیا ہے، جو میرے قلب وذہن میں وارِد ہوتا ہے، مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے ذہن وقلب میں منتقل ہوجاتا ہے وہ اس کو جلسوں اور اِجلاسوں میں بیان کردیتے ہیں، جو چاہتا ہے کہ مجھے سنے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تقریریں سنے۔ جو چاہتا ہے میری تجویز کو مانے وہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی تجویز پر عمل کرے۔''

حضرت خواجہ خان محمد صاحب زیدمجدہم کے ان جملوں سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی فراست وتدبر اور مستقبل بینی کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ حضرت بنوریؒ نے اپنی اِمارت خواجہ خان محمد کو نائب امیر بنانے کی شرط کے ساتھ منظور کی تھی، اور اِمارت قبول کرنے سے قبل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے دفترِ ختمِ نبوّت میں مستقل آنے کا وعدہ لے لیا تھا۔ یہ تیاری تھی اس دور کی جس کا مشاہدہ حضرت بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کرادیا تھا۔ حضرتؒ کے نائب امیر بنتے ہی جماعت کے لئے مشکل ترین چیلنج شروع ہوجاتے ہیں، ۱۹۸۷ء میں جنوبی افریقہ کی عدالت میں قادیانی چیلنج کردیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنے اوران کے قبرستان میں مردے دفن کرنے کی اجازت دی جائے۔ جج یہودی، وکیل یہودی، پوری دُنیا کی نگاہیں اس مقدمے پر، جنوبی افریقہ کا مشہور علمی ودینی خاندان میاں برادرز اور جمعیت علمائے افریقہ اس مقدمے میں فریق بن جاتے ہیں۔ ان کی طرف سے درخواست آتی ہے کہ بڑے بڑے علمائے کرام کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔ ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر، ڈاکٹر محمود احمد غازی، افضل چیمہ، ڈپٹی اٹارنی جنرل اور دیگر وکلا اور حضرت شہیدؒ کا اِنتخاب کرتی ہے اور یہ حضرات جنوبی افریقہ تشریف لے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ مختصر

سماعت ہوتی ہے، دُوسری دفعہ طویل سماعت جس میں حضرت شہیدؒ اور مولانا عبدالرحیم اشعر طویل قیام فرماتے ہیں، اور ڈاکٹر محمود غازی کو تیاری کراکر روزانہ عدالت میں بھیجتے ہیں۔ قومی اسمبلی میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بختیار کو تیار کر کے مرزا ناصر پر جرح کرتے تھے، جنوبی افریقہ میں حضرت شہیدؒ یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ رات بھر تیاری اور دِن بھر مقدمے میں شمولیت، انتھک محنت کے بعد مقدمہ مسلمانوں کے حق میں ہوجاتا ہے۔

اسی طرح افریقہ کے ایک علاقے مالی میں قادیانی، مسلمانوں کو جھوٹ کے ذریعے مرزا طاہر سے بیعت کرادیتے ہیں۔ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اِطلاع ملتی ہے تو فوری طور پر مولانا منظور احمد الحسینیؒ اور حاجی عبدالرحمٰن یعقوب باوا کو بھیجتے ہیں، اور الحمدللہ! ان کی محنتوں سے پچاس ہزار اَفراد توبہ کرکے مرزا طاہر اور مرزا قادیانی سے براءت کا اِظہار کرتے ہوئے ان پر لعنت برساتے ہیں۔ ۱۹۸۵ء سے لے کر اَب تک سالانہ کانفرنس انگلینڈ کے موقع پر حضرت شہیدؒ ہزاروں میل کا پُرمشقت سفر کرکے مسلمانوں کو عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ کے لئے تیار کرتے ہیں۔ چار سال قبل آپؒ پر فالج ہوا، جس کی وجہ سے آپؒ کے لئے طویل تو کیا، ہوائی جہاز کا مختصر سفر بھی ناممکن سا ہوگیا، لیکن عقیدۂ ختمِ نبوّت کے لئے آپ کانفرنس کے موقع پر نہ صرف انگلینڈ تشریف لے گئے، بلکہ اس سال جناب عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے بعض وجوہات کی بنا پر جماعت سے استعفیٰ دے دیا اور کانفرنس کی تیاری سے معذرت کی، تو حضرت شہیدؒ نے ۱۲ تا ۱۴ گھنٹے روزانہ گاڑیوں کا سفر کرکے ایک ایک قریہ اور ایک ایک گاؤں جاکر لوگوں کو دعوت دی اور حضرتؒ کی محنت اور حضرت شیخ المشائخ کے رُوحانی تصرف اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کی عظمت سے یہ کانفرنس بھرپور انداز میں کامیاب ہوئی۔ یہی صورتِ حال گزشتہ چار سال سے ہے کہ کانفرنس کی کامیابی کے لئے مولانا محمد اکرم طوفانی کے کامیاب دورے کے بعد حضرت شہیدؒ طویل اسفار کرکے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور الحمدللہ! حضرت کے اس ارشاد کہ: ''میں تم سے صرف عقیدۂ ختمِ نبوّت کے لئے ایک دِن مانگتا ہوں، کیا تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حصول کے لئے

ایک دن بھی مجھے نہیں دو گے؟ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی محافظوں میں شامل نہیں ہونا چاہتے؟'' اتنے کرب اور دِل سوزی سے حضرتؒ یہ ارشاد فرماتے تھے کہ بعض دفعہ آپ پر ترس آ جاتا، اور حضرتؒ کی تواضع اور انکساری پر رشک آتا، جی چاہتا کہ حضرت سے درخواست کریں کہ آپ اپنے اُوپر اتنا بڑا بوجھ نہ ڈالیں، لیکن حضرتؒ کے جذبۂ عشق و محبت کے سامنے کوئی بات کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ اسی طرح آپ دورے پر تھے کہ معلوم ہوا کہ جمعیت علمائے ہند کے امیر و جانشینِ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب زِید مجدہم بھی اسی طرف دورے پر ہیں، اور فجر کے بعد مجلسِ ذکر کرا کر کچھ دیر قیام کے لئے ایک مکان پر ناشتے کے لئے پہنچیں گے۔ چونکہ بعض اُمور پر ان سے مشاورت ضروری تھی، اور براہِ راست کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھی دینی تھی، اتفاق سے اس دن بہت طویل سفر تھا، اس لئے حضرت شہیدؒ جلدی فجر کی اپنی جماعت کرا کر سفر پر روانہ ہوگئے تھے۔ ہم نے گاڑی میں حضرت کو سلا دیا، منزل پر پہنچے تو ابھی حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب تشریف نہیں لائے تھے، کچھ دیر انتظار کیا، وہ تشریف لائے تو حضرت کو بیدار کیا گیا، آپ پر نینداور تھکاوٹ کے بہت زیادہ آثار تھے اور کمزوری بھی زیادہ محسوس ہو رہی تھی، اس کے باوجود حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب سے ملاقات کی، مشورہ کیا اور کانفرنس میں شرکت کی براہِ راست دعوت دی۔ تفصیل کے لئے حضرت نے اس ناکارہ کو بات کرنے کو کہا، ملاقات کے بعد حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے مجھے ایک طرف کر کے سخت ڈانٹا اور اپنے خاص انداز میں فرمایا:

''کیوں اس بڈھے (حضرت شہیدؒ) کو مارنے پر تلے ہوئے ہیں؟
اس طرح سفر ان پر ظلم ہے، ان سے صرف کانفرنس میں تقریر کراؤ،
ان کی حالت تو بہت زیادہ خراب ہے، ان پر رحم کرو۔''

میں حضرت مولانا اسعد مدنی زید مجدہم کی مشفقانہ ڈانٹ وڈپٹ سنتے ہوئے

سوچ رہا تھا کہ ان کے سامنے کیا عذر پیش کروں؟ کیا حالات رکھوں؟ ہمارے یہاں بدقسمتی یہی ہے کہ بزرگوں کی قدر بھی آخری عمر میں کی جاتی ہے، اور ان کی قدرت ومنزلت بھی اسی وقت دِل میں آتی ہے، اور لوگوں کا اِصرار بھی یہی ہوتا ہے کہ حضرت تشریف لائیں، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اگلے سال اس مشقت سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر اگلے سال کیا وہ تو شہادت سے ایک ہفتہ قبل افغانستان تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح کا ایک قصہ خود حضرت کی زبانی ہی بہت سال قبل ہو چکا تھا۔ اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کی وفات بھی ایسی اچانک ہوئی کہ ہوش وحواس گم ہو گئے تھے۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ کے بعد ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر عمومی مجالس میں شرکت کے لوگ نہیں تھے، عقیدت ومحبت کی تمام نگاہیں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ اِدھر حضرت کی یہ کیفیت کہ تصنیف وتالیف اور درس وتدریس کے علاوہ رُشد وہدایت کی محفل، اور مسجدِ فلاح تک محدود تھے، لوگوں سے وحشت تھی، سفر اور پروگرام تو حضرت کے لئے وبالِ جان سے کم نہ تھے۔ اُدھر مدارس والے اپنے افتتاحی اور اختتامی پروگراموں اور ختمِ بخاری ومشکوٰۃ شریف کے لئے مفتی احمد الرحمٰنؒ کے بعد کسی بزرگ ہستی کی تلاش میں تھے، حضرت شہیدؒ سے درخواست کی کہ مفتی احمد الرحمٰنؒ کی جگہ آپ نے چلنا ہے۔ ایک دو پروگرام پر تو آپ تشریف لے گئے، لیکن جب پروگراموں کا تانتا بندھا اور آپ کے کاموں میں حرج ہونے لگا تو آپ نے انکار کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ میں مولانا اقبال اللہ صاحب کو لے کر ان کے مدرسے جامعہ عثمانیہ معین آباد کے لئے وقت لینے گیا اور مولانا اقبال اللہ صاحب نے اصرار کیا تو حضرت نے مشفقانہ انداز میں آنے سے عذر فرمایا۔ مولانا اقبال اللہ صاحب اور میں نے عرض کیا: حضرت! مفتی احمد الرحمٰنؒ تشریف لے جایا کرتے تھے اور انکار نہیں فرماتے تھے، اب ہم کیا کریں؟'' اس پر حضرتؒ نے خوش طبعی کے انداز میں فرمایا: ''مفتی احمد الرحمٰنؒ کو تو تم نے مار دیا، اب مجھے ماروگے؟''

بہرحال بات ہو رہی تھی ختمِ نبوّت کے کام کے سلسلے میں آپ کی وابستگی کی کہ

فہرست

بیماری، ضعف، پیرانہ سالی کے باوجود آپ انتھک محنت سے بھی نہیں کتراتے۔

چند سال قبل مرزا طاہر نے پوری دُنیا کے علمائے کرام اور مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ وہ اس سے مباہلہ کریں۔ اس سلسلے میں ایک خط بھی اس نے جاری کیا۔ حضرت شہیدؒ کے پاس وہ خط پہنچا تو حضرت شہیدؒ نے اس پر ایک مدلل انداز میں جواب تحریر کر کے مرزا طاہر کو اِرسال کیا اور مباہلے کی ایک تاریخ مقرّر کردی۔ اس مقرّرہ تاریخ پر آپ تشریف لے گئے، مگر مرزا طاہر نے اس سے پہلے راہِ فرار اِختیار کرلی اور کہا کہ مباہلے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر ایک دُوسرے کے لئے بددُعا کرتے رہیں، خودبخود حق ظاہر ہوجائے گا۔ حضرت شہیدؒ نے برمنگھم کانفرنس میں اس کو چیلنج کیا، مباہلے کی اصل حقیقت بیان کی۔ چار سال قبل رمضان المبارک سے پہلے مرزا طاہر نے اعلان کیا کہ رمضان المبارک میں اس کی جماعت کے تمام لوگ پاکستان کے مسلمانوں اور علمائے کرام کے لئے بددُعائیں کریں کہ یہ لوگ تباہ و برباد ہوجائیں۔ پورے رمضان میں یہ بددُعا کرتے رہے، حضرت شہیدؒ نے فرمایا: ''بددُعا تمہارے اپنے اُوپر لوٹے گی، تمہارا جھوٹا مدعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد ایسے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کرچکا ہے۔'' خدا نے حضرت شہیدؒ کی بات کی لاج رکھی اور مرزا طاہر ناکام و نامراد ہوا۔

آپؒ کی شہادت سے قبل جب موجودہ حکومت نے عبوری آئین میں قادیانیت سے متعلق ترامیم شامل نہیں کیں تو حضرت شہیدؒ بے چین ہوگئے اور موجودہ حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ اخبار میں سب سے پہلا بیان دیا اور اتنی شدّت اختیار کی کہ تحریک کے لئے میدانِ عمل میں اُترنے کا ارادہ کرلیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے قائد مولانا فضل الرحمٰن کو اس کے لئے تیار کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت بھی تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے تھی، کیونکہ آپؒ کے مخالفین نے مرزا طاہر سے گٹھ جوڑ کرلیا تھا۔

بہرحال آپؒ نے ناظمِ نشریات اور نائب امیر ہونے کی حیثیت سے ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے لئے جو خدمات انجام دیں، اس کے لئے شیخِ طریقت، ولیٔ دوران

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب زِید مجدہم کا یہ جملہ بہت بڑا اعتراف ہے کہ جب امیرِ مرکزیہ شیخ المشائخ خواجہ خواجگان نے حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب زِید مجدہم کو منصبِ نائب صدارت پر فائز فرمایا اور اس کی اطلاع حضرت شاہ صاحب کو دینے کے لئے راقم الحروف کی حاضری ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ''مجھ ضعیف اور بیمار پر اتنی بڑی ذمہ داری کیوں ڈال دی؟ حضرت شہید اور مفتی احمد الرحمٰن رحمہم اللہ نے اس منصب کو اتنا بلند و برتر کر دیا ہے کہ مجھے اس کے تصوّر سے بخار آجاتا ہے، کسی مضبوط آدمی کو اس عہدے پر رکھیں۔'' واقعی حضرت شہیدؒ اپنی قوّت وصلاحیت، محنت وجدوجہد، عقیدۂ ختمِ نبوّت کے لئے قربانی دے کر ناموسِ رسالت پر جہاد کرتے ہوئے شہادت کے منصب پر فائز ہوگئے، اس لئے اُمت نے ان کو ''شہیدِ ناموسِ رسالت'' کے لقب سے یاد کر کے ان کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کر دیا ہے۔

فہرست

(مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

تردیدِ قادیانیت کے لئے ہمہ وقت تیار

ایک مرتبہ دورانِ سفر تھکاوٹ، بیماری اور کمزوری کی وجہ سے لیٹے لیٹے احقر اور دُوسرے احباب سے فرمایا کہ: ''ختمِ نبوّت کے پرچار اور فتنۂ قادیانیت کی تردید کے لئے جدھر چاہو لے جاؤ، جتنے شہروں میں چاہو بیان کروالو، اور جتنی جگہوں میں چاہو لے جاؤ، ہمارے اکابر کو اطلاع تو ملتی ہوگی کہ پیچھے کوئی نالائق کوشش کر رہے ہیں!''

میں نے یہ سن کر حضرتؒ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو آپ آبدیدہ ہوگئے۔

(مولانا نعیم امجد سلیمیؒ، کراچی)

قادیانیوں سے چند سوال

پروردگارِ عالم نے حضرت لدھیانویؒ کو بات سمجھانے اور زورِ استدلال کی قوّت سے وافر حصہ عنایت فرمایا تھا۔ جھنگ صدر کے مولانا ریاض الحسن قادری نے بتلایا کہ ڈرگ

روڈ کراچی کے ایک قادیانی نے ایک مسلمان نوجوان کو ورغلایا اور اس کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اسے قادیانی بنالیا۔ رمضان المبارک کے ماہِ مقدس میں قادیانیت سے متأثر نوجوان کو حضرت لدھیانویؒ کی خدمت میں لایا گیا، حضرتؒ نے حسبِ عادت اس سے انتہائی شفقت ومحبت سے گفتگو کی اور اس کے دِل ودِماغ میں ڈالے گئے شکوک وشبہات کا اِزالہ فرمایا، اور آخر میں اسے چند نکات بتلائے کہ وہ اپنے قادیانی دوستوں کے سامنے پیش کر کے ان کے جوابات لے اور مجھے ان جوابات سے مطلع کرے۔ چنانچہ وہ نکات حسبِ ذیل ہیں:

۱:... تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام مفرد ہیں، (یعنی حضرت آدم، نوح، شیث، ابراہیم، اسماعیل، موسیٰ، عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام) کسی نبی کا نام مرکب نہیں، جب کہ مرزا قادیانی کا نام مرکب (غلام احمد) ہے، ایسا کیوں ہے؟

۲:... ہر نبی کی وحی اس کی قومی زبان میں نازل ہوتی رہی، جب کہ مرزا قادیانی کو مختلف زبانوں میں وحی واِلہام ہوئے۔

۳:... نبی کی پہلی وحی سے لے کر آخری وحی تک گرائمر کی کوئی غلطی نہیں ہوئی، جب کہ مرزا قادیانی کی خرافات میں عربی اور اُردو گرائمر کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں۔

۴:... تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کا طواف (حج وعمرہ) ادا کیا، مرزا قادیانی اس سے محروم رہا۔

۵:... کسی نبی کا کوئی اُستاذ نہیں ہوتا، جب کہ مرزا غلام احمد نے فضل الٰہی، فضل احمد، گل علی شاہ (شیعہ) سے ظاہری علوم، اور اپنے والد مرزا غلام مرتضیٰ سے طب پڑھی۔ (کتاب البریہ، ص ۱۴۸ تا ۱۵۰)

۶:... کوئی نبی کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوا، جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی مختاری کے امتحان میں ناکام ہوا۔

۷:... نبی جہاں فوت ہوتا ہے اس کی تدفین اسی مقام پر عمل میں لائی جاتی ہے،

فہرست

جب کہ مرزا قادیانی کی موت لاہور کی احمدیہ بلڈنگ برانڈرتھ روڈ (نشتر روڈ) میں ہیضے کی بیماری سے ہوئی، دونوں راستوں سے غلاظت جاری تھی، صرف گیارہ گھنٹے بیمار رہ کر واصلِ جہنم ہوا، اوراس کی میّت خرِ دَجال (یعنی ریل گاڑی، مرزا قادیانی ریل گاڑی کو خرِ دَجال سے تعبیر کیا کرتا تھا) پر لادکر قادیان لے جائی گئی اور قادیان میں تدفین عمل میں لائی گئی۔ یعنی موت لاہور میں واقع ہوئی اور تدفین قادیان میں۔

وہ نوجوان یہ نکات نوٹ کر کے لے گیا اور قادیانی مربّیوں سے گفتگو کی، مگر کوئی مربی اسے مطمئن نہ کر سکا، آئندہ جمعہ وہ حضرت لدھیانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ مسجد فلاح کے نمازیوں اور سامعین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور شام کو اس کے اِعزاز میں عظیم الشان اِفطاری کا اہتمام کیا گیا۔ (مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی)

اِمتناعِ قادیانیت آرڈیننس کے لئے جدوجہد

جب وسط ایشیا کی ریاستیں رُوس کے تسلط سے آزاد ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ازبکستان میں قادیانی پروپیگنڈا مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اس موقع پر مولاناؒ نے ازبکستان کے دورے کے لئے پاکستانی علماء کا ایک وفد ترتیب دیا جس میں برادرِ مکرّم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہٗ، مولانا مسعود اظہر صاحب اور دُوسرے حضرات شامل تھے۔ اس سفر میں بھی مولاناؒ کے ساتھ بڑا یادگار سفر گزرا۔ تاشقند، سمرقند اور بخارا کے اہلِ علم سے ملاقاتیں ہوئیں اور انہیں فتنۂ قادیانیت سے آگاہ کیا گیا۔

جب پاکستان قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ زیرِ بحث تھا تو حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ "مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت" کے اَمیر تھے اور

انہی کی قیادت میں تحریکِ ختمِ نبوّت اپنے شباب پر تھی۔قومی اسمبلی میں مسلمانوں کی طرف سے جو بیان پیش ہونا تھا، حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہٗ نے اس کی تیاری کے لئے مجھے حکم دیا تھا، چنانچہ اس کام کے لئے میں تقریباً دو ہفتے راولپنڈی میں حضرتؒ کے ساتھ مقیم رہا اور جب اس کام کی تکمیل کے بعد کراچی واپس پہنچا تو مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اس پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔اور جب پارلیمنٹ نے مرزائیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کے بارے میں دستوری ترمیم منظور کرلی تو مولانا لدھیانویؒ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''آج قیامِ پاکستان کے فائدے کا اندازہ ہوا، کیونکہ یہ کام غیر منقسم ہندوستان میں ممکن نہیں تھا۔''

مرزائیوں کی طرف سے اسلامی اِصطلاحات کے استعمال وغیرہ کی ممانعت پر جو آرڈیننس صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں جاری ہوا، اس کے بارے میں بھی جدوجہد کا سہرا مولاناؒ کے سر ہے، اور اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت نے جو فیصلہ صادر کیا تھا، اس کی کارروائی میں بھی مولاناؒ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

(مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

سارقینِ نبوّت کا تعاقب

یوں تو حضرت شہیدؒ ہر فتنے کے لئے سدِّسکندری ثابت ہوئے، لیکن جو کام تنہا آپؒ سے اللہ تعالیٰ نے سارقینِ نبوّت اور انگریز کے خودکاشتہ شجرۂ خبیثہ یعنی قادیانیت کے خلاف لیا ہے، اتنا کام ایک مستقل جماعت کے کرنے کا تھا۔آپؒ نے ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' میں باقاعدہ طور پر محدث العصر مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی امارت کے دور میں کام شروع کیا۔ ۱۹۷۴ء کے آخر میں دفترِ ختمِ نبوّت ملتان تشریف لائے، فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ کی رہنمائی میں قادیانیت کا باقاعدہ مطالعہ شروع فرمایا، کئی ایک رسائل: ''قادیانیوں کو دعوتِ اسلام''، ''ربوہ سے تل ابیب تک''، ''مرزائی اور تعمیرِ مسجد'' وغیرہ مرتب فرمائے۔

حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیف ''خاتم النّبیین'' کا ترجمہ فرمایا اور کئی ایک دُوسری نادر کتب کی اشاعت کا بندوبست فرمایا۔ حضرت بنوریؒ کے انتقال کے بعد خواجۂ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد مرکزی امیر منتخب ہوئے اور حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ نائب امیر بنے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت شہیدؒ کو نائب امیر منتخب کیا گیا اور آپؒ اس عہدے پر تادَمِ شہادت فائز رہے۔ حضرت شہیدؒ نے بیسیوں رسائل قادیانیت کے خلاف تحریر فرمائے جو ''تحفۂ قادیانیت'' کے نام سے چھ جلدوں میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

اس وقت قادیانیت کے خلاف پڑھا جانے والا لٹریچر تقریباً ۸۰ فیصد حضرت شہیدؒ کا تحریر کردہ ہے۔ ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت'' کے مرکزی دفتر ملتان، مسجد باب الرحمت، دفتر کراچی، لندن کا دفتر اور چناب نگر کے مدرسہ و مسجد کی تعمیر میں آپ کا نمایاں کردار ہے۔ آپؒ نے برطانیہ، جنوبی افریقہ، عرب اِمارات، بنگلہ دیش، افغانستان، رُوسی ریاستوں سمیت کئی ممالک کے تبلیغی دورے کئے، اور لاکھوں لوگوں کو فتنۂ قادیانیت کی دسیسہ کاریوں اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ وفاقی شرعی عدالت، سپریم کورٹ اور دیگر کئی عدالتوں میں آپؒ کے ایمان افروز بیانات ہوئے۔ جنوبی افریقہ کی عدالتی کارروائی میں آپؒ برابر شریک رہے۔ ہر سال چناب نگر میں مبلغینِ ختمِ نبوّت کی ایک بڑی تعداد کو قادیانیت کے خلاف دلائلِ حقہ سے لیس فرماتے رہے۔ (مولانا نعیم امجد سلیمیؒ)

پوری دُنیا میں منکرینِ ختمِ نبوّت کا تعاقب

حضرتؒ سے قرب کے بعد پتا چلا کہ ہمارے شیخ صرف ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ آپؒ ایک تحریک اور اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ ایک طرف اپنی پوری زندگی ختمِ نبوّت کے لئے وقف کی ہوئی ہے کہ پوری دُنیا میں ختمِ نبوّت کے منکرین کا تعاقب کرتے رہے۔ بلاشبہ پوری دُنیا میں ختمِ نبوّت کا کام آج ان کے فیض کا مرہونِ منّت ہے۔ اس لئے کہ تردیدِ قادیانیت کے موضوع پر پڑھا جانے والا مواد زیادہ تر ان کا تصنیف کردہ ہے، اور

فہرست

دُوسری طرف عام فہم انداز میں پوری انسانیت کو راہِ راست پر لانے کے لئے محنت فرماتے رہے۔ (مولانا حماد اللہ شاہ شیرازی، کراچی)

''قانون کا سہارا''... ایک خاص اِصطلاح!

اسی دوران ''قانون کا سہارا'' کے نام سے ہمارے یہاں ایک خاص اصطلاح بھی مشہور ہوگئی، جو ہم اپنی خاص مجلسوں میں استعمال کر کے بطورِ خاص محظوظ ہوتے، اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے جس سے اس کی اہمیت وافادیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ یہاں پر حکومتِ پاکستان کی نمائندگی کرنے والا ایک خاص سرکاری اِدارہ ہے، ہم نے چاہا اور پروگرام بنایا کہ اس کے ذمہ داروں سے بھی حضرتؒ کی ملاقات اور تبادلۂ خیالات کے لئے ایک نشست ہو جائے۔ چنانچہ ان سے رابطہ کر کے اس اِدارے کے سربراہ سے ملاقات کے لئے وقت طے کرلیا گیا اور ۸۶-۱۹۸۵ء کے اس دور میں اس اِدارے کے سربراہ ایک ایسے صاحب تھے جو ایک ریٹائرڈ فوجی افسر تھے، ایسے حضرات کے بارے میں عام تاثر اور تجربہ یہی ہوتا ہے کہ یہ دِین کے بارے میں لااُبالی اور اس سے نابلد ہوتے ہیں، اور ان کا عمومی انداز یہی ہوتا ہے کہ یہ سب مولویوں کی باتیں اور انہی کے جھگڑے ہیں، ہمیں ان سے کیا لگی؟ ہم نے تو اپنی نوکری کرنی ہے اور بس! چنانچہ اس پاکستانی اِدارے کے اس وقت کے وہ فوجی آفیسر بھی ایسے ہی نکلے، اس مجلس میں ہم تین افراد تھے، ایک حضرت مولاناؒ، دُوسرے وہ آفیسر صاحب اور تیسرا یہ بندۂ ناچیز۔ میری دائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تشریف فرما تھے، بائیں جانب وہ صاحب اور درمیان میں راقمِ آثم!

آغازِ گفتگو میں بندہ نے حضرت مولاناؒ کا تعارف کراتے ہوئے ان صاحب سے عرض کیا کہ یہ پاکستان کے نامور عالمِ دِین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی ہیں جو روزنامہ ''جنگ'' میں ہر جمعہ کے روز ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے مقبول

فہرست

ترین کالم میں لکھتے ہیں اور ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی راہنما ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے جب مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو انہوں نے اپنے آقا انگریز بہادر کے ملک میں جا کر وہاں اپنا نیا مرکز قائم کرلیا اور اس کا نام انہوں نے ''اسلام آباد'' رکھا، اور وہاں سے وہ ڈش وغیرہ جیسے جدید وسائل وذرائع سے اپنا کفر دُنیا میں پھیلا رہے ہیں، اور کتنے ہی سادہ لوح ایسے ہیں جو ''اسلام آباد'' کے نام سے اس دھوکے میں پڑتے ہیں کہ یہ نشریات اس اسلام آباد سے نشر ہورہی ہیں جو کہ پاکستان کا دارالحکومت ہے۔ سو اس طرح مرزائیوں کا اپنے اس مرکز کا یہ نام رکھنا گویا ایک مستقل چیلنج اور اعلانِ بغاوت ہے اور ایک متوازی پاکستان کے وجود کا اعلان کرنا ہے۔ ایسی صورت میں آپ حضرات کا فرض بنتا تھا اور بنتا ہے جو کہ سرکاری ملازم اور سرکار کے نمائندے ہیں کہ آپ قادیانیوں کی اس جسارت کا نوٹس لیتے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ وہ اپنے مرکز کا ''قادیانی آباد'' وغیرہ جیسا کوئی اور نام رکھتے، مگر آپ حضرات نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا، مگر ان علمائے کرام نے ان کا تعاقب کیا اور اسی سلسلہ میں ابھی لندن میں ''ختمِ نبوّت'' کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دیگر مختلف نامی گرامی علمائے کرام کے علاوہ حضرت مولانا نے بھی شرکت فرمائی اور اَب وہاں سے واپس پاکستان جاتے ہوئے کچھ دِنوں کے لئے یہاں رُکے ہیں۔

بندہ یہ گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اس پر وہ ''آفیسر صاحب'' میری بات کاٹتے ہوئے بیچ میں بولے کہ: ''صاحب! جب مرزائی اقلیت میں ہیں تو پھر ہم ان کے مقابلے میں قانون کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟'' اس پر حضرت لدھیانویؒ یک دم جلال میں آگئے، چہرے پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، لیکن اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنی معروف متانت وسنجیدگی سے کام لیتے ہوئے اپنی سیٹ سے آگے ہوکر ان صاحب سے مخاطب ہوئے اور ان سے سوال کیا: ''کیا مطلب قانون کے سہارے کا؟'' تو ان صاحب نے کہا: ''مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اکثریت میں ہیں اور وہ اقلیت میں، تو ہم نے ان کے خلاف قانون کا سہارا

فہرست

لیتے ہوئے ایک آرڈیننس ان کے خلاف پاس کرایا، ایسا کیوں ہے؟ ہم فیلڈ میں ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟'' تو اس کے جواب میں مولانا مرحوم نے ان سے فرمایا: ''اچھا! یہ بتائیے کہ ملک میں چور تھوڑے ہیں یا وہ لوگ جن کی چوری ہوتی ہے؟'' اس پر ان صاحب نے کہا کہ: ''چور تھوڑے ہیں!'' مولاناؒ نے پوچھا کہ: ''اچھا! تو پھر آپ لوگ چوروں کے خلاف قانون کیوں بناتے ہیں؟'' اس کے جواب میں وہ صاحب ہکّے بکّے رہ گئے، ان کی بولتی بند ہوگئی اور وہ ایسے خاموش اور مہر بلب ہوکر رہ گئے جیسے کوئی گدھا کسی سخت کیچڑ میں پھنس کر رہ جائے، نہ آگے جانے کا، نہ پیچھے ہٹنے کا۔ پھر مولانا مرحوم نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''ہم فیلڈ میں اُترنے اور آمنے سامنے مقابلہ کرنے سے نہ کبھی گھبرائے ہیں، نہ گھبرائیں گے، ان شاء اللہ العزیز! تاریخ اس امر کی گواہ ہے، لیکن قانون تو ہمیشہ چوروں، ڈاکوؤں اور مجرموں کے لئے بنتا ہے جو کہ تعداد میں اگرچہ تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ان کے جرائم کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان کو قانون کے آہنی شکنجوں میں کسا جائے تاکہ وہ پُرامن معاشرے کے لئے فساد و بگاڑ کا سبب نہ بنیں۔'' تو اس کے بعد ''قانون کا سہارا لینا'' ہماری ایک خاص اِصطلاح بن گئی جس کو ہم لوگ جگہ جگہ استعمال کرتے تھے اور اب تک کرتے ہیں اور حسبِ ضرورت اس کا یہ سارا پس منظر بھی بیان کرتے ہیں جس سے لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔ (مولانا محمد اسحاق، دُبئی)

اِنتخابِ یوسف

شہیدِ ناموسِ رسالت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ میرے شفیق اُستاد، محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ اَمیر مجلس تحفظ ختمِ نبوّت اور بانی و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی دریافت ہیں، جنھوں نے اس قیمتی جوہر اور آبدار موتی کو زاویۂ گمنامی سے نکال کر آسمانِ رفعت تک پہنچایا اور مزید تابناک بنادیا۔

حضرت بنوریؒ کی صحبتِ کیمیا اثر میں رہ کر ان کی صلاحیتوں کو مزید جِلا ملی اور وہ

مہرِ منیر بن کر عالمِ اسلام میں چمکنے لگے۔ مولانا موصوف قلم کے شہسوار تھے، ان کی تحریر کی خوبی اور قلم کی روانی ہی نے حضرت بنوریؒ کو متأثر کیا اور انہوں نے اپنے پاس بلا کر اپنی نگرانی میں انہیں ماہنامہ ''بینات'' اور اس شعبے کی تصنیف وتالیف کا نگران بنا دیا۔ چنانچہ ملک کا مشہور دِینی ماہنامہ ''بینات'' آپؒ ہی کی نگرانی میں ایک عرصے تک اسلام کی خدمت کرتا رہا۔ اسلام کے خلاف ہر اِلحادی فتنے سے وہ نبردآزما رہے، اور اپنی تیغِ قلم سے اسلام کا دِفاع اور دُشمنانِ اسلام کا تعاقب کرتے رہے۔ خصوصاً اسلام کے سب سے اہم عقیدۂ ختمِ نبوّت کی... جو پورے دِین کی اساس ہے... حفاظت، اور جھوٹی نبوّت (قادیانی فتنے) کا تعاقب ان کا موضوعِ زندگی بن گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں ان سے خوب کام لیا۔ میرے خیال میں موجودہ دور میں ختمِ نبوّت کے محاذ پر تحریری میدان میں ان کا ہم پلّہ اور کوئی عالم نہیں ہے۔ (مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ)

ہر لمحہ رضائے الٰہی کے لئے وقف

برمنگھم میں ہر سال ختمِ نبوّت کانفرنس منعقد ہوتی ہے اور حضرت تشریف لے جاتے اور کانفرنس سے قبل باوجود ضعف و بیماری کے برطانیہ کے مختلف شہروں کے اجتماعات میں شرکت فرما کر عام مسلمانوں کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دیتے۔ کانفرنس میں ہر مقرّر وخطیب اپنے جوہرِ خطابت سے مجمع کو گرماتا، مگر حضرتؒ کی تقریر موضوع کی مناسبت سے ختمِ نبوّت اور رَدِّ قادیانیت پر ہوتی، اور انداز ایسا ہوتا جیسے اُستاذ کسی شاگرد کو سبق پڑھا رہا ہو۔ مرزا قادیانی کے ہفوات کا ذِکر ہوتا، اور دلائل سے اس کے دعاوی کا بطلان ظاہر فرماتے۔

ایک بار حضرت مولاناؒ تقریر فرما رہے تھے، پورا مجمع سراپا سکوت تھا اور غور سے خطاب سن رہا تھا، کسی ناواقف شخص نے آواز دے دی کہ ''کافی وقت ہو چکا ہے!'' حضرتؒ نے بغیر اظہارِ ناراضی کے فوراً تقریر ختم فرما دی۔ عام مقررین کے لئے یہ بات ناقابلِ

فہرست

برداشت ہوتی ہے، مگر مولاناؒ کا ہر لمحہ رضائے الٰہی کے لئے وقف تھا۔ سبحان اللہ! یہ ادا آج کہاں دیکھنے میں آسکتی ہے؟ (قاری سعید الرحمٰنؒ، راولپنڈی)

لالۂ صحرائی

۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں مولانا شہیدؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ماہنامہ ''بینات'' کی اشاعتِ خاص بنوری نمبر کے سلسلے میں راقم السطور کا قیام جامعہ علوم اسلامیہ میں ہوا، دو ماہ مکمل ان کے ساتھ رفاقت رہی۔ مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی ہر ہر اَدا دِل آویز تھی۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مولانا بحر العلوم تھے، کثیر المطالعہ اور سریع القلم تھے، مسوّدہ نستعلیق لکھتے، کاٹ چھانٹ نہ کرتے۔ شہد کی مکھی کی طرح اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی تحریروں سے ایک ایسا چھتّا تیار ہوا ہے جو اپنے اندر ''فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ'' کی خاصیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سلوک وتصوف کا بھی گہرا ذوق رکھتے تھے، مشائخِ وقت میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ سے انہیں سلاسلِ تصوف کی اجازت حاصل تھی۔

اللہ تعالیٰ نے شہادت کی نعمتِ عظمیٰ سے انہیں مالا مال کیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ اعزاز ہے ان خدمات کا جو انہوں نے تحفظِ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ روزِ محشر انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً! (حضرت شاہ نفیس الحسینیؒ)

***

فتنوں کا تعاقب

قوّتِ اِستدلال کے ساتھ حق بات کی دعوت

مسلکِ دیوبند کے وہ اکابر علمائے حقانی جو دِماغ اور دِل دونوں کے جامع ہیں، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ان میں سے باغ و بہار شخصیت کے حامل ایک ممتاز عالمِ حقانی تھے، بلکہ حضرتِ موصوف فِرَقِ ضالہ اور مذاہبِ باطلہ کے مقابلے میں ڈَٹ جانے اور سینہ سپر ہوجانے کی شان کے حامل تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے بھی آگے آپؒ ایک ایسی صفت سے متصف تھے جو آج کی دُنیا میں بہت کمیاب ہے کہ فِرَقِ ہائے ضالہ کے مخالف موقف جتنا بھی زیادہ اشتعال انگیز اور سنگین ہوتا، اس کی تردید وتغلیط میں حضرت موصوف اتنا ہی سنجیدہ اور متین لہجہ اختیار فرماتے، پورے تحمل و وقار کے ساتھ، انتہائی مدلل، شستہ اور شگفتہ انداز میں اپنا نقطۂ نظر بیان فرماتے۔ تشدد وعصبیت کے راستے سے نہیں بلکہ صرف اور صرف قوّتِ اِستدلال کی انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپؒ ہمیشہ حق بات کی طرف دعوت دیتے۔ ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں اور فرقہ وارانہ عصبیت سے کوسوں دور، آپؒ صلح وآشتی، امن واُخوّت کے پیکر اور انتہائی مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت اقدس مغفور ومرحوم کے چہرۂ اقدس پر مسکنت وتواضع، فنائیت وملاطفت اور معصومیت کا ایک خاص نور صاف جھلکتا اور برستا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

(مولانا قاری محمد طاہر رحیمیؒ، مدینہ منورہ)

فہرست

شعائرِ اِسلام کا مذاق اُڑانے والوں کی جامہ تلاشی

برادرِ عزیز ظفر حجازی نے بتایا کہ میں ساتویں جماعت میں کمالیہ میں پڑھتا تھا کہ ایک اُستاد نے مجھے غلام احمد پرویز کی کتاب ''سلیم کے نام'' دی۔ مولانا محمد یوسفؒ ان دِنوں ماموں کانجن میں پڑھاتے تھے اور کمالیہ ایک دِینی مدرسے کا امتحان لینے آئے۔ میں اکثر فارغ اوقات اس دِینی مدرسے میں گزارتا تھا، مولاناؒ نے جب یہ کتاب میرے ہاتھ میں دیکھی تو کہا: ''یہ مجھے پڑھنے کے لئے دے دو!'' میں نے بخوشی مولانا کو دے دی۔ اس کتاب میں اکثر پیرایۂ بیان یہ تھا کہ: ''سلیم! تم نے دیکھا کہ ہم فلاں جگہ تھے کہ ایک غریب آدمی کا لڑکا علاج کے بغیر مرگیا، والدین اتنے غریب تھے کہ دوائی لینے کی سکت نہ تھی، اور ساتھ والی مسجد میں عمدہ قالین بچھائے جارہے تھے۔ سلیم! تم نے دیکھا کہ فلاں آدمی حج کرکے آیا تو منوں پھولوں کے ہار اس کے گلے میں ڈالے گئے جو پھر پاؤں کے نیچے مسلے گئے، جب کہ اس کے پڑوسی نانِ شبینہ کو ترس رہے تھے۔ سلیم! تم نے دیکھا کہ مالدار لوگ زکوٰۃ غریبوں میں تقسیم کرکے انہیں بھکاری بنارہے تھے، جب کہ شہر کی سڑکیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔''

مولاناؒ دُوسرے وقت میں آئے اور کہا کہ اس بچے کو لاؤ جس سے میں نے کتاب لی تھی۔ میں وہیں اِدھر اُدھر تھا۔ دُوسری طرف میرے اُستاد نے جب وہ کتاب میرے پاس نہ دیکھی تو پوچھا: ''وہ کتاب کیا ہوئی؟'' میں نے بتایا: ''ایک مولوی صاحب کو دے دی!'' اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے نئی کتاب دے دی۔ ظفر صاحب کہتے ہیں کہ جب میں مولانا محمد یوسفؒ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ: ''بیٹا! اس کتاب میں دِین دار طبقے اور شعائرِ اِسلام کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ کیا پرویز صاحب کو جیم خانہ کلب کے اس لاکھوں کے جوئے کا پتا نہیں جو وہاں اُمراء کھیلتے ہیں؟ اور کیا اس شراب کی قیمت کا کبھی اندازہ لگایا جو ساری رات وہاں پی جاتی ہے؟ (یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے) اور پھر شہر کی سڑکیں لوگوں کی

فہرست

زکوٰۃ سے کیوں بنائی جائیں؟ وہ تو انہی کا حق ہے جن کو دِی جاتی ہے، شہر کی سڑکیں اس ٹیکس سے کیوں نہیں بنائی جاتیں جو لوگوں سے مختلف شکلوں میں لیا جاتا ہے؟'' اور پھر انہیں دِنوں آپؒ نے ''کوہستان'' اخبار میں ایک مضمون لکھا جس میں ٹیکس اور زکوٰۃ کا فرق بتایا گیا تھا، اور مجھے سمجھایا کہ سب باتیں عوام کو اس انداز میں اس لئے بتائی جاتی ہیں کہ ان کے اندر شعائرِ دِین کی عظمت نہ رہے۔ (حافظ عبدالرشید ارشدؒ)

اُمت کے لئے ناسور!

اللہ رَبّ العزّت انہیں اتحاد بین المسلمین کا ایسا داعی بنانا چاہتے تھے جو فتنۂ قادیانیت، فتنۂ گوہر شاہی، فتنۂ اِنکارِ حدیث اور فتنۂ رفض کی تردید اور دعوت وتبلیغ، تعلیم وتعلّم، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، سیاست وصحافت اور جہاد کی اشاعت وترویج اور ہر ہر شعبۂ حیات میں مدبرانہ انداز میں رہنمائی کے علاوہ عملی طور پر پہلی صف میں نظر آئیں۔

موجودہ دور کے منکرینِ ختمِ نبوّت، رافضیوں اور بدعتیوں کے خلاف آپؒ زیادہ تر متفکر نظر آتے، آپؒ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں دِفاعِ ختمِ نبوّت کے ساتھ ساتھ قزاقانِ ختمِ نبوّت کے خلاف اعلیٰ درجے کا جہاد کیا۔ آپؒ نے کلمہ طیبہ کے پہلے جز کے منکرین کے ساتھ ساتھ دُوسرے جز کے منکرین کو اُمتِ مسلمہ کے لئے ناسور قرار دیا اور فرمایا کہ مسلمان نہ جانے کیوں اپنے اندر چھپے منافق کو نہیں پہچانتا؟ اور ان سے اتنی نفرت نہیں رکھتا جتنا کہ ہونی چاہئے۔

کھلے کافروں سے زیادہ منافقین کی طرف توجہ:... یکم رصفر ۱۴۲۱ھ بمطابق ۶ رمئی ۲۰۰۰ء بروز ہفتہ حضرت اقدس نوّراللہ مرقدہٗ ملتان ختمِ نبوّت کانفرنس سے فارغ ہوکر خیرالمدارس تشریف لے گئے، یہ حضرتؒ کا ملتان کا آخری سفر تھا، وہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ نے حضرت کی خدمت میں نعت پیش کی، لوگ اچانک حضرت کو دیکھ کر حیران بھی تھے اور بہت خوش بھی۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ

فہرست

الحدیث صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میری بچی نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے، میری خواہش ہے کہ جواب آپ ہی دیں۔ سوال یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے دو جز ہیں۔ پہلے جز ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے منکر بے شمار ہیں، مگر دُوسرے جز ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کے منکر چند ایک ہیں، جیسے قادیانی وغیرہ، جب کہ ہماری ساری محنت کلمے کے دُوسرے جز کے منکرین کے خلاف ہوتی ہے، کھلے کافر یعنی منکرینِ توحید یا ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے خلاف اس قسم کی محنت کیوں نہیں؟ حضرت شہیدؒ بچی کی ذہانت پر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام بھی بھجوایا اور اس کے سوال کے جواب میں فرمایا: اس لئے کہ ہم سب مسلمان جانتے ہیں کہ عیسائی، یہودی اور ہندو وغیرہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے منکر ہیں اور ہم ان سے نفرت بھی کرتے ہیں، مگر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کے منکر ایک تو ہمارے اندر چھپے ہوئے ہیں اور دُوسرا اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلواتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ہمیں جتنی نفرت ان سے ہونی چاہئے اتنا نہیں ہے، اس لئے ہم اس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ (محمد عتیق انور، لاہور)

فتنوں کے خلاف غیرت وحمیت کی بُرہان

دِین کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں اور تحریکوں کے خلاف ننگی تلوار، غیرت وحمیت کی بُرہان اور جلالِ الٰہی کا مظہر تھے، ان کا یہی وصف انہیں اپنے ہم عصر علماء اور شخصیات سے نمایاں کرتا ہے۔ نہ علماء کی کمی ہے نہ ہی اساتذۂ تفسیر وحدیث عنقاء ہوئے ہیں، فقاہت وثقاہت کی تصویریں بھی ایک سے ایک بڑھ کر منصۂ شہود پر نظر آئیں گی، خانقاہیں بھی ذِکر وفکر کی روایتی آوازوں سے گونجتی نظر آئیں گی، مسندِ درس وتدریس پر علمی موشگافیوں کے فلسفے بھی نظر آئیں گے، فقہ وحدیث کے مشکل مباحث اور باریک مسائل پر گھنٹوں گفتگو کرنے والے بھی نظر آئیں گے، مگر مسجد و مدرسہ، منبر ومحراب سے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں کو، اہلِ حق کی آواز میں للکارنے والا عالمِ جلیل، ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کا صحیح وارث اس وقت یہی نظر آئے گا جس کی آواز سے دِینِ حنیف کے چمن میں بہار آئے گی۔

فہرست

۱۴ سو سال سے اسلام پر فتنے اور فتنہ گر حملہ آور ہیں، فتنہ پروَر مادّی وسائل اور دولت وثروَت کے خزانوں سے مالا مال ہیں، انہیں مضمحل کرنے کے لئے، انہیں توڑنے کے لئے، انہیں راہِ راست دِکھانے کے لئے، ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے، ان کے قلعوں میں شگاف ڈالنے کے لئے، اوران کی اُونچی دیواروں کو گرانے کے لئے ہر دور میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ایسے بہادر، جری، نہ بکنے والے، نہ دبنے والے علماء کی ضرورت رہی ہے، جنہوں نے اپنے کردار وعمل سے باطل کو پسپا کیا اورحق کا بول بالا کیا۔ مولانا لدھیانویؒ دیوبند کی اس سنہری سلسلے کی کڑی تھے جنہوں نے اندھیروں کو روشنی اور گمراہوں کو ہدایت کا نورعطا کیا، یہ تاریخ کا تسلسل ہے، اس نے ایسے بہادر فرزندانِ اسلام کی داستانوں کو اپنے دامن میں محفوظ کیا جو آنے والی نسلوں کے لئے مینارۂ نور و ہدایت ثابت ہوں گی۔ تجزیہ نگاروں کو اس بات کا تجزیہ کرنا چاہئے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے بعد اسلام کے بہی خواہ کیوں سوگوار ہیں؟ کیا علماء، صلحاء، عابد وزاہد، مدرّسین ومشائخ، دُنیا میں، یا پاکستان میں نہیں ہیں؟ یا ان کی رہنمائی کے لئے تمام گوشے یکسر خالی ہوگئے ہیں؟ نہیں! اور یقیناً نہیں...! انہیں غم اور فکر اس بات کی ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ان کے لئے ایک مجاہدانہ کردار تھا جو ختم ہوگیا، جو انہیں باطل کی ریشہ دوانیوں کے خلاف سینہ سپر رکھتا تھا، وہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا، جن کے وجود سے، جن کی ہیبت سے باطل کے ایوانوں میں دراڑیں پڑتی تھیں وہ نہ رہا، اب انہیں اس محاذ پر کون رہنمائی دے گا؟ جہاد کے لئے کون جذبوں کو پروان چڑھائے گا؟ کون بڑا ہوکر دِین کے لئے چھوٹے کے ہاتھ پر بیعت کرے گا؟ کون قادیانیوں کا پوری دُنیا میں تعاقب کرے گا؟ کون منکرینِ حدیث کے ریت کے گھروندوں کو برباد کرے گا؟ کون اَصحابِ رسول، اَزواجِ مطہرات اور اہل بیت...رضوان اللہ علیہم اجمعین...کے دُشمنوں کو دلیل اور بُرہان سے صحابہؓ کے قدموں میں جھکائے گا؟ کون اپنے اسلاف کی قربانیوں کے نقشے دِکھائے گا؟ یہی کردار تھا، یہی کام تھا، یہی رہنمائی تھی جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

فہرست

اپنے شاگردوں، پیروکاروں، مریدوں اور نیازمندوں کو عطا کرتے تھے۔ اب جب کہ ہر طرف سناٹا ہے، علماء، صلحاء، واعظ، لیڈر، خطباء، عزیمت کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے رُخصت پر عمل پیرا ہیں، جو اِظہارِ حق اور کلمۂ حق کو دِیوانے کی بڑ اور حماقت قرار دے رہے ہیں، اس اُداس اور گھمبیر ماحول میں مولانا لدھیانوی شہیدؒ کا وجود ایک روشن ستارہ تھا جو نہ رہا۔ دُکھ صرف اس بات کا نہیں کہ ایک عالم، ایک فقیہ، ایک عابد شب زندہ دار نہ رہا، بلکہ غم اس بات کا ہے کہ اب اہلِ حق کا کوئی حدی خواں نہ رہا، جو اپنی آواز سے مردہ دِلوں میں زندگی کی رُوح پھونک دے گا، جو دِیوانوں کو جذبۂ جہاد سے سرشار کرکے قرونِ اُولیٰ کی فضاؤں کو خوشبو سے مالامال کردے گا۔ (مولانا ضیاء القاسمیؒ، فیصل آباد)

تجدد پسندوں کے سامنے سدِّ سکندری

صدر ضیاء الحق مرحوم کے عہد میں جب روزنامہ ''جنگ'' لاہور میں پروفیسر وارث میر، ڈاکٹر یوسف گورایہ اور دیگر کئی لوگوں نے ''تقلید اور اِجتہاد'' کے حوالے سے بعض مضمون لکھے جو تسلسل سے شائع ہوئے، ان مضامین نگاروں نے اِجتہاد کا دروازہ جس طرح کھولنے کی خواہش کا اظہار کیا، وہ نہایت غلط تھا کہ پھر ہر ہما شا مجتہد بن کر اِسلام میں اپنی رائے ٹھونسنا شروع کردیتا۔ تب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے قسط وار ان کا جواب لکھا اور انہیں لاجواب کیا۔ ضیاء الحق مرحوم کے عہد میں ''تجدد پسندی اور اِجتہاد'' کے عنوان سے فکری گمراہی کا سیلاب جس قوّت اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، اس کے سامنے اتنا ہی مضبوط بند باندھنے کی ضرورت تھی، جس کا احساس کرکے اس کا مداوا کرنے والوں میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سرفہرست تھے۔ (سیّد محمد کفیل شاہ بخاری)

اُمت کے ایمان و اعمال کی حفاظت کے لئے فتنوں سے نبرد آزما

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس عظیم قافلے میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا ذوق سب سے مختلف اور منفرد تھا جس کا اظہار وہ خود ان الفاظ کے

فہرست

ساتھ کرتے ہیں کہ:

"کانوا یسئلونه عن الخیر و کنت اسأله عن الشر"

یعنی دُوسرے صحابہ کرامؓ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تر سوالات اُمت میں پیدا ہونے والی خرابیوں اور فتنوں کے بارے میں کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے فتنوں کے بارے میں زیادہ روایات ان سے مروی ہیں۔ اور بعض روایات کے مطابق حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ بات عام ہوگئی تھی کہ جب کسی بزرگ سے کسی فتنے کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ جواب میں کہتے کہ: ''حذیفہ سے پوچھو! وہ اس کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔''

فتنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا، ان سے دُوسرے مسلمانوں کو خبردار کرنا، معاشرے میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر نظر رکھنا اور ان کی نشاندہی کر کے ان کے سدِّ باب کے لئے کوشش کرنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا خصوصی ذوق بن گیا تھا۔ اس ذوق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے صرف ایک واقعے پر نظر ڈال لیجئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قرآنِ کریم کی ترتیب وتدوین، اس کے سرکاری نسخوں کی کتابت وتقسیم اور قریش کی لغت وقراءت کے علاوہ باقی لغات میں قرآن کی تلاوت وقراءت کی ممانعت کا جو عظیم الشان کام ہوا، اور جس کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ قرآنِ کریم کی تلاوت وقراءت کے حوالے سے ایک بہت بڑے فتنے اور خلفشار سے محفوظ ہوگئی، اس کے محرک یہی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ ایک سفر میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، ان کے ساتھ والے خیمے میں دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز آئی، شور زیادہ بڑھا تو وہ خود وہاں گئے، دیکھا کہ دو افراد میں، جو عجمی تھے، قرآنِ کریم کی قراءت پر جھگڑا ہوگیا اور نوبت تلواریں نکلنے تک جا پہنچی، ان میں سے ایک صاحب تلاوت کر رہے تھے کہ دُوسرے صاحب نے کسی لفظ پر ٹوک دیا اور کہا کہ: ''تم یہ لفظ غلط پڑھ رہے ہو، میں نے

فہرست

فلاں صحابی سے یہ آیت سیکھی ہے اور انہوں نے یہ لفظ دُوسری طرح پڑھایا ہے۔'' تلاوت کرنے والے صاحب نے کہا کہ: ''نہیں! تم غلط کہہ رہے ہو، میں نے یہ آیت فلاں صحابی سے پڑھی ہے اور انہوں نے یہ لفظ اسی طرح پڑھایا ہے، جس طرح میں پڑھ رہا ہوں!'' چونکہ دونوں کے پاس دلیل مضبوط تھی، اس لئے کوئی بھی اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹا اور جھگڑا بڑھ گیا، بات کچھ بھی نہیں تھی، لفظ ایک ہی تھا، صرف قراءت اور لغت کا فرق تھا، ایک صحابی نے اسے ایک قراءت کے مطابق ادا کیا تھا، اور دُوسرے صحابی نے دُوسری لغت اور لہجے میں پڑھ دیا تھا، جس سے لفظ کی ماہیت اور معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، لیکن جھگڑنے والے دونوں اہلِ زبان نہیں تھے، عجمی تھے، اس لئے ان کے نزدیک یہ فرق بہت بڑا فرق بن گیا تھا اور تنازع اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے انہیں تو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، مگر خطرے کی بو سونگھ لی اور مدینہ منورہ حاضر ہونے پر اَمیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کی رپورٹ دے کر اُمت کو اس خطرے سے محفوظ کرنے کے لئے تدابیر اختیار کرنے کی رائے دی، جس پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حفاظتِ قرآنِ کریم کا یہ عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے اس ذوق پر اُمت میں ایسے علمائے کرام اور مجاہدین کے ایک مستقل طبقے کی بنیاد رکھی گئی جس نے فتنوں کی کرید، خرابیوں کی نشاندہی، خطرات سے خبرداری اور اُمت کے ایمان واعمال کی حفاظت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا، اور کسی لالچ، خوف اور ملامت کی پروا کئے بغیر اُمت کے کسی بھی طبقے میں پیدا ہونے والی خرابی اور فتنے کی نشاندہی، بلکہ تعاقب کرکے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جدوجہد کے تسلسل کو قائم رکھا۔ ان علماء کی جدوجہد کی ایک جھلک مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''تاریخِ دعوت وعزیمت'' میں دیکھی جاسکتی ہے جو کئی ضخیم جلدوں میں ہے، اور اس میں ان مجاہد علماء کی جدوجہد، کارناموں اور قربانیوں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ موجود ہے۔ مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس اللہ سرہ

فہرست

العزیز کے تذکرے سے قبل فتنوں کا تعاقب کرنے والے علمائے کرام کے تاریخی تسلسل اور پس منظر کا قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت مولانا لدھیانویؒ کا تعلق بھی علمائے کرام کے اسی گروہ سے تھا، بلکہ اس دور میں وہ اس طبقے کے اِمام اور سرخیل تھے جنہوں نے نہ صرف خود فتنوں کے تعاقب اور نشاندہی کا مہتم بالشان کام زندگی کے آخری لمحے تک جاری رکھا، بلکہ ہزاروں علماء اور کارکنوں کو تعلیم و تربیت کے ذریعے اور لاکھوں مسلمانوں کو مسلسل تحریروں کے ذریعے اس ذوق اور خدمت کے لئے تیار کرتے رہے۔

مجھے یاد نہیں کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا نام میں نے پہلی بار ماہنامہ ''بینات'' میں پڑھا، یا ''ترجمانِ اسلام'' میں، مگر یہ ضرور یاد ہے کہ ان کا پہلا مضمون جو پڑھا تھا وہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے کسی مضمون کے جواب میں تھا، جس میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریروں میں چھپے ہوئے اِلحاد و زَندقے کی نشاندہی کرتے ہوئے علمائے کرام کو اس سلسلے میں خبردار کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہمارے ایک محترم بزرگ حضرت مولانا شہاب الدین مرحوم کے فرزند تھے، جو فاضلِ دیوبند تھے اور چوبرجی لاہور میں قیام پذیر تھے، نیک دِل عالمِ دِین اور صالح بزرگ تھے، مگر حضرت نوح علیہ السلام کی طرح وہ بھی اپنے بیٹے کو گمراہی سے نہ بچا سکے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے دِینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی حاصل کی، مگر توازن قائم نہ رہا، اور شکاگو یونیورسٹی میں قیام کے دوران مستشرقین کے ہتھے چڑھ کر گمراہی کی اس اِنتہا تک جا پہنچے کہ پھر وہاں سے واپسی کا کوئی راستہ انہیں نہ ملا...!

یہودی اور عیسائی مستشرقین کا تو مشن ہی یہ تھا کہ دُنیا بھر کے مسلمان جہاں اِقتدار اور سلطنت سے محروم ہوکر سیاست، معیشت، معاشرت، عسکریت، سائنس، ٹیکنالوجی اور نظم و نسق میں مغربی اقوام کے دستِ نگر ہوگئے ہیں، وہاں وہ عقیدہ و ایمان اور علوم و روایات کے شعبوں میں بھی اپنے ورثے اور ماضی سے دستبردار ہوکر مغرب کی بالادستی کو قبول کرلیں، مگر قرآن وسنت کا قطعی طور پر محفوظ شدہ ذخیرہ اور ان کی تعبیر و تشریح میں فقہ و کلام اور سیرت و تاریخ پر

ائمۂ عظام، مجتہدین ومحدثین کا عظیم الشان لٹریچر اس راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ اس لئے مسلمانوں کا اس ذخیرۂ علم وعمل سے رشتہ کاٹنا ضروری تھا، اور اسی غرض سے فقہاء کی تقلید کی حجیت واہمیت سے انکار حتیٰ کہ نئی نبوّت تک کا کھڑاک رچانے کے لئے جتن کئے گئے، مگر ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ ''(الحجر) کے ناقابلِ شکست قلعے کی بلندوبالا دیواروں کے ساتھ ٹکرا کر سر پھوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور جب یہ دیکھا کہ فقہ وتفسیر اور حدیث وتاریخ کے عظیم الشان ذخیرے سے الگ کر کے صرف ''قرآنِ کریم'' ہی پر قناعت کے لئے (بالفرض اور خدانخواستہ) مسلمانوں کو تیار کرلیا جائے، تب بھی وہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے جو مسلمانوں کے عقیدہ وایمان اور اعمالِ صالحہ کے مضبوط حصار سے باہر نکالنے کے لئے مغرب نے طے کر رکھے ہیں تو قرآنِ کریم کی ''اِلہامی حیثیت'' کو چیلنج کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا، اور یہ کہا جانے لگا کہ قرآنِ کریم باہر سے ''ڈکٹیٹ'' ہونے والی وحی نہیں ہے، بلکہ غور وفکر کی ایک خاص کیفیت میں خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہونے والا کلام ہے... جیسا کہ اس گروہ کے اصل سرخیل سرسیّد احمد خان نے صراحت کی ہے... یا اگر قرآنِ کریم کی کوئی اِلہامی حیثیت ہے بھی تو اس کے اَحکام وقوانین صرف اس دور کے لئے خاص تھے، جب وہ نازل ہو رہا تھا، اس کے بعد کے ادوار کے لئے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے لکھا ہے کہ:

> ''خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے، لیکن خود قرآن مجید کا قانونی یا قانون نما حصہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح واضح کردیتا ہے کہ اس کا تعلق خاص حالات وکوائف سے ہے۔''
>
> (ماہنامہ ''فکرونظر'' ج:۱، ش:۵، ص:۱۶)

مستشرقین کے اس فکری پروگرام کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے سرسیّد احمد خان سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن تک بیسیوں دانشور میدان میں آئے ہیں، جن میں مرزا غلام احمد

فہرست

قادیانی اور چوہدری غلام احمد پرویز بطورِ خاص قابلِ ذِکر ہیں، ان میں سے ہر ایک کا اُسلوب جدا اور طریقۂ واردات مختلف تھا، مگر بنیادی مقصد سب کا ایک ہی رہا ہے کہ مسلمان معاشرے کو اس کے علمی ماضی اور اِجماعی تعامل کے تسلسل سے کسی نہ کسی طرح کاٹ دیا جائے تاکہ مغربی فلسفہ وتہذیب کے ساتھ اس کا رِشتہ جوڑا جاسکے، مگر وہ اس حقیقت کا اِدراک نہ کرسکے کہ قرآن وسنت اور ان کی اِجماعی تعبیر وتشریح کے تحفظ وبقاء اور مسلم معاشرے میں ان کے عملی تسلسل کا انحصار صرف ظاہری اسباب پر نہیں ہے، بلکہ ان ظاہری اسباب کے پیچھے ''وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ'' کا ایک ''ریموٹ کنٹرول سسٹم'' بھی موجود ہے، جس کو عبور کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

صدر محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں سرکاری طور پر ''اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی'' قائم ہوا تو اس کی سربراہی کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا انتخاب کیا گیا، جو مستشرقین کے ساتھ ساتھ ان مسلمان حکومتوں کے مقاصد واہداف سے بھی ہم آہنگ تھے، جو موجودہ عالمی نظام میں مغرب کے ساتھ ساتھ بلکہ اس کی سرپرستی میں آگے بڑھنا چاہتی ہیں، لیکن سیاست ومعاشرت اور معیشت وعدالت سمیت تمام شعبوں میں مروّجہ عالمی نظام کے ''ایڈجسٹ'' ہونے کے لئے قرآن وسنت کے صریح اَحکام اور اُمت کے چودہ سو سالہ اِجماعی تعامل سے دست برداری ضروری ہے، جب کہ دُوسری طرف دُنیا کے ہر مسلمان ملک میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ عام مسلمانوں کی اکثریت اپنے علمی اور عملی ماضی کے ساتھ اعتقادی بلکہ جذباتی وابستگی رکھتی ہے، اس لئے ان کے سامنے قرآن وسنت کے صریح اَحکام سے انکار ممکن نہیں ہے، اور اس طرح ان حکومتوں کی بھی یہ مجبوری بن چکی ہے کہ وہ مستشرقین اور ان کے پیروکار نام نہاد مسلمان دانشوروں کے دامن میں پناہ لیں تاکہ قرآن وسنت کا ٹائٹل بھی قائم رہے اور دِین کی نئی تعبیر وتشریح، اِجتہادِ نو اور فکری ارتقاء کے خوشنما عنوانات کے ساتھ مغربی فلسفہ ومعاشرت کے اَحکام وقوانین اور روایات واقدار کو مسلم معاشرت کا حصہ بھی بنایا جاسکے۔ چنانچہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن موصوف نے ''اِدارہ تحقیقاتِ

فہرست

اسلامی‘‘ کی سربراہی سنبھالتے ہی اس مشن کا آغاز کردیا اور سرسیّد احمد خان سے غلام احمد پرویز تک اس کنبے کے جتنے دانشور گزر چکے ہیں، ان کے فکر و خیالات کو ایک نئے اور بظاہر علمی انداز میں سرکاری وسائل و ذرائع کے سہارے پیش کرنا شروع کردیا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ان افکار پر ملک کے بہت سے علماء نے قلم اُٹھایا، بلکہ ’’اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی‘‘ کی ان تحریفات پر ملک میں صدر ایوب خان کے خلاف عوامی سطح پر شدید غم و غصّے کا اظہار بھی کیا گیا، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو اس منصب سے الگ کردیا گیا اور وہ پھر اپنی مادرِ فکری و علمی ’’شکاگو یونیورسٹی‘‘ کی پناہ میں واپس چلے گئے، مگر ان کے اَفکار کو جس صاحبِ قلم دانشور اور محقق عالمِ دِین نے پوری طرح بے نقاب کیا، اور علم و تحقیق اور تجزیے کے ذریعے اس فکر کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے، ان کا نامِ نامی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہے! جنھوں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریروں کو کھنگالا اور ملک کے دِینی جرائد و رسائل کے ذریعے اس اِلحاد و زَندقے کو ملک کے اہلِ علم و دِین کے سامنے آشکار کردیا۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ جیسی عبقری شخصیت کی نظرِ انتخاب ان پر پڑی اور ماموں کانجن کی ایک دِینی درس گاہ میں طلبہ کو نبوی علوم کا درس دینے والا ایک مدرّس اس ’’پارس‘‘ کو چھوتے ہی سونا بلکہ کندن بن گیا، اور آج پورا ملک سوگواری کے عالم میں حیران و پریشان ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے دِینی جد و جہد کے جن مختلف میدانوں کو اپنی جولان گاہ بنا رکھا تھا، اور ہر شعبے میں ان کی تگ و تاز کو قائدانہ حیثیت حاصل تھی ان میں سے کون سے شعبے میں ان کے خلا کو پُر کیا جاسکے گا...؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اپنے عظیم اسلاف کی طرح مختلف حیثیتوں کے جامع تھے، وہ ایک مدرّس، عالم تھے جنھوں نے ساری زندگی درس و تدریس میں بسر کی اور ہزاروں تشنگانِ علوم کو فیضیاب کیا۔ وہ ایک عارف باللہ تھے جن کی صحبت میں بیٹھ کر ہزاروں مسترشدین نے اپنے دِلوں کے زنگ کو دھویا۔ وہ وعظ و نصیحت اور اخلاق و آداب کی دُنیا میں ایک عظیم رہبر تھے، جن کی تحریر و تقریر کا بڑا حصہ پند و نصائح اور اخلاقی تربیت پر

فہرست

مشتمل ہوتا تھا۔ وہ ایک بلند پایہ مفتی اور فقیہ تھے، جن سے ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے اپنے روزمرہ مسائل میں راہنمائی حاصل کی۔ وہ ایک ممتاز صحافی اور قلمکار تھے، جن کی تحریریں دِینی جرائد ورسائل کے ساتھ ساتھ قومی اخبارات کے لئے بھی باعثِ زینت وافتخار ہوا کرتی تھیں۔ مگر میرے نزدیک ان کی سب سے نمایاں اور ممتاز حیثیت فتنوں کے تعاقب میں ہر وقت مصروف رہنے والے ایک مجاہد عالم کی تھی، جنھوں نے آج کے دور میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا پرچم مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور جو بلاشبہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا مصداق تھے کہ:

"رجل آخذ بعنان فرسه خلف اعداء الله تعالیٰ یخیفهم و یخیفونه۔"

فتنوں کے دور میں ایمان کی حفاظت وہی شخص کر سکے گا جو اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں کے ساتھ گھوڑے کی لگام تھامے ہر وقت برسرِ پیکار رہے گا۔ مولانا لدھیانوی شہیدؒ کا گھوڑا "علم" تھا، ان کی لگام "قلم" تھا، جو ہر وقت ان کے ہاتھ میں رہا اور دِین اور اہلِ دِین کے ساتھ ساتھ ان کے اِجماعی فہم وتعامل سے اِنحراف کی آواز لگانے والا کوئی شخص بھی ان کے وار سے بچ نہ سکا۔

فہرست

قرآنِ کریم کی "اِلہامی حیثیت" اور "دائمی اَحکام" سے انکار کا مسئلہ پیدا ہو، حدیث وسنت کی حجیت سے اِنکار کی بات ہو، صحابہ کرامؓ کے ایمان ودیانت اور ان کی عدالت ومعیاریت پر مختلف جہات سے کئے جانے والے حملے ہوں، یا ختمِ نبوّت کے مسلمہ عقیدے سے اِنحراف کی تحریکات ہوں، ائمہ ومجتہدین کے اعتماد کو مجروح کرنے والی فکری نقب زنی ہو، یا اُمتِ مسلمہ کے چودہ سو سالہ اِجماعی علمی وعملی تسلسل سے مسلمانوں کا ذہنی رِشتہ منقطع کرنے کی کوشش ہو، مستشرقین کے زہر آلود افکار ونظریات سے پڑھے لکھے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کا مرحلہ ہو، یا عرف وتعامل کے نام پر بدعات ورِواجات کو دِین کا حصہ بنانے کی نامبارک مساعی ہوں، ہر محاذ پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

علم ودانش، جرأت اور قلم کے ہتھیاروں سے مسلح میدان میں کھڑے مختلف حریفوں کو بیک وقت للکارتے نظر آتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے تو میرے خیال میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس ''حذیفی محاذ'' پر کام کرنے والے علماء، دانشوروں اور اہلِ قلم کے لئے کم ازکم برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش کے خطے میں وہ گزشتہ رُبع صدی کے دورانیہ میں فکری راہنما اور اِمام کی حیثیت اختیار کرگئے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی تصانیف میں ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' اور ''دورِ حاضر کے تجدد پسندوں کے اَفکار'' کو دیکھ کر ان کی اس جدوجہد کی جامعیت کا ایک حدتک اندازہ ہوجاتا ہے۔ (مولانا زاہد الراشدی)

فِرَقِ باطلہ کے خلاف قلمی جہاد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو گمراہی سے بچانے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے کے لئے انبیائے کرام اور رسول بھیجنے کا مبارک سلسلہ شروع فرمایا، اور کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دُنیا میں مبعوث فرمائے۔ چنانچہ اس سلسلے کی اِبتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اور اس کی تکمیل آقائے دوعالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے کی گئی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت ورِسالت کا سلسلہ منقطع کردیا گیا تو اِنسانیت کی ہدایت وراہنمائی، اُنہیں اغوائے شیطانی سے بچانے اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے یہ ذمہ داری وارثانِ علومِ نبوّت حضرات علمائے کرام کے کاندھوں پر ڈالی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُنیا سے تشریف بَری کو چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود علمائے اُمت نے اپنے اس فریضے میں ذرّہ بھر کوتاہی نہیں کی۔ جن خوش نصیب اکابر علماء وصلحاء نے اپنا چین وسکون اور راحت واطمینان کو تج کر اُمتِ مرحومہ کو اغوائے شیطانی سے بچائے رکھا، اسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی ہر ممکن

کوشش کی، اور دِینِ اسلام کے نام پر بے دِینی کے ہر حربے کو ناکام بنانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، ان میں ہمارے اس دور کے مجدد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی ہیں، جنہوں نے دِینِ اسلام کے صاف وشفاف چہرے پر کسی قسم کے گرد وغبار کو کبھی برداشت نہیں کیا، بلکہ جہاں کہیں انہیں معلوم ہوا کہ دِین کے نام پر بے دینی، اسلام کے نام پر کفر، سنت کے نام پر بدعات ورُسومات اور ذاتی آرا کو مذہب کا نام دیا جارہا ہے، ان کا قلم فوراً حرکت میں آیا اور بلا خوف ''لومۃ لائم'' انہوں نے اس کا تعاقب کیا اور اُمت کے سامنے اسلام کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرکے ان شیطانی حربوں کو ناکام بنایا۔

یوں تو حضرت شہیدؒ نے ہر میدان میں قائدانہ کردار ادا فرمایا، مگر دورِ حاضر کے فتنوں کے تعاقب اور مسلکِ اعتدال مسلکِ علمائے دیوبند کی نشاندہی میں انہوں نے جس طرح بےنظیر خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ قادیانیت اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن فتنے کی تردید میں آپؒ کی خدمات کا اس اشاعت میں کسی قدر تعارف آگیا ہے۔ ذیل میں اس صدی کے دُوسرے فتنوں کے تعاقب اور مسلکِ اِعتدال سے اِنحراف کرنے والوں کے خلاف حضرت شہیدؒ کے اشہب قلم کے چند مختصر نمونے پیش خدمت ہیں:

رافضیت:... اس عنوان پر حضرت شہیدؒ نے بہت کچھ لکھا ہے، خصوصاً ''شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم''، ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' اور دُوسرے متعدّد مقالات ومضامین، مطبوعہ وغیر مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، یہاں تفصیلات کی گنجائش نہیں، تاہم نمونے کے لئے چند اِقتباسات پیش خدمت ہیں:

''...... یہ تو آپ کو اور ہر مسلمان کو علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بابرکت دور میں اُمت میں نظریاتی اختلاف کا کوئی وجود نہیں تھا، بلکہ پوری اُمتِ اسلامیہ اِختلاف کی وبا سے محفوظ اور کفر کے مقابلے میں یک جان اور یک قالب تھی۔ نظریاتی اِختلاف کی اِبتدا پہلی بار سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کے آخری زمانۂ خلافت میں ہوئی اور یہی شیعہ مذہب کا نقطۂ آغاز تھا۔ پہلے پہل اس کی بنیاد بہت سادہ سی تھی، یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز وقریب ہیں، اس لئے وہی آپ کی خلافت وجانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ نظریہ بظاہر سادہ اور خوش نما ہونے کے باوجود اسلام کی دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تعلیم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسلام نے نسلی امتیاز اور خاندانی غرور کے سارے بتوں کو پاش پاش کر کے عزّت وشرافت اور سیادت وبزرگی کا مدار ''تقویٰ'' پر رکھا تھا، اور تقویٰ کی صفت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سرتاج تھے...... یہ تھی وہ غلط بنیاد جس پر شیعہ نظریات کی عمارت کھڑی کی گئی۔ ان عقائد ونظریات کے اوّلین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے۔ (عبداللہ بن سبا اور اس کے رُفقاء) جو اِسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہو گئے تھے، انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رُخ موڑنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زہریلے نظریات کا بیج بوکر اُمتِ اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے، جب مسلمان آپس میں دست وگریباں ہوں گے تو ان میں کفر کو للکارنے کی تب وتاب باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ انہوں نے ''حُبِ علی'' کے خول میں مکروہ ترین عقائد بھر کر نظریاتی اختلاف کا ہائیڈروجن بم اسلام کے مرکز پر گرادینا چاہا۔ اگر اِسلام خدا تعالیٰ کا آخری دِین نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کی حفاظت کا وعدہ نہ فرمایا ہوتا تو قریب تھا کہ اسلامی قلعہ بھک سے اُڑ جاتا، اور جس طرح سینٹ پال یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دِین کو مسخ کردیا تھا، اسی طرح یہودی سازش اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں بھی کامیاب ہوجاتی۔ لیکن صحابہؓ وتابعینؒ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شدّت سے اس فتنے کی سرکوبی کی، نتیجہ یہ کہ شیعہ عقائد ونظریات ''تقیہ'' کا نقاب اوڑھنے پر مجبور ہوگئے..... ''شیعہ امامیہ'' یا ''شیعہ اثناء عشریہ'' کے عقائد کی تفصیل کا اس وقت موقع نہیں، البتہ ان کے چند اُصول حسبِ ذیل ہیں:

ا:... نظریۂ اِمامت:... شیعہ مذہب کی اصل الاصول بنیاد ''عقیدۂ اِمامت''

فہرست

ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیائے کرام کو مبعوث کیا جاتا تھا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِماموں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائے گا۔ وہ شیعہ عقیدے میں نبی کی طرح ہر غلطی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں، ان پر وحی نازل ہوتی ہے، ان کی اِطاعت ہر بات میں نبی کی طرح فرض ہے، وہ نبی کی طرح اَحکامِ شریعت نافذ کرتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قرآنِ کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کرسکتے ہیں۔ گویا اسلامی عقیدے میں جو مفہوم، جو حیثیت اور جو مرتبہ ایک مستقل صاحبِ شریعت نبی کا ہے، ٹھیک وہی مفہوم، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک ''اِمامِ معصوم'' کا ہے۔

شیعوں کا یہ ''نظریۂ اِمامت'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک جن جن لوگوں نے نبوّت و رِسالت کے جھوٹے دعوے کئے، انہوں نے اپنے دعووٴں کا مسالہ شیعوں کے ''نظریۂ اِمامت'' ہی سے مستعار لیا۔

میں شیعہ کے ''نظریۂ اِمامت'' پر جتنا غور کرتا ہوں، میرے یقین میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ضرب لگانے اور اُمت میں جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے دعویٔ نبوّت واِمامت کا چور دروازہ کھولنے کے لئے گھڑا۔ غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ صدیوں کا طویل عرصہ گزرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہادی مبعوث نہیں کیا جاتا، اِدھر جب ختمِ نبوّت کا آفتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت تک کی ساری دُنیا کو منوّر کرنے کے بعد رُخصت ہوتا ہے تو شیعہ عقیدے کے مطابق خدا ایک دِن تو کیا ایک لمحے کا وقفہ بھی نہیں کرتا، بلکہ فوراً ایک ''اِمامِ معصوم'' کو کھڑا کرکے اسے شریعتِ محمدیہ کے حلال وحرام کو بدلنے اور قرآن کو منسوخ کرنے کے اختیارات دے دیتا ہے۔ جس کے نزدیک اسلام مٹنے، بدلنے اور مسخ ہونے کے لئے نہیں، بلکہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں باقی

فہرست

رہنے اور چمکنے کے لئے آیا ہو، وہ شیعوں کے ''نظریۂ اِمامت'' کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت کرسکتا ہے...؟

۲:...شیعوں کا دُوسرا سب سے بڑا اُصول صحابہ کرامؓ سے بغض وعداوت ہے۔ شیعوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ کرامؓ جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی (جن میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں) وہ...نعوذ باللہ!...اس فعل کی وجہ سے سب کے سب کافر اور مرتد ہوگئے تھے، کیونکہ انہوں نے ''اِمامِ معصوم'' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، اور چونکہ تینوں خلفاء کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمانوں کو اپنی بیعت کی دعوت نہیں دی، بلکہ خود ان تین حضرات کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، اس لئے شیعہ صاحبان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی خفا ہیں۔

فہرست

شیعوں کا یہ نظریہ جس قدر باطل اور غلط ہے، اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں! اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دُنیا میں تشریف لانا ...نعوذ باللہ!...بالکل لغو، بے کار اور بے سود ثابت ہوا۔ اسلام کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ قیامت تک انسانیت کی راہنمائی کے لئے آیا ہے، مگر شیعہ عقیدہ یہ کہتا ہے کہ بالکل غلط! اسلام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک دِن بھی آگے نہیں چلا، بلکہ وہ پوری کی پوری جماعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار کی تھی، اور جن کو اپنے درمیان اور آنے والی اُمت کے درمیان واسطہ بنایا تھا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دِن ہی...نعوذ باللہ!...مرتد ہوگئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب اسلام کی نفی کا نام ہے، یعنی اگر شیعہ عقیدہ صحیح ہے تو اِسلام...معاذ اللہ!...غلط ہے، اور اگر اِسلام حق ہے تو شیعہ مذہب کے غلط اور باطل ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہونا چاہئے!...۔

بہرحال! شیعوں کا نظریۂ اِمامت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے

خلاف ایک بغاوت تھا، تو ان کا ”نظریۂ تبرا“ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے، اور کوئی شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان رکھتا ہو، یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی پوری جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی... نعوذ باللہ!... گمراہ اور مرتد ہوگئی تھی۔

۳:... شیعوں کا تیسرا عقیدہ اوّل الذکر دونوں عقیدوں سے بدتر، مگر دو دونی چار کی طرح اوّل الذکر دو عقیدوں کا لازمی نتیجہ ہے، اور وہ ہے تحریفِ قرآن...! مسلمان تو مسلمان آج تک کسی بد سے بدتر کافر کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی (اور نہ بقائمی عقل وخرد کوئی اس کی جرأت کرسکتا ہے) کہ مسلمانوں کے پاس ”قرآن مجید“ کے نام سے جو مقدس کتاب محفوظ چلی آتی ہے، اور جس کے ہر زمانے میں ہزاروں نہیں، لاکھوں حافظ موجود رہے ہیں، وہ ٹھیک وہی کتاب نہیں جو مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ لیکن آفرین ہے شیعہ مذہب کے موجدوں کو...! انہوں نے یہ عقیدہ بھی شیعوں سے منوالیا۔ شیعہ مذہب کہتا ہے کہ قرآنِ کریم جو موجودہ شکل میں مسلمانوں کے پاس ہے یہ وہ اصل قرآن نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا، بلکہ یہ ”صحیفہ عثمانی“ ہے، ”اصلی تے وڈّا قرآن“ (اصلی اور بڑا قرآن) بارھویں اِمام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے۔ شیعوں کا یہ ایسا عقیدہ ہے کہ سوائے دو چار کے ان کے تمام اِمام، مجتہد اور علماء اس کو مانتے آئے ہیں، اور ان کی کتابوں میں ان کے ”معصوم اِماموں“ کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں اس پر متفق ہیں، اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا! کیونکہ جب شیعوں کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد... معاذ اللہ!... سارے صحابہ کرامؓ مرتد ہوگئے تھے تو ان کے ذریعے سے حاصل شدہ قرآنِ کریم پر اِیمان کیسے ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جن دو چار شیعہ علماء نے یہ کہا کہ قرآن صحیح سالم محفوظ چلا آیا ہے، ان کو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی عظمت وبزرگی پر اِیمان لانا پڑا۔ گویا شیعہ مذہب کی صداقت پر اِیمان رکھتے ہوئے کوئی شخص قرآن پر اِیمان لا ہی نہیں سکتا، اور نہ کسی شیعہ کا قرآنِ کریم پر اِیمان لانا ممکن ہے...!

فہرست

شیعوں کے عقائد ونظریات اور بھی بہت ہیں، مگر میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، صرف انہی تین عقیدوں پر غور کر کے دیکھا جاسکتا ہے کہ شیعہ مذہب کو اِسلام سے کیا نسبت ہے...؟'' (''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصہ اوّل، ص:۱۶-۳۲)

غیر مقلدیت:... اس عنوان پر حضرت شہیدؒ کی تصنیف ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصہ دوم کے علاوہ متعدّد مقالات ومضامین بھی ہیں، یہاں قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے چند بہت مختصر اِقتباسات پر اِکتفاء کیا گیا ہے۔

''...۔حنفی وہابی اختلاف دو قسم کا ہے۔ ایک تو چند فروعی مسائل کا اختلاف ہے، مثلاً نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہئے؟ رفع یدین کیا جائے یا نہیں؟ آمین اُونچی کہی جائے یا آہستہ؟ اِمام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں؟ وغیرہ۔

ان مسائل کی تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو، میں ان کو فروعی اِختلاف سمجھتا ہوں، اور دونوں فریقوں میں سے جس کی جو تحقیق ہو، اس کے لئے اسی پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اہلِ حدیث حضرات ہمارے اِمام ابوحنیفہؒ کی تحقیق پر مطمئن نہیں تو انہیں اس پر کیوں مجبور کیا جائے؟ اسی طرح اگر ہمارے نزدیک اہلِ حدیث حضرات کی تحقیق لائقِ اطمینان نہیں تو کوئی ضروری نہیں کہ ہم ان کی تحقیق پر ہی عمل کریں۔ جیسا کہ میں پہلے بتاچکا ہوں کہ یہ فروعی اختلافات حضراتِ صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ اور ائمۂ ہدیٰ کے درمیان بھی رہے ہیں، اور یہ اِختلاف اگر اپنی حد کے اندر رہے تو سراپا رحمت ہے کہ اُمت کے کسی نہ کسی فرد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کو کسی نہ کسی شکل میں محفوظ کردیا ہے۔ لیکن میں ان مسائل میں تشدّد کو رَوا نہیں سمجھتا، جس کے ذریعے ایک فریق دُوسرے فریق کے خلاف زبانِ طعن دراز کرے، اور ان فروعی مسائل کی بنا پر ایک دُوسرے کو گمراہ بتایا جائے۔ اس تشدّد کے بعد یہ اِختلاف رحمت نہیں رہے گا، بلکہ زحمت بن جائے گا، اور اُمت کی عملی قوتیں ان فروعی مسائل میں خرچ ہوکر ختم ہوجائیں گی۔ ہر ایک چیز اپنی

فہرست

حد کے اندر رہے تو اچھی لگتی ہے، اور جب اپنی حد سے نکل جائے تو وہ مذموم بن جاتی ہے، یہی حال ان فروعیات کا ہے...!

حنفی، وہابی اختلاف کی دُوسری قسم وہ ہے جس کو میں ''نظریاتی اختلاف'' سمجھتا ہوں، اور اس میں میری رائے اہلِ حدیث حضرات (جن کو آپ نے ''وہابی'' لکھا ہے، اور عام طور پر انہیں ''غیر مقلد'' کہا جاتا ہے) کے ساتھ متفق نہیں، بلکہ میں ان کے موقف کو غلط سمجھتا ہوں۔ اُصولی طور پر یہ اختلاف دو نکتوں میں ہے: اوّل یہ کہ اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک کسی مُعَیَّن اِمام کی اِقتدا نہیں کرنی چاہئے، بلکہ ہر شخص کو قرآن و حدیث سے جو بات سمجھ آئے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ مسئلہ ''تقلید اور ترکِ تقلید'' کے عنوان سے مشہور ہے جو ایک بہت ہی معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، اور جس پر دونوں طرف سے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، مگر میں اس سلسلے میں چند معروضات پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں:

ا:... تقلید کے معنی ہیں: ''کسی لائقِ اِعتماد آدمی کی بات کو بغیر مطالبۂ دلیل، تسلیم کرلینا۔'' جس آدمی کی بات مانی جارہی ہے، اگر وہ سرے سے لائقِ اعتماد نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی بات ماننا ہی غلط ہوگا، اور اگر وہ اپنے فن کا ماہر ہے تو ایک عامی آدمی کا اس سے دلیل کا مطالبہ کرنا غلط ہوگا۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ آپ کسی طبیب یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور وہ آپ کے لئے کوئی نسخہ تجویز کرتا ہے، اگر وہ طبیب اپنے فن کا ماہر ہی نہیں بلکہ محض عطائی ہے تو آپ کا اس کے پاس تشریف لے جانا ہی غلط ہوگا! اور اگر وہ اپنے فن کا مستند ماہر ہے تو اس کے تجویز کردہ نسخے کی ایک ایک چیز کے اجزاء کے بارے میں آپ کا بحث کرنا اور ایک ایک بات کے لئے دلیل کا مطالبہ کرنا قطعاً نادُرست اور ناروا ہوگا...!

وجہ یہ کہ ایک عامی آدمی کسی ماہر کے پاس جاتا ہی اس وقت ہے جب وہ مسئلہ اس کی عقل و فہم کی سطح سے اُونچا ہو۔ ٹھیک اسی طرح دِین و شریعت کا معاملہ سمجھنا چاہئے! پس دِین کے وہ مسائل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر چلے آرہے ہیں اور جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ دِین کا مسئلہ یہ ہے، اس کے بارے میں کسی مسلمان کو نہ کسی عالم کے پاس جانے

کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کوئی جاتا ہے۔ دِینی مسائل میں اہلِ علم کی طرف رُجوع کی ضرورت اسی وقت لاحق ہوتی ہے جب کہ ہم ایسے عامی لوگوں کی ذہنی سطح سے وہ مسئلہ اُونچا ہو۔ ایسی حالت میں دو صورتیں ممکن ہیں: ایک تو یہ کہ ہم خود قرآن وحدیث کھول کر بیٹھ جائیں اور ہماری اپنی عقل وفہم میں جو بات آئے اسے ''دِین'' سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگیں۔ اور دُوسری صورت یہ ہے کہ جو حضرات قرآن وسنت کے ماہر ہیں ان سے رُجوع کریں اور انہوں نے اپنی مہارت، طویل تجربے اور خداداد بصیرت سے قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر اعتماد کریں۔ پہلی صورت خودرائی کی ہے اور دُوسری صورت کو ''تقلید'' کہا جاتا ہے، جو عین تقاضائے عقل وفطرت کے مطابق ہے...!

ماہرینِ شریعت کی تحقیقات سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ایک ایک مسئلے کے لئے قرآن وحدیث میں غور کرنے والے عامی شخص کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص بہت سی پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہوجائے اور ماہرینِ فن سے رُجوع کرنے کو بھی اپنی کسرِشان سمجھے، اور اس مشکل کا حل وہ یہ تلاش کرے کہ طب کی مستند اور اچھی اچھی کتابیں منگواکر ان کا مطالعہ شروع کردے، اور پھر اپنے حاصلِ مطالعہ کا تجربہ خود اپنی ذات پر کرنے لگے۔ مجھے توقع ہے کہ اوّل تو کوئی عقل مند ایسی حرکت کرے گا نہیں، اور اگر کوئی شخص واقعی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ ماہرینِ فن سے رُجوع کئے بغیر اپنے پیچیدہ امراض کا علاج اپنے مطالعے کے زور سے کرسکتا ہے تو اسے صحت کی دولت تو نصیب نہیں ہوگی، البتہ اسے اپنے کفن دفن کا انتظام پہلے سے کر رکھنا چاہئے! پس جس طرح طب میں خودرائی آدمی کو قبر میں پہنچا کر چھوڑتی ہے، اسی طرح دِین میں خودرائی آدمی کو گمراہی اور زَندقے کے غار میں پہنچا کر آتی ہے...! یہی وجہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے گمراہ اور ملحد فرقے ہوئے، ان سب نے اپنی مشق کا آغاز اسی خودرائی اور ترکِ تقلید سے کیا۔ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اس خودرائی اور ترکِ تقلید کا ماتم کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھتے ہیں:

''پچیّس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی

ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اِسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و اِرتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دِین داروں کے بے دِین ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہِ اہلِ حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہوکر ترکِ مطلق تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں! اس گروہ کے عوام آزاد اور خودمختار ہوتے جاتے ہیں۔''

(اشاعت السنۃ نمبر ۴ ج ۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

اس لئے ہم کہیں گے کہ اگر وہ واقعی قرآن وحدیث کا ماہر ہے، اور اس کا فہمِ قرآن وحدیث حجت ہے، تو اس کو کسی اِمام کی تقلید کی ضرورت ہی نہیں، یہ خود مجتہدِ مطلق ہے۔ اور اگر وہ قرآن وحدیث کا ماہر نہ ہونے کے باوجود اپنی عقل وفہم کو معیار بناتا ہے تو پھر اس خودرائی کا شکار ہے جو اس کے دِین کے لئے مہلک ہوسکتی ہے۔

اہلِ حدیث حضرات کا مولد ومنشا غیر منقسم ہندوستان ہے، چونکہ یہاں پہلے سے حنفی مذہب رائج تھا، اس لئے ان کے اِعتراضات کا اوّل وآخر نشانہ حنفی مذہب بنا۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ انہوں نے حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کی کسرِ شان میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اگرچہ اہلِ حدیث کا بہت سا سنجیدہ طبقہ، خصوصاً ان کے اکابر وبزرگ حضرتِ اِمامؒ کی بے ادبی کو رَوا نہیں سمجھتے، مگر ان کا نوعمر، خام علم اور خام فہم طبقہ ''عمل بالحدیث'' کے معنی ہی حضرتِ اِمامؒ کی بے ادبی وگستاخی کرنے کو سمجھتا ہے...!

میں ان حضرات کے اس طرزِ عمل کو خود ان کے حق میں نہایت خطرناک سمجھتا ہوں، کیونکہ حضرتِ اِمامؒ کی بلندیٔ شان کے لئے یہی کافی ہے کہ مجدّد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی... رحمہما اللہ... جیسے اکابر ان کے مقلد ہوئے ہیں، اس لئے چند ''خوش فہم'' لوگوں کی تنقید سے حضرتِ اِمامؒ کی بلندیٔ مرتبت میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا،

فہرست

البتہ سلف صالحین اور خاصانِ خدا کی اہانت کرنے پر خدا تعالیٰ کا جو وَبال نازل ہوا کرتا ہے، وہ ان حضرات کے لئے خطرے کی چیز ضرور ہے...!

اہلِ حدیث حضرات کے نظریاتی اختلاف کا دُوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ حضرات بعض اوقات شوقِ اِجتہاد میں ''اِجماعِ اُمت'' سے بھی بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ یہاں اس کی دو مثالیں عرض کرتا ہوں:

اوّل:... آپ کو معلوم ہوگا کہ بیس رکعت تراویح کا دستور مسلمانوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے اور چاروں اَئمہ دِین بھی اس پر متفق ہیں۔ لیکن اہلِ حدیث حضرات اس کو بلاتکلف ''بدعت'' کہہ دیتے ہیں، اور اس مسئلے میں، میں نے بعض حضرات کو اپنے کانوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نارَوا الفاظ کہتے سنا ہے۔

دوم:... دُوسرا مسئلہ تین طلاق بلفظِ واحد کا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک لفظ یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو تین ہی طلاقیں شمار ہوں گی۔ یہ فتویٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا اور تمام صحابہؓ و تابعینؒ نے اس فتوے کو قبول کیا، مجھے کسی صحابی و تابعی کا علم نہیں جس نے اس فتوے سے اختلاف کیا ہو۔ یہی مذہب اَئمہ اَربعہ کا ہے، (جن کے اتفاق کو میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے اِجماعِ اُمت کی علامت بتاچکا ہوں)، لیکن اہلِ حدیث حضرات بڑی جرأت سے ایسی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ مجھے یہاں ان دونوں مسائل میں ان کے شبہات سے بحث نہیں، بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ حضرات ان دونوں مسائل میں اِجماعِ اُمت سے ہٹ کر شیعوں کے نقشِ قدم پر ہیں اور حضراتِ خلفائے راشدینؓ کی پیروی کا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو دیا تھا، اس کا رِشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔

میں اس تصور کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، اَئمہ ہدیٰ اور اَکابرِ اُمت نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا، اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے

فہرست

لوگوں کی رائے ان اکابر کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔...نعوذ باللہ...!''

(''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصہ اوّل، ص:۲۶-۳۵)

بریلویت:... بریلوی کوئی مذہب نہیں، بلکہ بدعات ورُسومات کا ملغوبہ، دِین وشریعت، قرآن وسنت اور فقہائے اُمت کی تصریحات کے مقابلے میں اپنی ذاتی آرا کا مجموعہ ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اس پر نہایت جاندار گرفت فرمائی ہے، قرآن وسنت اور فقہائے اُمت کی تصریحات کی روشنی میں اس مذہب کا حدودِ اربعہ متعین فرمایا ہے۔ ذیل میں ان کے چند عقائد کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے:

''......شیعہ سنی اِختلاف تو صحابہ کرامؓ کو ماننے یا نہ ماننے کے مسئلے پر پیدا ہوا، اور حنفی وہابی اِختلاف ائمۂ ہدیٰ کی پیروی کرنے نہ کرنے پر پیدا ہوا، لیکن ''دیوبندی بریلوی اختلاف'' کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دونوں فریق اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ٹھیٹھ مقلد ہیں۔ عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی...رحمہا اللہ...کو اِمام ومقتدا مانتے ہیں۔ تصوف وسلوک میں دونوں فریق اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں: قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی میں بیعت کرتے کراتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان مجھے اختلاف کی کوئی صحیح بنیاد نظر نہیں آتی ......تاہم میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ان کے درمیان چند اُمور میں اختلاف ہے، اس لئے میں کسی فریق کا نام لئے بغیر، قرآن وسنت اور فقہِ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں ان کے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

ان دونوں کے درمیان جن نکات میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

۱:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر؟

۲:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یا نہیں؟

۳:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟

۴:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کُل ہیں یا نہیں؟ یعنی اس کائنات کے تمام

اختیارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں ہیں یا اللہ کے قبضے میں؟

ان مسائل میں جس فریق کا عمل قرآنِ کریم، اِرشاداتِ نبوی، تعاملِ صحابہؓ اور فقہِ حنفی کے مطابق ہوگا، میں اسے حق پر سمجھتا ہوں، اور دُوسرے کو غلطی پر...... اب میں نہایت اختصار کے ساتھ متنازع فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتا ہوں:

۱۔ نور اور بشر:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لحاظ سے نہ صرف نوعِ بشر میں داخل ہیں، بلکہ افضل البشر ہیں، نہ صرف انسان ہیں، بلکہ نوعِ انسان کے سردار ہیں، نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، بلکہ آدم علیہ السلام و اولادِ آدم کے لئے سرمایۂ صد افتخار ہیں۔ خود اِرشادِ نبوی ہے: ''انا سید ولد اٰدم یوم القیامۃ'' (مشکوٰۃ ص:۵۱۳) ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دِن!''

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر، اِنسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طرۂ افتخار ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے سے انسانیت و بشریت رشکِ ملائکہ ہے۔

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفتِ ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لئے مینارۂ نور ہیں۔ یہی ''نور'' ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے، اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی۔ لہٰذا میرے عقیدے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور میرے نزدیک نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دُوسرے کا اثبات غلطی ہے۔

''بشر'' اور ''اِنسان'' دونوں ہم معنی لفظ ہیں، اور بشریت کی نفی کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو... نعوذ باللہ!... دائرۂ اِنسانیت سے خارج کرنا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم میں سینکڑوں جگہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بنی نوعِ انسان میں سے ہونے کی

صراحت کی گئی ہے۔ ادھر تمام اہلِ سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ صرف نوعِ انسان ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے، اہلِ سنت کے عقائد کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نسفی'' میں رسول کی تعریف کی گئی ہے:

''إنسان بعثه الله لتبليغ الرسالة والأحكام''

ترجمہ:... ''رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے پیغامات واَحکام بندوں تک پہنچانے کے لئے کھڑا کرتا ہے۔''

اور فقہِ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری (ج:۲ ص:۲۶۳) میں ''فصول عمادیہ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''جو شخص کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن، وہ مسلمان نہیں۔'' الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انسان اور بشر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی شخص بشرطِ سلامتیٔ عقل ہرگز اِنکار نہیں کرسکتا...!

بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور میں سے نور تھے، جو لباسِ بشریت میں جلوہ گر ہوئے'' اور بعض کہتے ہیں کہ ''احد'' اور ''احمد'' میں صرف ''میم'' کا پردہ ہے... نعوذ باللہ!... یہ بعینہٖ وہی عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں کہ وہ خدا تھے جو لباسِ بشریت میں آئے، اسلام میں ایسے لغو اور باطل عقائد کی کوئی گنجائش نہیں، خدا کو اور بندۂ خدا کو ایک کہنا، اس سے زیادہ لغو اور بیہودہ بات اور کیا ہوسکتی ہے...؟ پہلی اُمتوں نے اسی قسم کے غلوّ سے اپنے دِین کو برباد کیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے بارے میں بھی اسی غلوّ کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ: ''میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کیجیو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا بناڈالا، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہیو (صلی اللہ علیہ وسلم)۔'' (صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۰۹)

اس ارشادِ مقدس کی روشنی میں میرا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

کمالات وخصوصیات میں تمام کائنات میں سب سے اعلیٰ واشرف اور یکتا ہیں، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل نہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال انسان ہیں، خدا نہیں! یہی اسلام کی تعلیم ہے اور اسی پر میرا ایمان ہے...!

۲-عالم الغیب:... میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہ‘ نے وہ علوم عطا کئے جو کسی مقدّس نبی اور کسی مقرّب فرشتے کو عطا نہیں کئے گئے، بلکہ تمام اوّلین وآخرین کے علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ‘ کی ذات وصفات، گزشتہ وآئندہ کے بے شمار واقعات، برزخ اور قبر کے حالات، میدانِ محشر کے نقشے، جنت ودوزخ کی کیفیت، الغرض! وہ تمام علوم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شایانِ شان تھے، وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے، اور ان کا اندازہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں! اسی کے ساتھ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علومِ مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں، یہی حیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی حق تعالیٰ کے علمِ محیط کے مقابلے میں ہے! صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

> ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی ہے جو اس چڑیا نے اس دریا سے کم کیا ہے۔“ (ج:۲ ص:۶۸۸)

اور یہ مثال بھی محض سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اللہ تعالیٰ کے غیر محدود علم کے ساتھ کیا نسبت...! (حاشیہ صحیح بخاری، ج:۱ ص:۴۸۲) یہی سبب ہے کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ ”عالم الغیب“ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت کے طور پر ذِکر کیا گیا ہے، اور بہت سی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ”عالم الغیب“ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

فہرست

بیسویں پارے کی اِبتدا میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفاتِ اُلوہیت ذِکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا:

''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾'' (النمل)

ترجمہ:... ''فرمادیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوق بھی موجود ہے، ان میں سے کوئی غیب نہیں جانتا، اللہ کے سوا، اوران کو خبر نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔''

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ مضمون ارشاد ہوا ہے، ان آیات واحادیث کو نقل کیا جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی کافی نہیں ہوگی، اور ہمارے تمام اَئمۂ اہلِ سنت اور اَئمۂ اَحناف کا یہی مسلک ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو ''عالم الغیب'' کہنا صحیح نہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا'' (صحیح بخاری، مشکوٰۃ شریف ص:۵۰۱)۔

اور فقہِ حنفی کی مشہور کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ: ''جس شخص نے کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا، اور یہ کہا کہ ''ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں'' تو وہ کافر ہوجائے گا۔'' (فتاویٰ عالمگیری ج:۲ ص:۲۶۶)

اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''عالم الغیب'' سمجھا، اور ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان برحاشیہ عالمگیری ج:۱ ص:۳۳۴، البحرالرائق ج:۳ ص:۸۸)

بعض لوگ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں!'' ایسا کلمۂ کفر سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں...! دراصل یہ مسکین یہی نہیں جانتے کہ ''علمِ غیب'' کسے کہتے ہیں؟ ہمارے اَئمۂ اَحناف

فہرست

کی مشہور تفسیر ''مدارک'' میں لکھا ہے:

ترجمہ:... ''یعنی ''غیب'' ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن پر کوئی دلیل قائم نہیں، اور نہ کسی مخلوق کو ان کی اطلاع ہے۔''

پس جن اُمور کا علم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بذریعۂ وحی عطا کردیا جاتا ہے، یا جو چیزیں اولیائے کرام کو بذریعۂ اِلہام یا کشف معلوم ہوجاتی ہیں، ان پر ''غیب'' کا اطلاق نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علومِ مبارکہ اس قدر ہیں کہ ان کی وسعت کا اندازہ کسی انسان، کسی جِنّ اور کسی فرشتے کو نہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، لیکن نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم، علمِ اِلٰہی کے مساوی ہیں، اور نہ قرآنِ کریم، حدیثِ نبوی اور فقہِ حنفی کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ''عالمِ غیب'' کہنا صحیح ہے...!''

(''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصہ اوّل، ص:۷۳-۴۲)

فہرست

فتنۂ مودودیت:... مودودیت کوئی دِین و مذہب نہیں، بلکہ ایک سیاسی تحریک ہے، مگر آزادیٔ فکر ورائے میں اس کے بانی مبانی نے پوری اُمت کو حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اس پر حضرت شہیدؒ نے ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصہ اوّل اور ''تنقید اور حق تنقید'' میں بہت ہی سلیقے سے دعوتِ انصاف دی ہے۔ ذیل میں ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' سے اس سلسلے کے چند اِقتباسات پیش خدمت ہیں:

''...... مولانا مودودی کی تمام ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کا کھلے دِل سے اعتراف کرتے ہوئے مجھے موصوف سے بہت سی باتوں میں اختلاف ہے۔ جزئیات تو بے شمار ہیں، مگر چند کلیات حسبِ ذیل ہیں:

اوّل:... مولانا مودودی کے قلم کی کاٹ اور شوخی، ان کی سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، مگر اس ناکارہ کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خامی شاید یہی ہے! ان کا قلم مؤمن و کافر دونوں کے خلاف یکساں کاٹ کرتا ہے، اور وہ کسی فرق و امتیاز کا روادار نہیں۔

جس طرح وہ ایک لادِین سوشلسٹ کے خلاف چلتا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک مؤمنِ مخلص اورخادمِ دِین کے خلاف بھی۔ وہ جس جرأت کے ساتھ اپنے کسی معاصر پر تنقید کرتے ہیں (جس کا انہیں کسی درجے میں حق ہے) اسی ''جسارت'' کے ساتھ وہ سلف صالحین کے کارناموں پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ وہ جب تہذیبِ جدید اور اِلحاد وزَندقہ کے خلاف قلم اُٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث گفتگو کر رہا ہے، اور دُوسرے ہی لمحے جب وہ اہلِ حق کے خلاف خامہ فرسائی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے مسٹر پرویز یا غلام احمد قادیانی کا قلم چھین لیا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ نبوّت و رِسالت کا مقام کتنا نازک ہے؟

ادب گاہیت زیرِ آسماں اَز عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کسی نبی کے بارے میں کوئی ایسی تعبیر رَوا نہیں جو ان کے مقامِ رفیع کے شایانِ شان نہ ہو، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، پورا ذخیرۂ حدیث دیکھ جائیے! ایک لفظ ایسا نہیں ملے گا جس میں کسی نبی کی شان میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کمی کا شائبہ پایا جاتا ہو! لیکن مولانا مودودی کا قلم حریمِ نبوّت تک پہنچ کر بھی ادب ناآشنا رہتا ہے، اور وہ بڑی بے تکلفی سے فرماتے ہیں:

الف:... ''موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلدباز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا اِستحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقے میں بغاوت پھیل جائے۔'' (رسالہ ''ترجمان القرآن'' ج:۹ ش:۴ ص:۵)

ب:... ''حضرت داوٴد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رِواج سے متأثر ہوکر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔'' (تفہیمات حصہ دوم، ص:۴۲، طبع دوم)

ج:...''حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہشِ نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اِقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا، اور کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔''

(تفہیم القرآن ج:۴ سورۂ ص، ص:۳۲۷، طبع اوّل اکتوبر ۱۹۶۶ء)

د:...سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے، محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ اپنے دِل سے بے پروا ہوکر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اِسلام کا مقصد ہے۔''

(تفہیم القرآن ج:۲ ص:۳۴۴، طبع سوم ۱۹۶۴ء)

ہ:...سیّدنا یوسف علیہ السلام کے ارشاد: ''اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ'' (یوسف:۵۵) (مجھے زمینِ مصر کے خزائن کا نگران مقرّر کردیجئے) کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ محض وزیرِ مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ ڈکٹیٹرشپ کا مطالبہ تھا، اور اس کے نتیجے میں سیّدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی، وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔''

(تفہیمات حصہ دوم، ص:۱۲۲، طبع پنجم ۱۹۷۰ء)

و:...''حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رِسالت کی

ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں، غالباً انہوں نے بے صبر ہوکر قبل اَز وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔‘‘

(تفہیم القرآن ج:۲ سورۂ یونس حاشیہ ص: ۳۱۲، ۳۱۳،طبع سوم ۱۹۶۴ء)

ممکن ہے مولانا مودودی اور ان کے مداحوں کے نزدیک ’’جلد باز فاتح‘‘... ’’خواہشِ نفس کی بنا پر‘‘... ’’حاکمانہ اِقتدار کا نامناسب استعمال‘‘... ’’بشری کمزوریوں سے مغلوب‘‘... ’’جذبۂ جاہلیت کا شکار‘‘... ’’فریضۂ رِسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں‘‘... اور... ’’ڈکٹیٹرشپ‘‘ جیسے الفاظ میں سوءِ ادب کا کوئی پہلو نہ پایا جاتا ہو، اس لئے وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ایسے الفاظ کا استعمال صحیح سمجھتے ہوں! لیکن اس کا فیصلہ دوطرح ہوسکتا ہے، ایک یہ کہ اسی قسم کے الفاظ اگر خود مولانا موصوف کے حق میں استعمال کئے جائیں تو ان کو یا ان کے کسی مداح کو ان سے ناگواری تونہیں ہوگی...؟ مثلاً: اگر یہ کہا جائے کہ: ’’مولانا ڈکٹیٹر ہیں، اپنے دور کے ہٹلر اور مسولینی ہیں، وہ خواہشِ نفس سے کام کرتے ہیں، جذبۂ جاہلیت سے مغلوب ہوجاتے ہیں، حاکمانہ اِقتدار کا نامناسب استعمال کرجاتے ہیں، اور انہوں نے اپنے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہیاں کی ہیں‘‘ وغیرہ وغیرہ، تو میرا خیال ہے کہ مولانا کا کوئی عقیدت مندان ’’اِلزامات‘‘ کو برداشت نہیں کرے گا! اگر یہ الفاظ مولانا مودودی کی ذاتِ سیادت مآب کے شایانِ شان نہیں، بلکہ یہ مولانا کی تنقیص اور سوءِ ادب ہے، تو انصاف فرمایئے کہ کیا ایسے الفاظ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں زیبا اور شائستہ ہیں...؟ اسی نوعیت کا ایک فقرہ اور سن لیجئے!

’’یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی...... بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیرِ اَثر اُبھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کردیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقامِ بلند سے معصیت کی پستی میں جاگرے۔‘‘ (تفہیم القرآن ج:۲ ص: ۱۳۳)

اس عبارت سے سیّدنا آدم علیہ السلام کا اِسمِ گرامی حذف کرکے اس کی جگہ اگر مولانا مودودی کا نام لکھ دیا جائے تو میرا اندازہ ہے کہ ان کے حلقے میں کہرام مچ جائے گا اور پاکستان میں طوفان برپا ہوجائے گا! اس سے ثابت ہے کہ یہ فقرہ شائستہ نہیں، بلکہ گستاخی اور سوءِ ادب ہے...!

اسی کی ایک مثال اُمہات المؤمنین کے حق میں موصوف کا یہ فقرہ ہے:

''وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کچھ زیادہ جری ہوگئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان درازی کرنے لگی تھیں۔'' (ہفت روزہ ''ایشیا'' لاہور، مورخہ ۱۹؍نومبر ۱۹۷۶ء)

مولانا موصوف نے یہ فقرہ اَزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے، مگر میں اس کو مضاف سے زیادہ مضاف الیہ کے حق میں سوءِ ادب سمجھتا ہوں۔

فہرست

یہ تو ظاہر ہے کہ مولانا محترم کی اہلیہ محترمہ، اُمہات المؤمنینؓ سے بڑھ کر مہذب اور شائستہ نہیں، نہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقدس ہیں، اب اگر ان کا کوئی عقیدت مند یہ کہہ ڈالے کہ: ''مولانا کی اہلیہ مولانا کے سامنے زبان درازی کرتی ہیں!'' تو مولانا اس فقرے میں اپنی خفت اور ہتکِ عزّت محسوس نہیں فرمائیں گے؟ پس جو فقرہ خود مولانا کے حق میں گستاخی تصوّر کیا جاتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمہات المؤمنین کے حق میں سوءِ ادب کیوں نہیں...؟

الغرض مولانا موصوف کے قلم سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جو ''ادبی شہ پارے'' نکلے ہیں وہ سوءِ ادب میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا ایک معیار تو یہی ہے کہ اگر ایسے فقرے خود مولانا کے حق میں سوءِ ادب میں شمار ہوکر ان کے عقیدت مندوں کی دِل آزاری کا موجب ہوسکتے ہیں، تو ان کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی سوءِ ادب ہیں، اور جو لوگ نبوّت و رِسالت پر اِیمان رکھتے ہیں ان کی دِل آزاری کا سبب ہیں۔

دُوسرا معیار یہ ہوسکتا ہے کہ آیا اُردو میں جب یہ فقرے استعمال کئے جائیں تو اہلِ زبان ان کا کیا مفہوم سمجھتے ہیں؟ اگر ان دونوں معیاروں پر جانچنے کے بعد یہ طے ہوجائے کہ واقعی ان کلمات میں سوءِ ادب ہے تو مولانا کو ان پر اِصرار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ان سے توبہ کرنی چاہئے، کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ادنیٰ سوءِ ادب بھی سلبِ ایمان کی علامت ہے۔''

(''اِختلافِ اُمت اورصراطِ مستقیم'' حصہ اوّل، ص:۱۳۰-۱۳۵)

فتنۂ اِنکارِ حدیث:... اِنکارِ حدیث درحقیقت اِنکارِ دِین کی خطرناک اور بھیانک تحریک ہے، مگر بھولے بھالے مسلمان اسے بھی ''مسلمانوں کا ایک فرقہ'' اور ''تحقیق'' کے نام سے قبول کرتے ہیں، یوں وہ دِین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ حضرت شہیدؒ نے اس پر مختلف انداز سے متعدّد مقامات پر لکھا ہے، ذیل میں حضرتؒ کے رسالہ ''اِنکارِ حدیث کیوں؟'' سے چند پیراگراف پیش کئے جاتے ہیں۔

''......اِنکارِ حدیث کا فتنہ ظہور میں آچکا ہے، بحث کرنے والے پوری قوّت کے ساتھ اس بحث میں مصروف ہیں کہ حدیث حجت ہے یا نہیں؟ جن لوگوں کی طرف سے یہ بحث اُٹھائی گئی ہے، ان کا حال تو انہی کو معلوم ہوگا، لیکن جہاں تک میرے ایمان کا احساس ہے! یہ سوال ہی غیرتِ ایمانی کے خلاف چیلنج ہے...! جس سے اہلِ ایمان کی گردن ندامت کی وجہ سے جھک جانی چاہئے۔

اس فتنے کے اُٹھانے والے ظالموں نے نہیں سوچا کہ وہ اس سوال کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اِعتماد یا عدمِ اِعتماد کا فیصلہ طلب کرنے کے لئے اُمت کی عدالت میں لے آئیں گے۔ اُمت اگر یہ فیصلہ کردے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (حدیث) قابلِ اعتماد ہے، تو اس کے مرتبے کا سوال ہوگا، اور اگر نالائق اُمتی یہ فیصلہ صادر کردیں کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات (حدیث) آپ کے زمانے والوں کے لئے لائقِ اعتماد ہوتو ہو، لیکن موجودہ دور کے متمدّن اور ترقی پسند اَفراد کو نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کی کسی حدیث پر اِیمان لانے کے لئے مجبور کرنا مُلّا ئیت ہے'' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عدمِ اعتماد کا فیصلہ ہوجائے گا۔ (معاذ اللہ! استغفر اللہ...!)

اگر دِل کے کسی گوشے میں ایمان کی کوئی رمق بھی موجود ہے تو کیا یہ سوال ہی موجبِ ندامت نہیں کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لائقِ اعتماد ہے یا نہیں؟''

تُف ہے اس مذہب دُنیا پر! کہ جس ملک کی قومی اسمبلی میں صدرِ مملکت کی ذات کو تو زیرِ بحث نہیں لایا جاسکتا، (پاکستان کی قومی اسمبلی کے اسپیکر نے متعدّد دفعہ یہ رولنگ دی ہے کہ معزّز ارکانِ اسمبلی صدرِ مملکت کی ذاتِ گرامی کو زیرِ بحث نہیں لاسکتے) لیکن اسی ملک میں چند ننگِ اُمت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو نہ صرف یہ کہ زیرِ بحث لاتے ہیں، بلکہ زبان وقلم کی تمام تر طاقت اس پر صَرف کرتے ہیں کہ اُمت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ دے ڈالے۔ اگر اِیمان اسی کا نام ہے تو مجھے کہنا ہوگا: ''بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۳ '' (البقرۃ)

بہرحال مریض دِلوں کے لئے اِنکارِ حدیث کی خوراک لذیذ ہو تو ہو (غلبۂ صفراء کی وجہ سے ان مسکینوں کو اس کی تلخی کا احساس نہیں ہوتا)، لیکن میرے جیسے گناہگار اور ناکارہ اُمتی کے لئے یہ موضوع خوشگوار نہیں، بلکہ یہ بحث ہی تلخ ہے، نہایت تلخ...!! مجھے کل ان کے دربار میں جانا ہے اور ان کی شفاعت کی اُمید ہی سرمایۂ زندگی ہے، سوچتا ہوں، اور خدا کی قسم! کانپتا ہوں کہ اگر ان کی طرف سے دریافت کرلیا گیا کہ: ''او نالائق! کیا میری حدیث کا اعتماد بھی محلِ بحث ہوسکتا ہے؟'' تو میرے پاس کیا جواب ہوگا؟ اسلام کے ان فرزندانِ ناخلف نے خود رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جرح وتعدیل کا جو راستہ اختیار کیا ہے، واللہ! اس میں کفر ونفاق کے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں: ''فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ '' (الکہف:۲۹) (اب جس کا جی چاہے نبی کی بات پر اِیمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے)۔

فتنے کی کجی ملاحظہ کیجئے! دِینِ قیم کے وہ صاف، واضح، روشن اور قطعی مسائل جن

میں کل تک شک وتردّد کا ادنیٰ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، کل تک ملتِ اسلامیہ جن کو یقینی مانتی چلی آئی تھی، شکی مزاج طبیعتیں آج ان ہی مسائل کو غلط اور نا قابلِ قبول ٹھہراتی ہیں۔

ایک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اب تک محفوظ تھی، تمام اُمت کا مرجع تھی، ہر اُمتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کرتا تھا، اُمت میں کوئی اِختلاف رُونما ہو، اس کے فیصلے کے لئے آپ کی ذات آخری عدالت تھی، اور آپ کا ہر فیصلہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن افسوس! آج کس کے پاس یہ شکایت لے جائیں کہ فتنے کے سیلاب کی موجیں علماء، صلحاء، صوفیاء، متکلمین، محدثین، مجتہدین، تابعینؒ اور صحابہ... رضی اللہ عنہم اجمعین... ان سب کو روندتی ہوئی دِین وشریعت کی آخری فصیل ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکرا رہی ہیں، اور چاہا جاتا ہے کہ انسانیت کی سب سے بڑی اور سب سے آخری عدالت کو بھی مجروح کر دیا جائے۔ فإلی اللہ المُشتکیٰ!

اُف! مبتلائے فتنہ اُمت میں یہ بحث موضوعِ سخن ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت ہے یا نہیں؟ دِینی حیثیت سے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ کیا یہ صاف اور موٹی بات بھی کسی کی عقل میں نہیں آسکتی کہ کسی ذات کو نبی اور رسول ماننا یا نہ ماننا تو ایک الگ بحث ہے، لیکن جس ذات کو رسول مان لیا جائے، ماننے والے کے ذمے اس کی ہر بات کا مان لینا بھی ضروری ہے، جس کام کا وہ حکم کرے اس کی تعمیل بھی ماننے والے کے لئے لازم ہے، اور جس فعل سے وہ منع کرے اس سے رُک جانا ضروری ہے۔

''رسول'' کو ''رسول'' مان کر اس کے اَحکام میں تفتیش کرنا کہ: ''یہ حکم آپ اپنی طرف سے دے رہے ہیں یا خدا کی طرف سے؟ اور اگر آپ اپنی طرف سے کوئی ارشاد فرماتے ہیں تو اس کی تعمیل سے معاف رکھا جائے!'' نری حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ کتنی صاف اور سیدھی بات تھی لیکن نہیں معلوم لوگ عقل کو کہاں استعمال کیا کرتے ہیں کہ ایسے بدیہی اُمور میں بھی شک اور تردّد کا مرض ان کو اِیمان ویقین سے محروم کئے رکھتا ہے۔ شرح تحریر میں ہے:

فہرست

ترجمہ:... ''سنت خواہ مفیدِ فرض ہو یا واجب، یا ان کے علاوہ کے لئے مفید ہو، اس کا حجت ہونا دِین کا ایسا واضح مسئلہ جس میں طلبِ دلیل کی ضرورت نہیں، جس کو ذرا بھی عقل وتمیز ہو، عورتوں اور بچوں تک بھی، وہ جانتا ہے کہ جس کی نبوّت ثابت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بتلائے گا اس میں قطعاً سچا ہوگا اور اس کی بات کی پیروی واجب ہوگی۔''

منکرینِ حدیث کی کورچشمی ملاحظہ کرو! اس پر اِتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ برحق ہیں، اس پر بھی اتفاق ہے کہ علم وعرفان کے سرچشمہ ہیں، الغرض آفتاب طلوع ہوچکنے کے بعد، بحث اس پر ہو رہی ہے کہ سورج نکلنے کے بعد دِن ہوتا ہے، یا رات ہوتی ہے؟ زبان وقلم، عقل وفہم اور دِل ودِماغ کی قوّتیں اس پر صَرف کی جارہی ہیں کہ ''رسول'' کو ''رسول'' ماننے کے بعد اس کی کسی بات (حدیث) پر اِعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو خیرہ چشم طلوعِ آفتاب کا اقرار کرنے کے باوجود ''دِن نہیں رات ہے!'' کی رَٹ لگا رہا ہو، اور چاہتا ہو کہ تمام دُنیا اسی کی طرح آنکھیں موند لے، بتلایا جائے کہ آپ ایسے سوفسطائی کو کس دلیل سے سمجھا سکتے ہیں؟

اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زبانی اقرار کرنے والوں سے جب سنا جاتا ہے کہ جس ذات کو ہم رسول مانتے ہیں، اسی کا کوئی قول اور فعل ہمارے لئے حجت نہیں، تو بتلایئے ایسے محرومانِ بصیرت کے لئے کون سا سامان ہدایت سودمند ہوسکتا ہے؟ کاش! ان کو چشمِ بصیرت نصیب ہو جاتی: ''فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾'' (الحج) (کیونکہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دِل اندھے ہوچکے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں)۔ (اِنکارِ حدیث کیوں؟)

دِین دار انجمن:... ہر دور میں اسلام کے نام پر کفر واِلحاد اور زَندقہ کی ترویج واشاعت کے لئے ذُرِّیتِ شیطان نے مختلف رُوپ بہروپ بدلے، مگر علمائے ربانی نے

ہمیشہ ان کی سازشوں کو ناکام کرتے ہوئے اسلام کے مبارک چہرے کے خدوخال کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے کی سعی وکوشش فرمائی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب قادیانی غدار کی ذُرِّیت نے ''دِین دار انجمن'' اور ''میزان انجمن'' کے نام سے اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے کی کوشش کی تو حضرت شہیدؒ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ایک سائل کے جواب میں لکھا:

''......سوال:...اللہ کے فضل سے ہمارے گھرانے میں بڑے چھوٹے سب نماز کے پابند ہیں اور ہمارا گھرانہ مذہبی گھرانہ ہے۔ ''میزان انجمن'' کراچی میں قائم ہے، اس انجمن کے بانی اور اراکین ''صدیق دِین دار چن بسویشور'' کے ماننے والے اور اس کے پیروکار ہیں۔ یہ لوگ لمبی داڑھیاں، سر کے لمبے عورتوں جیسے بال رکھے ہوئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ قادیانی مرزا غلام احمد اور موجودہ مرزا طاہر احمد ''مامور من اللہ'' ہیں، ان کے اپنے ایک آدمی شیخ محمد ہیں، شیخ محمد کو مظہرِ خدا مان کر ان کو نماز کی طرح سجدہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شیخ محمد پر اِلہام ہوتا ہے، جو اِلہام ہوئے ہیں اب تک وہ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔

کراچی کے اہلِ سنت سرمایہ دار چند ایسے ہیں جو ان کی صورت اور حلیہ سے متاثر ہوکر ماہانہ اشاعتِ اسلام کے نام پر چندہ معقول رقم بھی دیتے ہیں۔ یہ پورا گروہ خود کو ''مبلغِ اسلام'' کہتا ہے۔ ہمارے چند رِشتہ داروں کو ان لوگوں نے اپنا ہم عقیدہ بنالیا ہے، ہر جمعہ ہمارے رِشتہ دار ماموں، ممانی، ان کے بچے ہمارے گھر آتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ ''میزان انجمن'' کے رُکن بن جاؤ، دُنیا اور آخرت سنور جائے گی!

آپ کو اللہ اور رسول کا واسطہ ہے جلد جواب سے مطلع فرمائیے۔ ہماری ممانی کہتی ہیں: ''میزان انجمن'' دُنیا کے مسلمانوں کو حق کا راستہ بتانے کے لئے وجود میں آئی ہے، پاکستان میں حق کی جماعت ''میزان انجمن'' ہی ہے، اور صدیق دِین دار چن بسویشور دُنیا کا نظام چلا رہے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ قرآنِ کریم اور احادیث سے کیا یہ تمام باتیں

دُرست ہیں؟ ہندواوتاروں کی یا مسلمان پیغمبروں کی رُوح کا ایک دُوسرے میں یا جس میں چاہے منتقل ہونا صحیح ہے؟

صدیق دِین دار چن بسویشور کی اصلیت وحقیقت کیا ہے؟ کیا تھی؟ ضروری بات یہ ہے کہ یہ جماعت نماز بھی پڑھتی ہے اور نام مسلمانوں، ہندوؤں کے ملے ہوئے رکھے ہیں۔ جیسے: ''سیّد سراج الدین نرسیو اوتار'' یا ''صدیق دِین دار چن بسویشور'' ان کے نام ہیں۔ اُمید ہے کہ ہمارے لئے زحمت کریں گے۔ ہمارے گھر والے ماموں، ممانی اور ان کے بچوں کے ہر جمعہ آکر تبلیغ کرنے سے حیران ہیں، کیا ہم ان کی باتوں کو مانیں یا نہ مانیں؟ گھر میں آنے سے منع کردیں؟ اپنے بیٹوں کے لئے رشتہ مانگتے ہیں، کیا ہم اپنی بہنوں کو جو کنواری ہیں اپنے صدیق دِین دار چن بسویشور کے پیرو ماموں کے بیٹوں کو دے سکتے ہیں؟

جواب:... ''میزان انجمن'' قادیانیوں کی بگڑی ہوئی جماعت ہے، یہ لوگ مرزا قادیانی کو مسیحِ موعود مانتے ہیں۔ حیدرآباد دکن میں مرزا قادیانی کا ایک مرید ''بابوصدیق'' تھا، اس کو مامور من اللہ، نبی، رسول، یوسف، موعود اور ہندوؤں کا چن بسویشور اوتار مانتے ہیں۔ بابوصدیق کے بعد شیخ محمد کو مظہرِ خدا اور تمام رسولوں کا اوتار مانتے ہیں۔ اس لئے ''دِین دار انجمن'' اور ''میزان انجمن'' کے تمام افراد مرزائیوں کے دُوسرے فرقوں کی طرح کافر و مرتد ہیں، یہ لوگ قادیانی عقائد کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے تناسخ کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ اس انجمن کے افراد کو ان کے عقائد جاننے کے باوجود مسلمان سمجھنا بھی کفر ہے۔ کسی مسلمان لڑکی کا ''میزان انجمن'' کے کسی مرتد سے نکاح نہیں ہوسکتا، اگر لڑکی ایسے مرتد کے حوالے کردی گئی تو ساری عمر زِنا اور بدکاری کا وبال ہوگا۔ اس انجمن کو چندہ دینا اور ان سے سماجی ومعاشرتی تعلقات رکھنا حرام ہے۔ الغرض! یہ مرتدوں کا ایک ٹولہ ہے جو مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، حالانکہ ان کے عقائد خالص کفریہ ہیں۔

فہرست

دین دار انجمن کے حالات وعقائد پروفیسر الیاس برنی مرحوم نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''قادیانی مذہب'' میں ذِکر کئے ہیں، اور جناب مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے اس فرقے کے عقائد پر مستقل رسالہ ''بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا'' کے نام سے لکھا ہے۔ ان سے مسلمانوں کا سا معاملہ جائز نہیں، ان کا جنازہ نہ پڑھا جائے، نہ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، ان مرتدین کا جو مردہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردیا گیا اس کو اکھاڑنا ضروری ہے۔ (''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' جلد اوّل)

فتنۂ گوہر شاہی:... فتنۂ گوہر شاہی دراصل ریاض احمد گوہر شاہی کا برپا کردہ ہے۔ اس شخص نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مہدی، مسیح اور نبوّت وغیرہ کے دعوے کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، اس گستاخِ رسول کے خلاف حضرت شہیدؒ نے اپنی نگرانی میں ''دورِ حاضر کا مسیلمہ کذّاب گوہر شاہی'' نامی کتاب مرتب کرائی اور اس سلسلے میں درج ذیل فتاویٰ بھی صادر فرمائے:

''......سوال:... ریاض احمد گوہر شاہی کا فتنہ بہت زور پکڑ رہا ہے، اس کے عقائد ونظریات کے رسائل اور اشتہارات پیشِ خدمت ہیں، اس شخص کی مذہبی حیثیت واضح فرما کر اُمت کی راہنمائی فرمادیں۔ (خالد، کراچی)

جواب:... میں نے ریاض احمد گوہر شاہی کے عقائد وحالات کا مطالعہ کیا اور ہفت روزہ ''تکبیر'' کے سوالات بھی دیکھے ہیں۔ ان کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص دِین اور شریعت کا قائل نہیں، نہ اس کو نماز، روزے کا اہتمام ہے اور نہ شریعت کے محرمات سے پرہیز ہے۔ اس لئے اس کی حیثیت مرزا غلام احمد قادیانی جیسی ہے، اور اس کے ماننے والے گمراہ ہیں۔''

اسی طرح آپؒ نے اپنی زندگی کا آخری فتویٰ بھی گوہر شاہی کے خلاف لکھا جو درج ذیل ہے:

''.....برادرِ محترم مولانا سعید احمد جلال پوری زِید مجدہٗ نے ریاض احمد گوہر شاہی

فہرست

کے بارے میں، جس نے اپنی جماعت کا نام ''انجمن سرفروشانِ اسلام'' رکھا ہے، یہ سوال نامہ مرتب کیا ہے اور میرے کہنے پر انہوں نے گوہر شاہی کے عقائد پر ایک کتاب مرتب کی ہے۔ ان کی اس پوری کتاب میں مندرجہ بالا سوالات کے بارے میں حوالہ جات موجود ہیں، اور برادر محترم مولانا سعید احمد نے اس کے ان دعاوی کا خلاصہ بہت خوبصورت الفاظ میں اس سوال نامے میں نقل کردیا ہے، اور اس سوال نامے کے آخر میں انہوں نے یہ سوال کیا ہے کہ یہ شخص ریاض احمد گوہر شاہی مسلمان ہے یا کافر و زِندیق؟

۱:... جس شخص نے اس سوال نامے کا مطالعہ کیا ہو، وہ بتا سکتا ہے کہ یہ شخص مسلمان نہیں بلکہ کافر و زندیق اور مرتد ہے۔

۲:... یہ شخص اور اس کی جماعت اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں قرآن وسنت اور اکابرِ اُمت کی تصریحات یہ ہیں کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔

۳:... ریاض احمد گوہر شاہی اور اس کی جماعت کے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا اور رشتہ ناتا کرنا جائز نہیں۔

۴:... ان لوگوں کا ذبیحہ مردار ہے۔

۵:... جس شخص نے کتاب وسنت اور اکابرِ اُمت کی تصریحات پڑھی ہوں، اس کے لئے مندرجہ بالا اُمور پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس سوال نامے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ واضح طور پر ان تمام اُمور کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۲/صفر ۱۴۲۱ھ

(گوہر شاہی، ص:۱۰۸-۱۱۷)

فتنۂ آغاخانیت:... آغاخانیت ایک پُرپیچ باطنی تحریک ہے، جو دراصل یہودیت کا تسلسل ہے، اس کے خلاف کام کرنا بہت ہی مشکل اور صبر آزما ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اس تحریک کے خلاف نہایت سلیقے سے کام کیا، سب سے پہلے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب

فہرست

''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' دریافت کی اور اسے زیرِ کثیر سے طبع کرایا، پھر آغاخانیوں کے خلاف شائع ہونے والے فتویٰ پر ساٹھ صفحات کا مقدمہ تحریر فرمایا۔اس کے علاوہ اس عنوان پر آپ کی متعدد تحریریں معرضِ وجود میں آئیں۔ذیل میں چند ایک ضروری اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں:

''......بہت سے مسلمان، آغاخانیوں کے عقائد ونظریات سے واقف نہیں، اس لئے وہ آغاخانیوں کو بھی مسلمانوں کا فرقہ تصور کرتے ہیں، اور خود آغاخانی اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ایک مسلمان کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں کی آگاہی اور خود بھولے بھالے آغاخانیوں کی اطلاع کے لئے یہ فتویٰ شائع کیا جارہا ہے، تاکہ انہیں معلوم ہوسکے کہ آغاخانی عقائد اسلام کی ضد ہیں اور جو شخص آغاخانی عقائد پر ایمان رکھتا ہو اس کا اسلامی برادری سے کوئی تعلق نہیں، وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج، کافر، مرتد اور زِندیق ہے۔آغاخانیوں کے جو عقائد اس فتویٰ میں باحوالہ درج کئے گئے ہیں، ان کے ملاحظہ کے بعد کسی ادنیٰ عقل وفہم کے آدمی کو بھی شک نہیں رہ جاتا کہ آغاخانی مسلمان نہیں بلکہ کافروں کا ایک ٹولہ ہے۔ذرا انصاف فرمایئے کہ:

ا:...جو فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا قائل ہو، اور اس کے کلمے میں یہ داخل ہو''اشھد ان علیّ اللہ'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ ہیں) وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟

یاد رہے کہ اسماعیلی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ میں حلول کر گیا تھا، اس لئے حضرت علیؓ خود خدا تھے، اور حضرت علیؓ کے بعد یکے بعد دیگرے اسماعیلی ائمہ میں اللہ تعالیٰ کا حلول ہوتا رہا۔ گویا اسماعیلیوں کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ:''حاضر اِمام بعینہٖ علی ہے، اور علی بعینہٖ اللہ ہے، لہٰذا حاضر اِمام بعینہٖ اللہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسماعیلی فرقہ حاضر اِمام کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت کرتا ہے، اسی کو

قاضی الحاجات سمجھتا ہے، اسی سے دُعائیں کرتا ہے، اسی کو حی و قیوم مانتا ہے، اور اسی کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔

۲:... اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے۔ لیکن آغاخانی عقیدے کے مطابق ساتویں اِمام مولانا محمد بن اسماعیل سابع النطقا ہیں، جس کا مطلب ہے کہ جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت رسول تھے، جن کی شریعت سے پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اسی طرح آغاخانیوں کے نزدیک ساتویں اِمام محمد بن اسماعیل بھی مستقل صاحب شریعت رسول ہیں، جن کی باطنی شریعت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر شریعت منسوخ ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب ''تاریخ فاطمین مصر'' حصہ دوم فصل ۳۵، نیز ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام''، فصل ۶)

سب جانتے ہیں کہ قادیانی فرقہ باجماعِ اُمت کافر و مرتد اور زِندیق ہے، کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی و رسول مانتا ہے، حالانکہ قادیانیوں کا دعویٰ ہے کہ مرزا قادیانی تشریعی رسول نہیں، (لیکن ان کا یہ دعویٰ غلط ہے، کیونکہ وہ بھی اسماعیلی باطنیوں کی طرح مرزا قادیانی کو صاحبِ شریعت رسول سمجھتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل میرے رسالے ''قادیانیوں کی طرف سے کلمۂ طیبہ کی توہین'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے) بلکہ غیرتشریعی نبی ہے، جب مرزائی قادیانی مرزا کو غیرتشریعی نبی ماننے کی وجہ سے اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہیں، تو آغاخانی ٹولہ، اِمام محمد بن اسماعیل کو صاحبِ شریعت رسول مان کر، کیوں کافر اور خارج از اسلام نہیں ہوگا...؟

۳:... آغاخانیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حاضر اِمام جب چاہے ظاہر شریعت کو معطل کرسکتا ہے، چنانچہ آغاخانیوں کے اِمام حسن علی ذکرہ سلام نے سنہ ۵۵۷ھ میں

شریعت کے معطل ہونے کا اعلان کیا ہے اور اسماعیلیوں کو طوقِ شریعت سے آزاد کردیا۔ (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: ''نورِ مبین'' ص:۳۹۸، ۴۰۲، ۴۲۰، تاریخ فاطمین مصر حصہ دوم، ص:۱۷۶-۱۷۸)

۴:... اسماعیلی فرقہ قیامت، حشر ونشر اور ثواب وعذاب کا بھی قائل نہیں، ان کے نزدیک قیامت کا مفہوم یہ ہے: ''دبستان المذاہب کی روایت کے بموجب اسماعیلی عقائد میں اِمامِ حق کی طرف سے جو نفس کی تفتیش ہوتی ہے، اس کا نام ''قیامت'' ہے۔ ان کا عقیدہ ایسا ہے کہ لوگ جب خدا کے قرب میں پہنچتے ہیں اس وقت (قیامت) قائم ہوتی ہے، اور اس وقت شریعت کی تکالیف سب دُور ہوجاتی ہیں۔ اس قیامت کے معنی یہ ہیں کہ حضرت اِمام اپنے اِمامت کے زمانے میں مخلوق، خالق کے ساتھ توسل کراتا ہے، اس لئے ان کے اُوپر سے شریعت کے مراسم اُٹھالیتا ہے۔

''آثارِ محمدی'' کی روایت کے بموجب حضرت اِمام حسن علی ذکرہ سلام نے ان لوگوں کو علمِ تاویل سکھایا اور بتایا کہ: ''دُنیا قدیم ہے، جاودانی ہے، قیامت صرف رُوحانی ہے، بہشت ودوزخ معنوی (باطنی) ہیں، ہر ایک شخص کی قیامت اس کی موت ہے، باطن میں خلقت کو خدا تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہئے، اور ظاہر میں صوابی زندگی کے طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے، جس کے لئے تمام شریعت کے اعمال کی پابندی اور بندشیں مخلوق سے اُٹھالی جاتی ہیں۔'' گویا اسماعیلی عقیدے کے مطابق جب اِمام شریعت کی بندشیں اُٹھا کر لوگوں کو شریعت کے اعمال سے آزاد کردیتا ہے تو یہی قیامت ہے۔ جس شخص نے قرآنِ کریم میں قیامت، حشر ونشر، جزا وسزا کی تفصیل پڑھی ہوں، کیا وہ آغاخانیوں کے اِنکارِ قیامت کے عقیدے کو کفر وزندقہ قرار دینے میں تأمل کرسکتا ہے...؟

۵:... ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر رکھی گئی ہے: ۱- توحید ورسالت کی شہادت دینا۔ ۲- پنج گانہ نماز ادا کرنا۔ ۳- ماہِ رمضان کے روزے۔ ۴- زکوٰۃ۔ ۵- حج بیت اللہ۔

فہرست

کوئی شخص جو ان پانچ ارکان میں سے کسی ایک کا بھی منکر ہو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، آغا خانی ان پانچوں ارکان کے منکر ہیں، نہ وہ توحید و رِسالت کے قائل ہیں، نہ نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے، جو لوگ ان پانچوں ارکان کے منکر ہوں ان کا اسلام اور مسلمانوں سے کیا تعلق ہے؟ اور ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے...؟

۶:...تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآنِ کریم آخری کتابِ ہدایت ہے، اور وہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے، لیکن آغا خانی قرآنِ کریم کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اِمام کا فرمان قرآن سے بالاتر ہے......

آغا خانیوں کے کفریہ عقائد بے شمار ہیں، مگر میں انہی پانچ نکات پر اکتفاء کرتے ہوئے اہلِ فہم کو انصاف کی دعوت دیتا ہوں، وہ خود فیصلہ کریں کہ کیا ان عقائد کے بعد آغا خانیوں پر کفر کا فتویٰ حق بجانب ہے...؟'' (مقدمہ رسالہ ''آغا خانی کافر ہیں، متفقہ فتویٰ'')

فہرست

فرقہ مہدویہ:...فرقہ مہدویہ سیّد محمد جونپوری کو مہدیٔ آخرالزمان مانتا ہے، لیکن افسوس! کہ وہ لوگ حق کے نام پر باطل کا شکار ہوگئے۔ ذیل میں اس فرقے سے متعلق حضرت شہیدؒ کے چند تحقیقی شہ پارے پیش کئے جاتے ہیں:

''...فرقہ مہدویہ کو مہدیٔ آخرالزمان کی تعیین میں غلط فہمی ہوئی ہے، سیّد محمد جونپوری مہدیٔ آخرالزمان نہیں تھے۔ یہ موضوع بہت تفصیل چاہتا ہے، لیکن میں چند باتیں واضح عرض کردیتا ہوں، اگر کوئی عاقل وفہیم حق طلبی کے جذبے سے ان پر غور کرے گا تو اس پر حقیقتِ حال عیاں ہوجائے گی۔ اور اس سے پہلے دو باتیں بطورِ تمہید عرض کرنا چاہتا ہوں:

اوّل:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ایک خلیفۃ المسلمین کے ظہور کی پیش گوئی فرمائی، جس کو ''الامام المہدی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے، جیسا کہ ان سے پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔

گزشتہ صدیوں میں بہت سے طالع آزماؤں نے اس پیش گوئی کا مصداق

بننے کے لئے مسندِ مہدویت بچھائی، لیکن چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا مصداق نہیں تھے، اس لئے بالآخر بصد ناکامی پر وہ پردۂ عدم میں رُوپوش ہوگئے۔ ان مدعیانِ مہدویت کی ایک مختصر سی فہرست مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ کی کتاب ''ائمۂ تلبیس'' میں دیکھی جاسکتی ہے......

دوم:... کسی مدعیٔ مہدویت کے سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ کی کسوٹی پر پیش کرکے دیکھا جائے کہ مہدیٔ آخرالزمان کی علامات اس شخص میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اس معیار کو سامنے رکھا جائے تو حق و باطل کا فیصلہ بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ فرقۂ مہدویہ کے حضرات بھی اس معیارِ نبوی کو تسلیم کرتے ہیں، کتاب ''چراغ دین نبوی'' کے صفحہ:۱۸۷ پر لکھتے ہیں:

> ''آیاتِ قرآنی کے علاوہ احادیث کی معتبر کتب میں تواترِ معنوی کو پہنچی ہوئی حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام کے وجود اور آپ کے پیدا ہونے سے متعلق صدہا صحیح احادیث موجود ہیں۔
>
> چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
>
> ''مہدی موعود کا پیدا ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔'' اور ''تاوقتیکہ مہدی پیدا نہ ہو قیامت نہیں آئے گی۔'' اور ساری دُنیا ختم ہوکے اگر ایک بھی دِن باقی رہے گا تو اس دِن کو اللہ جل شانہٗ دراز کرے گا، تاآنکہ اس میں ایسے شخص کا ظہور ہوجائے جو میرے اہلِ بیت سے ہو، اور میرا ہم نام ہو، اور اس کے ماں باپ کے نام میرے ہی ماں باپ کے نام ہوں۔'' (سنن ابوداوٗد)
>
> اور ''کیونکر ہلاک ہوگی میری اُمت کہ میں اس کے اوّل ہوں، اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے آخر، اور مہدی میرے اہلِ بیت

فہرست

سے اس کے وسط میں۔'' (مشکوٰۃ شریف)

اور ''مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔'' اور ''مہدیٔ موعود کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے موافق ہوگا۔'' اور ''مہدی خطا نہیں کریں گے۔'' اور ''مہدی مجھ سے ہے میرے قدم بقدم چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔'' اور ''مہدی کی ذات معصوم عن الخطا ہوگی، وہ کبھی خطا نہیں کریں گے۔'' (مصنف نے اس پیراگراف کی احادیث کے لئے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ناقل)

اور ''مہدی دافع ہلاکت ہوں گے'' اور ''تم مہدی سے بیعت کرو، گو تم کو ان کے پاس برف پر سے ہوکر گزرنا پڑے۔'' (ابن ماجہ)

''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے مجیٔ کی خبر معجزے کے طور پر فرمائی ہے، جو مغیبات سے ہے اور ان اُمور کا وقوع میں آنا اشد ضروری ہے جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیبات کے طور پر فرمایا ہے۔''

(''چراغ دین نبوی'' ص:۱۸۷)

اس عبارت سے چند اُمور واضح ہوجاتے ہیں:

۱:... حضرت مہدی کے بارے میں جو احادیث وارِد ہوئی ہیں وہ متواترِ معنوی ہیں۔

۲:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہورِ مہدی کی جو پیش گوئی فرمائی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی۔

۳:... اور وہ تمام اُمور جن کے ظہور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق وقوع پذیر ہونا ضروری ہے۔

۴:... اگر کوئی واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کے مطابق وقوع

میں نہ آئے تو... نعوذ باللہ!... معجزۂ نبوی باطل ہو جائے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی... نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!... غلط ٹھہرے گی، جو قطعاً محال ہے!

اس سے واضح ہوا کہ جس طرح اہلِ سنت کے نزدیک مہدیٔ آخرالزمان کی خبر متواتر ہے، اسی طرح حضراتِ مہدویہ بھی اس کو متواتر مانتے ہیں، اور جس طرح اہلِ سنت کے نزدیک مہدیٔ آخرالزمان کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق ہونا ضروری ہے، اسی طرح یہ بات فرقۂ مہدویہ کے نزدیک بھی ضروری ہے۔ اس تمہید کے بعد آیئے غور کریں! کہ سیّد محمد جونپوری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی صادق آتی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ کیا موصوف کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق تھا یا نہیں؟

چونکہ کتاب ''چراغ دین نبوی'' میں فرقۂ مہدویہ کے نظریے کی ترجمانی کی گئی ہے، اور اس کی منقولہ بالا عبارت میں حدیث کی تین کتابوں... ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف اور ابنِ ماجہ... کا حوالہ دیا گیا ہے، اس لئے مناسب ہوگا کہ ہم بحث کا دائرہ سمیٹنے کے لئے انہی کتابوں کے حوالے پر اِکتفا کریں۔

مہدی کا نام ونسب:... ابوداؤد شریف میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: میرا یہ بیٹا سیّد ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ نام رکھا تھا، اور اس کی پشت سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا، وہ اخلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوگا، مگر بدنی ساخت میں نہیں، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اِمام مہدی کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا، اور وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوں گے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا سیّد محمد جونپوری کا نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے یا نہیں؟ ''چراغ دین نبوی''

فہرست

میں سیّد محمد جونپوری کا نسب نامہ درج ذیل دیا ہے:

''حضرت سیّد محمد مہدی موعود علیہ السلام بن سیّد عبداللہ المخاطب سیّد خان بن سیّد عثمان بن سیّد خضر بن سیّد موسیٰ بن سیّد قاسم بن سیّد نجم الدین بن سیّد عبداللہ بن سیّد یوسف بن سیّد یحییٰ بن سیّد جلال الدین بن سیّد نعمت اللہ بن سیّد اسماعیل بن اِمام موسیٰ کاظم بن اِمام جعفر صادق بن اِمام محمد باقر بن اِمام زین العابدین بن ابی عبداللہ الحسین شہیدِ کربلا بن اَمیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ۔'' (''چراغ دین نبوی'' ص:۱۸۸،۱۸۹)

اس نسب نامے سے معلوم ہوا کہ سیّد محمد جونپوری کا نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچتا، بلکہ نسب نامے کے مطابق وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ چونکہ ان کا نسب پیش گوئی کے مطابق نہیں تھا۔ لہٰذا وہ مہدی نہیں......۔

اِمام مہدی خلیفہ وحکمران ہوں گے:...

۱:...''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دُنیا ختم نہیں ہوگی، یہاں تک عرب کا مالک (حکمران) ہو میرے اہلِ بیت میں سے ایک ایسا شخص، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۴۶، ابوداؤد ج:۲ ص:۲۳۲، مشکوٰۃ شریف ص:۴۷۰، امام ترمذی نے اس کو ''حسن صحیح'' کہا ہے)

۲:...''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دُوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر دُنیا کا صرف ایک دِن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو طویل کردیں گے، یہاں تک کھڑا کریں گے ایسے شخص کو جو میرے اہلِ بیت میں سے ہوگا، اس کا نام میرے نام کے، اور اس کے والد کا نام میرے والد کے موافق ہوگا۔

فہرست

وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔''

(ابوداوٗد ج:۲ ص:۲۳۲، مشکوٰۃ ص:۴۷۰)

فائدہ:... یہ حدیث ''چراغ دین نبوی'' میں بھی نقل کی گئی ہے، مگر اس میں دو غلطیاں ہیں، ایک یہ کہ روایت پوری نقل نہیں کی، جس سے حدیث کی مراد واضح ہوجاتی۔ اور دُوسرے یہ کہ ''اس کے ماں باپ کے نام، میرے ہی ماں باپ کے نام ہوں'' کے الفاظ اپنی طرف سے نقل کردیئے ہیں، ابوداوٗد میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

۳:... ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت سے پہلے اِمام مہدی حاکم ہوں گے۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۴۶، اِمام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۴:... فرقۂ مہدویہ کی کتاب ''چراغ دین نبوی'' کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اُوپر گزر چکا ہے کہ: ''مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔''

۵:... نیز اسی کتاب میں یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ: ''مہدیٔ موعود کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے موافق ہوگا۔''

۶:... نیز اسی کتاب میں ابنِ ماجہ کے حوالہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ: ''تم مہدی سے بیعت کرو، گو تم کو ان کے پاس برف پر سے ہوکر گزرنا پڑے۔'' لیکن مصنف نے اس حدیث کا یہ آخری فقرہ چھوڑ دیا: ''کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔''

(ابن ماجہ)

ان اَحادیث میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ حضرت مہدیٔ آخرالزمان مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے، رُوئے زمین پر ان کی حکومت ہوگی، وہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے فیصلے کریں گے، اور ان کے فیصلے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہوں گے۔ الغرض ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ایسے اِمام مہدی کے بارے میں ہے جو مسلمانوں کے خلیفۂ برحق ہوں گے، ان

کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوگی، اور وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے عدل وانصاف سے زمین کو بھر دیں گے، جس طرح کہ ان سے پہلے اللہ کی زمین ظلم و بے انصافی سے بھری ہوئی ہوگی۔

سب جانتے ہیں کہ سیّد محمد جونپوری کو کبھی کسی ایک بستی کی بھی حکومت نصیب نہیں ہوئی، چہ جائیکہ تمام عرب ممالک کے یا پوری دُنیا کے خلیفہ ہوتے؟ ثابت ہوا کہ سیّد محمد جونپوری کا دعویٔ مہدویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق نہیں تھا، لہٰذا ان کو اِمام مہدیٔ آخرالزماں ماننا غلط ہے......

......حضرت اِمام مہدی کا نصاریٰ کے ساتھ مقابلہ ہوگا، اور حضرت مہدی اور ان کے لشکر کو نصاریٰ پر غلبہ حاصل ہوگا، احادیث میں ان لڑائیوں کی تفصیلات ذِکر کی گئی ہیں، جو مشکوٰۃ شریف کے ''باب الملاحم'' میں مذکور ہیں (ص:۴۶۵ تا ۴۶۸)......

...... احادیث شریفہ میں حضرت مہدی کے زمانے میں ہونے والی ''ملحمۂ کبریٰ'' (جنگِ عظیم) کا جو نقشہ ذِکر کیا گیا ہے......سوال یہ ہے کہ کیا کسی مدعیٔ مہدویت کی قیادت میں مسلمانوں کی نصاریٰ کے مقابلے میں ایسی ہولناک جنگ ہوئی ہے؟ کیا سیّد محمد جونپوری نے ملکِ شام جاکر نصاریٰ کے خلاف لڑائی لڑی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق ان کو مہدیٔ آخرالزماں کہنا کیسے صحیح ہوگا؟......

حضرت مہدی، نصاریٰ کے خلاف مذکورہ جہاد میں مشغول ہوں گے اور ان کو شکست دیتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جائیں گے، اتنے میں خبر آئے گی کہ دجال نکل آیا، حضرت مہدی دس شہسواروں کو اس کی تحقیق کے لئے بھیجیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''میں ان کے نام بھی جانتا ہوں، اور ان کے باپوں کے نام بھی، اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی، اور وہ اس وقت رُوئے زمین کے سب سے بہتر شہسوار ہوں گے۔''

(مشکوٰۃ ص:۴۶۷)

فہرست

کیا سیّد محمد جونپوری کے زمانے میں دجال کے نکلنے کی خبر آئی تھی؟ اور کیا سیّد موصوف نے قسطنطنیہ کے محاذ سے دس شہسواروں کو دجال کی تحقیق کے لئے بھیجا تھا؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو اِنصاف فرمائیے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق مہدیٔ آخرالزماں کیسے ہوئے؟

حضرت مہدی خروج دجال کا سن کر اس کے مقابلے کے لئے ملکِ شام واپس آجائیں گے، دریں اثنا کہ وہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہوں گے، نماز کا وقت ہوجائے گا، نماز کے لئے صفیں دُرست کی جارہی ہوں گی، اتنے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس نماز کی اِمامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم سے حضرت مہدی کرائیں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس نماز میں حضرت مہدی کی اِقتدا کریں گے۔ (مشکوٰۃ ص:۴۶۶ تا ۴۸۰)

کیا سیّد محمد جونپوری کے زمانے میں عین نماز کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوا؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اِقتدا میں نماز پڑھی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق مہدیٔ آخرالزماں کیسے ہوئے؟

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ سے جب بیعتِ خلافت ہوگی تو ان کی عمر چالیس برس ہوگی، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''العرف الوردی فی اخبار المہدی'' میں حافظ ابونعیم کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے: ''حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے درمیان اور رُومیوں کے درمیان چار مرتبہ مصالحت ہوگی، چوتھی مرتبہ یہ مصالحت رُومیوں کے بادشاہ کے اہل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر ہوگی، جو سات سال رہے گی، (بالآخر وہ بھی ختم ہوجائے گی، اوران کے درمیان اور تمہارے درمیان حالتِ جنگ پیدا ہوجائے گی)۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اس وقت لوگوں کا اِمام کون ہوگا؟ فرمایا: مہدی ہوں گے، میری اولاد میں سے،

چالیس سال کے، گویا ان کا چہرہ چمکدار ستارہ ہے، اور ان کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہے۔‘‘

سات سال ان کی خلافت کا زمانہ ہے، جیسا کہ اُوپر حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے گزر چکا ہے، ان کی خلافت کے ساتویں سال میں دجال نکلے گا، اور اس کو قتل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد خلافت ان کے سپرد ہو جائے گی، اور حضرت مہدیؓ ان کے وزیر کی حیثیت سے دو سال رہیں گے، گویا ان کی کل عمر ۴۹ سال ہوگی۔

اس کے برعکس سیّد محمد جونپوری کے بارے میں ’’چراغ دین نبوی‘‘ وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ۶۳ برس ہوئی، کیونکہ وہ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عمر بھی اس سے مطابقت نہیں رکھتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدیٔ آخرالزماں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔

فہرست

میں نے یہ چند موٹی موٹی باتیں عرض کر دی ہیں، جن کو تھوڑا پڑھا لکھا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے، ان کی روشنی میں ہر انصاف پسند آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ مہدوی فرقے کے حضرات کو مہدیٔ آخرالزماں کے پہچاننے میں غلطی لگی ہے، جس طرح کہ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کو مہدیٔ معہود اور مہدیٔ آخرالزماں قرار دینے میں غلطی کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ان تمام بھائیوں کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پر اِیمان لانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(’’تحفۂ قادیانیت‘‘ ج:۳ ص:۶۵۴-۶۶۸)

ذِکری فرقہ:... ذِکری فرقہ مُلّا محمد اٹکی کو نورِ خدا، نبی، رسول اور سیّد المرسلین مانتا ہے۔ اس فرقے کے کفریہ عقائد پر حضرت شہیدؒ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

’’ذکری فرقہ جس کے افراد بلوچستان کے علاوہ کراچی میں بھی پائے جاتے ہیں اور جو مُلّا محمد اٹکی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے، اس فرقے کے بارے میں عام

لوگوں کو، بلکہ خود اس فرقے کے لوگوں کو بھی معلومات بہت کم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فرقے کی مذہبی کتابیں مخطوطوں کی شکل میں ہیں اور وہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ چونکہ اس فرقے کے لوگ اپنا تعارف ''مسلمان'' کی حیثیت سے کراتے ہیں، اس لئے بعض لوگ ناواقفی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھ لیتے ہیں۔

جناب مولانا احتشام الحق آسیا آبادی بلوچستان کے ایک محقق عالم ہیں، موصوف نے برسہابرس تک اس فرقے کے بارے میں تحقیق کی، اور اس فرقے کے مذہبی پیشواؤں کا قلمی لٹریچر فراہم کیا، جس کی روشنی میں انہوں نے ایک مفصل اِستفتاء مرتب فرمایا ہے، یہ اِستفتاء تمام تر ذِکری لٹریچر کے حوالوں پر مشتمل ہے، جس کے مطالعے سے واضح ہوجاتا ہے کہ:

۱:... ذِکری فرقہ مُلاَّ محمد اٹکی کو مہدیٔ معہود سمجھتا ہے۔

۲:... یہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین نہیں مانتا، بلکہ مُلاَّ محمد اٹکی کو خاتم النّبیین سمجھتا ہے۔

۳:... اس فرقے کے نزدیک مُلاَّ محمد اٹکی نورِ خدا ہے، رسول و نبی ہے، سیّد المرسلین ہے اور تمام انبیائے کرام اور ملائکہ عظام، مُلاَّ محمد اٹکی کے خدام ہیں۔

۴:... یہ فرقہ شریعتِ محمدیہ کو منسوخ سمجھتا ہے، یہ لوگ اسلام کے اہم ترین رُکن، نماز کی ادائیگی کو کفر سمجھتے ہیں، اور نماز پڑھنے والوں کو ''چوتڑ اُٹھانے والے'' کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ یہ لوگ روزۂ رمضان کے منکر ہیں، اس کے بجائے انہوں نے مختلف اوقات کے روزے تجویز کر رکھے ہیں۔ شرعی زکوٰۃ کا انکار کرتے ہیں، اس کے بجائے کم سے کم دس فیصد اپنے مذہبی پیشواؤں کو ٹیکس دیتے ہیں۔ حجِ اسلام کے منکر ہیں، اس کے بجائے ''تربت'' بلوچستان میں واقع ''کوہِ مراد'' کا حج کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک ''مقامِ محمود'' ہے۔

۵:... ذِکریوں کے بقول قرآن کریم کے چالس اجزا تھے اور مُلاَّ محمد اٹکی کو یہ اختیار دیا گیا کہ ان چالیس اجزا میں سے جو چاہیں اپنے لئے انتخاب کرلیں، چنانچہ مُلاَّ محمد

فہرست

اٹکی نے ان میں سے دس اجزا اپنے لئے منتخب کرلئے جو اَسرارِ خداوندی پر مشتمل تھے، باقی اہلِ ظاہر کے لئے چھوڑ دیئے۔ اس موقع پر یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

من ز قرآن مغز را برداشتم
استخوان پہ پیش سگاں بگذاشتم

(میں نے قرآن کا مغز لے لیا، اور ہڈّیاں کتوں کے آگے چھوڑ دیں۔)

۶:... اس فرقے کے نزدیک محمد رسول اللہ سے مراد مُلّا محمد اٹکی ہے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ''احمد'' تھا، ''محمد'' سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مُلّا محمد اٹکی ہے)۔

۷:... یہ فرقہ تمام مسلمانوں کو جو مُلّا محمد اٹکی کو نہیں مانتے، کافر قرار دیتا ہے......

راقم الحروف نے اس اِستفتاء کے جواب میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی اور اکابرِ اُمت کے فیصلوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ:

۱:... ایسے عقائد رکھنے والے لوگ قطعاً مسلمان نہیں بلکہ ان کا حکم مرتدین کا ہے۔

۲:... کسی مسلمان کا ان کے ساتھ رشتہ ناتا جائز نہیں۔

۳:... ان کا ذبیحہ حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔ (رسائلِ یوسفی)

محمد شیخ کا فتنہ:... یوں تو آئے دِن فتنوں پر فتنے اُٹھ رہے ہیں، مگر دِین و ایمان اور اِسلام و قرآن کے نام پر اُٹھنے والے فتنے نسلِ نو اور مسلمانوں کے دِین و ایمان کے لئے کسی کینسر سے کم نہیں۔ اسی قسم کا ایک جدید انگریزی زبان میں غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی کی تعلیمات سے ''معمور'' فتنہ کراچی میں برپا ہے جو مسلمانوں کا دِین و ایمان غارت کر رہا ہے۔ حضرتؒ سے جب اس سلسلے میں ایک خاتون نے دریافت کیا تو حضرتؒ نے اس پر نہایت تفصیل سے لکھا، اس کے دو ایک ضروری اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

''...... کراچی میں ایک تنظیم ''القرآن ریسرچ سینٹر'' کے نام سے عرصہ چھ سات سال سے قائم ہے۔ اس تنظیم کے بنیادی عقائد مندرجہ ذیل ہیں:

ا:...دُنیا کے وجود میں آنے سے پہلے انسانیت کی بھلائی کے لئے قرآنِ پاک معجزانہ طور پر اِکٹھا دُنیا میں موجود تھا۔مختلف انبیاء پر مختلف ادوار میں، مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ اس کتاب یعنی قرآنِ پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی توریت، کبھی انجیل اور کبھی زَبور کے نام سے۔قرآن جو جہاں اور جس وقت پڑھ رہا ہے، اُس پر اُسی وقت نازل ہورہا ہے۔اور جہاں ''قل'' کہا گیا ہے، وہ اس انسان کے لئے کہا جارہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔

۲:...انبیاء کا کوئی مادّی وجود نہیں رہا، اس دُنیا میں وہ نہیں بھیجے گئے، بلکہ وہ صرف انسانی ہدایت کے لئے سمبلز (Symbols) کے طور پر استعمال کئے گئے، اور موجودہ دُنیا سے ان کا کوئی مادّی تعلق نہیں۔قرآن شریف کے اندر وہ انسانی راہنمائی کے لئے صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں۔

فہرست

۳:...قرآن شریف میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانِ حال یعنی (Present) میں پکارا گیا ہے، لہٰذا حضور بحیثیت رُوح ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہیں، اور وہ مادّی وجود سے مبرا ہیں اور نہ تھے۔

۴...... حضور کی دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت نہیں، وہ دیگر انبیاء کے برابر ہیں، بلکہ حضرت موسیٰ، بعض معنوں اور حیثیتوں میں یعنی قرآنِ پاک نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کا کثرت سے ذِکر کیا، جس کی وجہ سے ان کی فضیلت حضور پر زیادہ ہے۔حضور کے متعلق جتنی بھی احادیث تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں، وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

ان تمام عقائد کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ قرآن وسنت کے مطابق یہ فتویٰ دیں کہ:

ا:...یہ عقائد اسلام کی رُو سے دُرست ہیں یا نہیں؟

۲:...اس کو اَپنانے والا مسلمان رہے گا؟

۳:...ایسی تنظیموں کو کس طرح روکا جائے؟

۴:...ایسے شخص کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ جس کے عقائد قرآن وسنت کے

مطابق ہیں، جو تمام انبیاء، تمام کتابوں، آخرت کے دِن اور اَحادیث پر مکمل یقین اور ایمان رکھتی ہو؟ (ایک خاتون، کراچی)

میری بہن! یہ فتنوں کا زمانہ ہے اور جس شخص کے ذہن میں جو بات آجاتی ہے، وہ اس کو بیان کرنا شروع کردیتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلف بیزاری اور اِنکارِ حدیث کا نتیجہ ہے، اور جو لوگ حدیث کا اِنکار کرتے ہیں وہ پورے دِین کا اِنکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں میں اپنے رسالہ ''اِنکارِ حدیث کیوں؟'' میں لکھ چکا ہوں کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں، اور آپ کے اقوالِ شریفہ کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ان کے قلوب پر خدائی مہر لگ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان و یقین اور رُشد و ہدایت کی اِستعداد گم کرچکے ہیں، ان لوگوں کی ساری تگ و دو خواہشِ نفس کی پیروی تک محدود ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾'' (محمد)

ترجمہ:... ''اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کر باہر جاتے ہیں تو دُوسرے اہلِ علم سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تحقیر کے طور پر) کہتے ہیں کہ: حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر مہر کردی اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآنِ کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کردیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے سرتابی کرنا، گویا اِنکارِ رسالت کے ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے منکرین، اِنکارِ رسالت کے مرتکب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جب قرآن ہی وحیٔ خداوندی بتلاتا ہے: ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝۴'' (النجم) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ طیبات کو جب قرآن ہی ''گفتہ او گفتہ اللہ بود'' کا مرتبہ دیتا ہے، تو بتلایا جائے کہ حدیثِ نبوی کے حجتِ دینیہ ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے...؟ اور کیا حدیثِ نبوی کا اِنکار کرنے سے خود قرآن ہی کا اِنکار لازم نہیں آئے گا؟ اور کیا فیصلۂ نبوّت میں تبدیلی کے معنی خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے؟ اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآنِ کریم بھی تو اُمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبانِ مبارک سے سنا، اور سن کر اس پر اِیمان لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ''یہ قرآن ہے!'' یہ ارشاد بھی تو ''حدیثِ نبوی'' ہے! اگر حدیثِ نبوی حجت نہیں تو قرآنِ کریم کا ''قرآن'' ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ آخر یہ کون سی عقل ودانش کی بات ہے کہ اس مقدس ومعصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہو، اور دُوسری نہ ہو؟

فہرست

اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''یہ تو میرے میاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور یہ میرا کلام ہے'' ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔''

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ: ''قرآن تو حجت ہے، مگر حدیث حجت نہیں ہے'' ان ظالموں کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملے میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دُوسرے کو نہ مانا جائے، ٹھیک اسی طرح کلام اللہ اور کلامِ رسول کے درمیان بھی اس تفریق کی گنجائش نہیں کہ ایک کو واجب الاطاعت مانا جائے اور دُوسرے کو نہ مانا جائے، ایک کو تسلیم کرلیجئے تو دُوسرے کو بہرصورت تسلیم کرنا ہوگا، اور ان میں سے ایک کا اِنکار کردینے سے دُوسرے کا اِنکار آپ سے آپ ہوجائے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ٹھکرایا جائے، وہ ایسے ظالموں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے:

''...... فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾'' (الانعام)

ترجمہ:... ''پس اے نبی! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔''

لٰہذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اِیمان رکھنے اور کلامُ اللہ کو

مانتے کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں لامحالہ رسول اور کلامِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی ایمان لانا ہوگا، ورنہ ان کا دعوئ ایمان حرفِ باطل ہے۔''

جس تنظیم کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، ان عقائد کے رکھنے والے مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے دِین کی پوری کی پوری عمارت کو مسمار کردینے کا عزم کرلیا ہے۔ نیز انہوں نے تمام شعائرِ اِسلام اور قرآن وحدیث، اور انبیاء اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا اِنکار کیا ہے، اور جو لوگ اسلامی معتقدات کا اِنکار کریں، ان میں تاویلاتِ باطلہ کریں، اور اپنے کفر کو اِسلام باور کرائیں، وہ ملحد و زِندیق ہیں، اور زِندیق کا فر و مرتد سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ وہ بکرے کے نام پر خنزیر کا گوشت فروخت کرتا ہے، اور اُمتِ مسلمہ کو دھوکا دے کر ان کے ایمان و اسلام کو غارت کرتا ہے، اسی بنا پر اگر زِندیق گرفتار ہونے کے بعد توبہ بھی کرلے تو اس کی توبہ کا اعتبار نہیں۔ اس لئے حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اس اِلحاد و زَندقہ سے روکے، اگر رُک جائیں تو فبہا، ورنہ ان پر اسلامی آئین کے مطابق اِرتداد و زَندقہ کی سزا جاری کرے۔

اہلِ ایمان کا ان سے رشتہ ناتا بھی جائز نہیں، اگر ان میں سے کسی کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت ہو تو اس کا نکاح بھی فسخ ہوجاتا ہے......''

(''آپ کے مسائل اور اُن کا حل''، جلد نہم)

ڈاکٹر مسعود عثمانی کا فتنہ:... اکابر کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو اس سے عقل چھین لیتے ہیں، اور مسلوب العقل کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے عقل و فہم کے مقابلے میں پوری کائنات کو احمق و پاگل جانتا ہے۔ کچھ یہی معاملہ جناب کیپٹن ڈاکٹر مسعود عثمانی کا ہے، جو چشمِ بد دُور! اپنے آپ کو ''فاضل وفاق المدارس'' بھی کہلاتا ہے، مگر اس نے کفر و شرک کی ایسی مشین گن چلائی کہ اِبنِ تیمیہؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ بھی اس سے نہ بچ سکے۔ حضرت شہیدؒ نے اس کے باطل عقائد و نظریات پر خوب

گرفت فرمائی۔ چنانچہ اپنی کتاب ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' اور ''صفحہ اِقرأ'' میں اور متعدّد بار براہِ راست سوالوں کے جواب میں آپؒ نے اس پر خوب کھل کر لکھا، ذیل میں اس سلسلے کا ایک سوال وجواب نذرِ ناظرین ہے:

''سوال:...ایک فرقہ حیات الانبیاء فی القبور، سماعِ موتیٰ، اس دُنیاوی قبر میں حساب وکتاب، تعویذ، گنڈا، واسطے اور وسیلے کے قائلین کو کافر اور مشرک کہتا ہے، اور کہتا ہے کہ ''حیاتِ انبیاء اور حساب وکتاب یہ سب برزخی معاملے ہیں، برزخی قبر ہر انسان کو ملتی ہے، قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جس کے اندر انسان کو دُنیا میں دفن کردیا جاتا ہے۔'' افسوس کہ یہ لوگ کافر اور مشرک کے فتویٰ کی اِبتدا اِمام احمد بن حنبلؒ سے کرتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ان عقائد کی اِبتدا ان سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد اِمام اِبنِ تیمیہؒ، اِبنِ قیمؒ سمیت تمام صالحین، ان کے کفروشرک کے فتوے کی زد میں آتے ہیں۔ خدارا! جواب عنایت فرمائیں کہ یہ فرقہ مسلمان ہے یا کافر؟

وجۂ سوال یہ ہے کہ میرے ایک ماموں جان اسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، اب وہ کراچی ہی میں وفات پاکر وہیں مدفون ہوچکے ہیں، میرا ہر وقت انہیں اِیصالِ ثواب اور ان کے لئے دُعائے مغفرت کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر ان کے عقائد کی وجہ سے میں جھجکتا ہوں کہ خدانخواستہ یہ فرقہ مسلمان ہی نہ ہو؟

جواب:... یہ فرقہ خارجیوں کے مشابہ ہے کہ تمام اکابرِ اہلِ سنت کو... حتیٰ کہ اِمام احمد بن حنبلؒ کو بھی... کافر و مشرک سمجھتا ہے، اور ان کے عقائد کا منشا سلف صالحین سے بے اعتمادی اور اپنے جہل پر غرور و پندار ہے۔ عقائد کی کتابوں میں بعض اکابر کا قول ہے کہ جو فرقہ تمام سلف صالحین کو گمراہ کہتا ہو، اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا، اور جو ان سب کو کافر قرار دیتا ہو، اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ بہرحال اس کو کافر قرار دینے میں تو احتیاط کی جائے، مگر ان کی گمراہی میں شک نہیں۔ آپ اس طرح دُعا کیا کریں کہ اگر یہ مسلمان تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں۔

فہرست

فتنۂ بہائیت:... حضرت شہیدؒ نے ہر فتنے کی سنگینی اور اس کے حدودِ اربعہ کو متعین کرنے کے لئے اُمت کی راہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں مختصراً بہائیت سے متعلق حضرتؒ کی تحریر پیش کی جارہی ہے:

''......دُنیا میں بہائی ٹولہ بھی موجود ہے، وہ ایران کے بہاء اللہ کو رسول مانتا ہے، وہ دُنیا میں موجود ہے، ہم ان کو بھی کافر سمجھتے ہیں، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں، ہمارا دِین اسلام سے الگ ہے'' سو بات ختم ہوگئی، جھگڑا ختم ہوگیا، لیکن قادیانی اپنے تمام کفریات کو اِسلام کے نام سے پیش کرکے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، اس لئے یہ صرف کافر اور غیرمسلم ہی نہیں، بلکہ مرتد اور زِندیق ہیں۔ مسلمانوں کی غیرمسلموں کے ساتھ صلح ہوسکتی ہے، مگر کسی مرتد اور زِندیق سے کبھی صلح نہیں ہوسکتی۔'' (تحفہ قادیانیت حصہ اوّل)

مسئلۂ حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم:... علمائے دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے اِفراط وتفریط سے ہٹ کر قرآن وسنت اور اکابرِ اُمت کی تصریحات کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ کو صراطِ مستقیم اور راہِ اعتدال پر گامزن رکھنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی ہے، مگر کچھ عرصے سے بعض منتسبینِ علمائے دیوبند کی جانب سے یہ مسئلہ زیرِ بحث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ اَطہر میں جسدِ عنصری کے ساتھ حیات نہیں ہیں، اور اس پر معرکۂ کارزار گرم ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اس پر مستقل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جو تکمیل کے مراحل میں ہے، اس سلسلے میں ایک سائل کے جواب میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ نذرِ ناظرین ہے۔

''سوال:... حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں مولانا اللہ یار خان کی کتاب ''حیاتِ انبیاء'' پڑھی اور اس کے بعد یہ مسئلہ صراحتاً شیخ القرآنؒ نے اپنی تفسیر ''جواہر القرآن'' میں بیان فرمایا ہے، لیکن مولانا اللہ یار خان نے حیات کی کیفیت رُوح کا جسمِ اطہر یعنی بدنِ عنصری کے ساتھ منوانے کے لئے دلائل دیئے ہیں۔ حالانکہ شیخ القرآنؒ

نے جسمِ مثالی کو تسلیم کرایا ہے۔ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمادیں اور بتائیں کہ یہ مسئلہ ایمانیات سے ہے؟

جواب:... میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، یہ حیات برزخی ہے، مگر حیاتِ دُنیوی سے بھی قوی تر ہے۔ جو حضرات اس مسئلے کے منکر ہیں، میں ان کو اہلِ حق سے نہیں سمجھتا، نہ وہ علمائے دیوبند کے مسلک پر ہیں۔ (''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' ج:۱ص:۹۰،۹۱)

خارجی فتنہ:... رافضی اور خارجی دونوں حضراتِ صحابہ کرامؓ کے دُشمن ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ خارجی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور ان کے رُفقاء و متعلقین سے بغض رکھتے ہیں، جب کہ روافض سوائے چند ایک کے صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت کو... نعوذ باللہ!... کافر و منافق جانتے ہیں۔ حضرت شہیدؒ نے جس طرح روافض کی تردید اور تعاقب فرمایا ہے، ٹھیک اسی طرح خوارج کے تارِ عنکبوت کی بھی دھجیاں اُڑائی ہیں۔ اسی طرح کے ایک خارجی نے حضرت شہیدؒ سے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما پر غلیظ اِعتراض پر مشتمل سوالات کئے تو آپؒ نے نہایت دِل سوزی سے اس کے اِشکالات حل فرمائے، (جس کا نہایت خوش کن پہلو یہ ہے کہ آپؒ کے ان جوابات سے ان صاحب کو توبہ کی توفیق ہوگئی) آپؒ کے ان جوابات میں سے چند اِقتباسات قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے حاضر ہیں:

''...... چند اُمور بطور تمہید عرض کردینا مناسب ہے:

اوّل:... اہلِ حق کے نزدیک صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی تحقیر و تنقیص جائز نہیں، بلکہ تمام صحابہؓ کو عظمت و محبت سے یاد کرنا لازم ہے، کیونکہ یہی اکابر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں۔

اِمامِ اعظمؒ اپنے رسالہ ''فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں: ''اور ہم، صحابہ کرامؓ کو (اور ایک نسخہ میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کسی کو) خیر کے سوا یاد نہیں کرتے۔'' (شرح فقہ اکبر، ملاعلی قاریؒ، ص:۸۵، مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

فہرست

اِمام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں: ''اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں اِفراط وتفریط نہیں کرتے، اور نہ کسی سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے یا ان کو ناروا الفاظ سے یاد کرے۔ ان سے محبت رکھنا دِین وایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر ونفاق اور طغیان ہے۔'' (العقیدۃ الطحاویہ ص:۶۶، طبع اِدارہ نشر واشاعت، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ)

یہ تو عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہلِ حق کا عقیدہ ہے۔ جب کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا شمار خواص صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''عمّی وصنو ابی'' فرمایا کرتے تھے، یعنی ''میرے چچا اور میرے باپ کی جگہ'' اور ان کا بے حد اکرام فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وسیلے سے اِستسقاء (طلبِ بارش کی دُعا) کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے فضائل ومناقب وارد ہیں۔ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب تو حدِ شمار سے خارج ہیں، ان کے دیگر فضائل سے قطع نظر وہ اہلِ حق کے نزدیک خلیفۂ راشد ہیں۔

پس جس طرح کسی ایک نبی کی تکذیب پوری جماعتِ انبیائے کرام ...علیہم الصلوٰۃ والسلام... کی تکذیب ہے، کیونکہ دراصل یہ وحیٔ اِلٰہی کی تکذیب ہے، ٹھیک اسی طرح کسی ایک خلیفۂ راشد کی تنقیص خلفائے راشدین کی پوری جماعت کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل خلافتِ نبوّت کی تنقیص ہے۔ اسی طرح جماعتِ صحابہؓ میں سے کسی ایک کی تنقیص وتحقیر پوری جماعتِ صحابہؓ کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل صحبتِ نبوّت کی تنقیص ہے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! ان کو میرے بعد ہدفِ ملامت نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی تو میری

فہرست

محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا‘‘ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۶)۔

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان کے لئے صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنا اور انہیں خیر کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے، خصوصاً حضراتِ خلفائے راشدینؓ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابتِ نبوّت کا منصب حاصل ہوا، اسی طرح وہ صحابہ کرامؓ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں محب ومحبوب ہونا ثابت ہے، ان سے محبت رکھنا حبِ نبوی کی علامت ہے۔ اس لئے اِمام طحاویؒ اس کو دِین وایمان اور احسان سے تعبیر فرماتے ہیں، اور ان کی تنقیص وتحقیر کو کفر ونفاق اور طغیان قرار دیتے ہیں۔

دوم:... ایک واقعے کے متعدّد اسباب وعلل ہوسکتے ہیں، اور ایک قول کی متعدّد توجیہات ہوسکتی ہیں، اس لئے ہمیں کسی واقعے پر گفتگو کرتے ہوئے، یا کسی کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے صاحبِ واقعہ کی حیثیت ومرتبے کو ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔ مثلاً: ایک مسلمان یہ فقرہ کہتا ہے کہ: ’’مجھے فلاں ڈاکٹر سے شفا ہوئی!‘‘ تو قائل کے عقیدے کے پیشِ نظر اس کو کلمۂ کفر نہیں کہا جائے گا، لیکن یہی فقرہ اگر کوئی دہریہ کہتا ہے تو یہ کلمۂ کفر ہوگا۔ یا مثلاً: کسی پیغمبر کی توہین وتذلیل اور اس کی داڑھی نوچنا کفر ہے، لیکن جب ہم یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پڑھتے ہیں تو ان کی شان وحیثیت کے پیشِ نظر کسی کو اس کا وسوسہ بھی نہیں آتا۔

سوم:... جس چیز کو آدمی اپنا حق سمجھتا ہے اس کا مطالبہ کرنا نہ کمال کے منافی ہے، اور نہ اسے حرص پر محمول کرنا صحیح ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر کون کامل ومخلص ہوگا! لیکن حقوق میں بعض اوقات ان کے درمیان بھی منازعت کی نوبت آتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان فیصلے فرماتے تھے، مگر اس بات پر نکیر نہیں فرماتے تھے کہ یہ منازعت کیوں ہے؟ اور نہ حق طلبی کو حرص کہا جاتا ہے۔

فہرست

چہارم:... اِجتہادی رائے کی وجہ سے فہم میں خطا ہوجانا لائقِ مؤاخذہ نہیں، اور نہ یہ کمال واخلاص کے منافی ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام باجماعِ اہلِ حق معصوم ہیں، مگر اِجتہادی خطا کا صدور ان سے بھی ممکن ہے، لیکن ان پر چونکہ وحیٔ اِلٰہی اور عصمت کا پہرہ رہتا ہے، اس لئے انہیں خطائے اِجتہادی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بلکہ وحیٔ اِلٰہی فوراً انہیں متنبہ کردیتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر کاملین معصوم نہیں، ان سے خطائے اِجتہادی سرزد ہوسکتی ہے، اور ان کا اس پر برقرار رہنا بھی ممکن ہے، البتہ حق واضح ہوجانے کے بعد وہ حضرات بھی اپنی خطائے اِجتہادی پر اِصرار نہیں فرماتے، بلکہ بغیر جھجک کے اس سے رُجوع فرمالیتے ہیں۔

پنجم:... رائے کا اختلاف ایک فطری امر ہے، اور کاملین ومخلصین کے درمیان اِختلافِ رائے کی وجہ سے کشاکشی اور شکررنجی پیدا ہوجانا بھی کوئی مستبعد اَمر نہیں، بلکہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔ قیدیانِ بدر کے قتل یا فدیہ کے بارے میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان جو اِختلافِ رائے ہوا وہ کس کو معلوم نہیں؟ لیکن محض اس اِختلافِ رائے کی وجہ سے کسی کا نام دفترِ اِخلاص وکمال سے نہیں کاٹا گیا۔ باوجودیکہ وحیٔ اِلٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر... جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل تھی... رحیمانہ عتاب بھی ہوا، مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال اور صدیقیتِ کبریٰ میں کوئی ادنیٰ فرق بھی آیا۔ اسی طرح بنوتمیم کا وفد جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو اس مسئلے پر کہ ان کا رئیس کس کو بنایا جائے؟ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے درمیان اِختلافِ رائے ہوا، جس کی بنا پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی تک نوبت پہنچی، اور سورۂ حجرات کی اِبتدائی آیات اس سلسلے میں نازل ہوئیں، اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کے قرب ومنزلت اور محبوبیت عنداللہ وعند رسولہٖ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ الغرض! اس کی بیسیوں نظیریں مل سکتی ہیں کہ انتظامی اُمور میں اِختلافِ رائے کی بنا پر کشاکشی اور تلخی تک کی نوبت آسکتی ہے، مگر چونکہ ہر

فہرست

شخص اپنی جگہ مخلص ہے، اس لئے یہ کشاکشی ان کے فضل وکمال میں رخنہ انداز نہیں سمجھی جاتی۔

ششم:... حکومت و اِمارت ایک بھاری ذمہ داری ہے، اور اس سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل اور دُشوار ہے، اس لئے جو شخص اپنے بارے میں پورا اطمینان نہ رکھتا ہو کہ وہ اس عظیم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے گا، اس کے لئے حکومت و اِمارت کی طلب شرعاً وعرفاً مذموم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''بے شک تم اِمارت کی حرص کروگے اور عنقریب یہ قیامت کے دِن سراپا ندامت ہوگی، پس یہ دُودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے، اور دُودھ چھڑاتی ہے تو بُری طرح چھڑاتی ہے۔'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۵۸)

لیکن جو شخص اس کے حقوق ادا کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو، اس کے لئے اس کا مطالبہ شرعاً وعقلاً جائز ہے، اور اگر وہ کسی خیر کا ذریعہ ہو تو مستحسن ہے۔ سیّدنا یوسف علیہ السلام کا اِرشاد قرآنِ کریم میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے شاہِ مصر سے فرمایا تھا: ''ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کردو، میں ان کی حفاظت رکھوں گا اور خوب واقف ہوں۔'' (سورۂ یوسف)

اور قرآنِ کریم ہی میں سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰة والسلام کی یہ دُعا بھی نقل کی گئی ہے: ''اے میرے ربّ! میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لئے) مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانے میں) کسی کو میسر نہ ہو'' (سورۂ ص، ترجمہ: ''بیان القرآن'')۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ونیابت، جسے اسلام کی اصطلاح میں ''خلافتِ راشدہ'' کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان فضیلت ومنقبت اور حسبِ ذیل وعدۂ الٰہی کی مصداق ہے: ''(اے مجموعہ اُمت) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دِین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفعِ آخرت) کے لئے قوّت دے گا، اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بہ امن کردے گا،

فہرست

بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں‘‘ (سورۂ نور، ترجمہ:’’بیان القرآن‘‘)۔

جو شخص اس خلافت کی اہلیت رکھتا ہو، اس کے لئے اس کے حصول کی خواہش مذموم نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ درجے کے فضل وکمال کو حاصل کرنے کی فطری خواہش ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں یہ اعلان فرمایا کہ: ’’میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو دُوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔‘‘ تو صحابہ کرامؓ میں سے ہر شخص اس فضیلت کو حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’میں نے اس دِن کے سوا اِمارت کو کبھی نہیں چاہا، پس میں اپنے آپ کو نمایاں کر رہا تھا اس اُمید پر کہ میں اس کے لئے بلایا جاؤں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالبؓ کو طلب فرمایا اور وہ جھنڈا ان کو عنایت فرمایا۔‘‘

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۹)

ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا یہ خواہش کرنا کہ اِمارت کا جھنڈا انہیں عنایت کیا جائے، اس بشارت اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے تھا۔ شیخ محی الدین نَوَوِیؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس دِن اِمارت کی محبت وخواہش کرنا اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محب ومحبوب ہونے کی دلیل تھی اور اس شخص کے ہاتھ پر فتح ہونے والی تھی۔‘‘ (حاشیہ مسلم)

الغرض! خلافتِ نبوّت ایک غیرمعمولی شرف وامتیاز اور مجموعۂ فضائل وفواضل ہے، جو حضرات اس کے اہل تھے اور انہیں اس کا پورا اِطمینان تھا کہ وہ اس کے حقوق

فہرست

اِن شاء اللہ! پورے طور پر ادا کرسکیں گے، ان کے دِل میں اگر اس شرف وفضیلت کے حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس کو ''خواہشِ اِقتدار'' سے تعبیر کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ یہ کارِنبوّت میں شرکت اور جارحہ نبوی بننے کی حرص کہلائے گی۔ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خلافتِ راشدہ کا دور، دورِ نبوّت کا بقیہ تھا، گویا دورِ نبوّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً ارشادات فرماتے تھے، اور دورِ خلافت میں خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر کے اشارے سے سمجھاتے تھے۔'' (اِزالۃ الخفاء ج:۱ ص:۲۵)

....

انہی صاحب کے ایک اور خط کے جواب میں حضرت شہیدؒ نے تحریر فرمایا:

''بلاتکلف مگر خیرخواہانہ عرض کرتا ہوں کہ روافض کی چیرہ دستیوں کے رَدِّعمل کے طور پر ہمارے بہت سے نوجوان حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے نقائص وعیوب تلاش کرنے لگے ہیں، اور چونکہ علمی اِشکالات تو ہر جگہ پیش آتے ہیں، اس لئے جس طرح روافض حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کچھ نہ کچھ تلاش کرتے رہتے ہیں، اسی طرح ہمارا یہ نوجوان طبقہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ڈھونڈتا رہتا ہے، اور چونکہ دِل میں کدورت ونفرت کی گرہ بیٹھ گئی ہے، اس لئے انہیں ان اِشکالات کے علمی جوابات سے بھی شفا نہیں ہوتی ...... حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باتفاق اہلِ سنت خلیفۂ راشد ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔ علاوہ ازیں خود حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما نے مدۃ العمر ان سے محبت واکرام کا برتاؤ کیا ہے۔ گویا ہمارے جوشیلے نوجوان، رفض کے رَدِّعمل کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو نقائص چن چن کر جمع کرتے ہیں، وہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لائقِ توجہ تھے، نہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی نظر میں، اور نہ اکابرِ اہلِ سنت کی نظر میں...!

اب ان اِشکالات کے حل کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان مزعومہ نقائص کا ایک ایک کرکے جواب دیا جائے، یہ طریقہ طویل بھی ہے اور شفا بخش بھی نہیں، کیونکہ فطری بات ہے کہ جس شخص سے نفرت وعداوت کی گرہ بیٹھ جائے اس کی طرف سے خواہ کتنی ہی صفائی پیش کی جائے، تکدر نہیں جاتا۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما اور اکابرِ اہلِ سنت پر اِعتماد کرکے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا محبوب ومطاع سمجھا جائے، اور ان کے بارے میں جو اِشکالات پیش آئیں، انہیں اپنی فہم کا قصور سمجھا جائے، بلکہ ان اِشکالات پر حتی الوسع توجہ ہی نہ کی جائے۔ اس ناکارہ کے نزدیک یہی آخرالذکر طریق پسندیدہ اور اَسلم ہے۔ ان دونوں صورتوں کی مثال ایسی ہے کہ گھر کے صحن میں خس وخاشاک پڑے ہوں اور آدمی ان سے گھر کی صفائی کرنا چاہتا ہو، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک ایک تنکے کو اُٹھاکر باہر پھینکے۔ ظاہر ہے اس میں وقت بھی زیادہ صَرف ہوگا، مگر پوری صفائی پھر بھی نہیں ہوگی۔ اور دُوسری صورت یہ ہے کہ جھاڑو لے کر تمام صحن کو صاف کردے، اس میں وقت بھی زیادہ نہیں لگے گا اور صفائی بھی دیدہ زیب ہوجائے گی۔ پس میرے نزدیک مؤخرالذکر طریق ہی ایسی جھاڑو ہے جس سے شکوک وشبہات کے تمام خس وخاشاک سے سینۂ مؤمن کو پاک صاف کیا جاسکتا ہے۔ یہ روایات جن کی بنیاد پر اِشکالات کئے جارہے ہیں، ہمارے اکابرِ اہلِ سنت کی نظروں سے اوجھل نہیں تھیں، لیکن ان کے سینۂ بے کینہ میں حضرت علی یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے کبھی میل نہیں آیا، اور نہ کسی نے ان بزرگوں پر زبانِ طعن کھولی، جی چاہتا ہے کہ ہم آپ بھی بس یہی طریق اپنائیں۔

اسی ضمن میں ایک اور ضروری گزارش کرنے کو بھی جی چاہتا ہے! وہ یہ کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو جو زمانہ ملا وہ اَحادیثِ طیبہ کی اِصطلاح میں ''فتنے کا دور'' کہلاتا ہے، اور ''فتنے'' کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس میں صورتِ حال مشتبہ ہوجاتی ہے اور کسی ایک جانب فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کو یہی اِشکال پیش آیا، کچھ حضرات

فہرست

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، کچھ ان کے مقابل، کچھ غیر جانب دار، اپنے فہم واِجتہاد کے مطابق جس فریق نے جس پہلو کو راجح اور اَقرب الی الصواب سمجھا، اسے اختیار فرمایا، اور ہر فریق عنداللہ ماجور ٹھہرا، کیونکہ ان میں سے ہر شخص عنداللہ اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا، اور ہر ایک رضائے اِلٰہی میں کوشاں تھا۔ جب فتنے کا یہ غبار بیٹھ گیا تو اکابرِ اہلِ سنت نے اس فتنے کی تفصیلات میں غور وفکر اور کرید کرنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ ایک مختصر سا فیصلہ محفوظ کردیا کہ اس دور میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ خلیفۂ رَاشد تھے اور وہ حق پر تھے، باقی حضرات اپنے اپنے اِجتہاد کی بنا پر معذور وماجور ہیں......

اب ہمارے نوجوان نئے سرے سے اس دور کی تفصیلات کو کھنگال کر ان اکابر کے بارے میں ''بے لاگ فیصلے'' فرمانے بیٹھے ہیں، خود ہی انصاف کیجئے! کہ جن اکابر کے سر سے یہ سارے واقعات گزرے، جب وہی اس میں چکرا گئے تھے، اور ان کو صورتِ حال کا تجزیہ کرکے فیصلہ کرنا مشکل ہورہا تھا تو آج چودہ صدیوں کے بعد میں اور آپ، کتابیں پڑھ پڑھ کر فیصلے کرنے بیٹھ جائیں تو کیا کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کی توقع کی جاسکتی ہے...؟ کم ازکم اس ناکارہ کی نظر میں تو یہ بالکل ناممکن ہے! اور اس سے سوائے فکری انتشار اور دِلوں کی کجی کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ پھر یہ کارِ عبث بھی ہے، نہ تو قبر میں ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اَیامِ فتنہ کے واقعات میں کیوں غور وخوض نہیں کیا تھا؟ اور نہ حشر میں ہمیں یہ زحمت دی جائے گی کہ تم ان اکابر کے درمیان فیصلہ کرو اور ہر ایک کی فردِ جرم ...نعوذ باللہ!...مرتب کرو۔ پس ایک ایسی عبث چیز جس میں بحث وتمحیص کا کوئی نتیجہ متوقع نہ ہو، بلکہ اس سے دامنِ ایمان کے تار تار ہونے کا خطرہ لاحق ہو، اس میں وقتِ عزیز کو کھونا اور اپنی توانائی صَرف کرنا کہاں تک صحیح ہوگا...؟ اس لئے میرا ذوق یہ ہے...اور اسی کا آپ کو بلاتکلف مشورہ دینا چاہتا ہوں...کہ ان چیزوں میں اپنا وقت ضائع نہ کیا جائے، بلکہ اہلِ سنت کے عقیدے کے مطابق تمام اکابر صحابہؓ کا اِحترام ملحوظ رکھا جائے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو ان کے دورِ خلافت میں تمام صحابہ کرامؓ کا سرتاج سمجھا جائے، اور اس سلسلے میں

اگر کوئی اِشکال سامنے آئے تو اسے اپنے فہم کا قصور تصوّر کیا جائے، ان اکابرؒ کے حق میں لب کشائی نہ کی جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص روافض وخوارج کی طرح، اہلِ سنت کی تحقیق ہی کو صحیح نہیں سمجھتا، اور بزعمِ خود گزشتہ تمام اکابر سے بڑھ کر اپنے آپ کو محقق سمجھتا ہے، اس کے لئے یہ تقریر کافی نہیں، مگر خدا نہ کرے کہ ہم اور آپ یہ راستہ اختیار کریں......''

اِسی طرح ان صاحب کے ایک سوال کے جواب میں حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں:

''......جناب کا فقرہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ: ''کیا اس مقصد کے حصول کے لئے ''جنگِ صفین'' برپا نہیں کی گئی؟ عراقی اور عجمی جو کہ ''شیعانِ علی'' کہلائے شامیوں اور عربوں سے کس لئے دست وگریباں کئے گئے؟ وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ حضرت اَمیر معاویہؓ کو رُومیوں سے جنگ درپیش تھی۔''

اہلِ حق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے دورِ خلافت میں خلیفۂ برحق اور خلیفۂ راشد سمجھا ہے، اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات کی بنا پر اہلِ سنت کے عقائد میں داخل ہے، اس لئے ہمیشہ حضراتِ اہلِ سنت نے ان صحابہ کرامؓ کے عذر کو واضح کیا ہے جو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے بالمقابل صف آرا ہوئے، لیکن جناب کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ... نعوذ باللہ!... حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ جائر تھے، جنھوں نے ہوسِ اِقتدار کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کو کٹوادیا، گویا جناب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بھی انکار ہے، جس کی آگے چل کر جناب نے یہ کہہ کر قریب قریب تصریح کردی ہے کہ: ''جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے، ان صاحب نے اور ''تاریخ الاسلام'' کے مؤلف نجیب خیرآبادی نے بھی حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ تینوں کی خلافت کے حالات تحریر کرنے کے بعد باب اس عنوان سے قائم کیا ہے:

''حضرت علیؓ بحیثیت گورنرِ کوفہ۔''

اگر جناب، اہلِ سنت کے عقیدے کے علی الرغم حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو خلیفۂ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے، تو مجھے جنگِ صفین وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

فہرست

موقف کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہئے، بلکہ خود اسی مسئلے پر گفتگو ہونی چاہئے کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ونظریہ صحیح ہے یا... نعوذ باللہ!... غلط؟ لیکن اگر آپ اہلِ سنت کے عقائد ونظریات کو برحق سمجھتے ہیں اور ان کے مطابق حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو خلیفۂ راشد جانتے ہیں تو آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ خلیفۂ راشد کو بغاوت رُونما ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہئے تھا؟

جہاں تک عراقیوں اور عجمیوں کو شامیوں اور عربوں سے دست وگریباں کرانے کا تعلق ہے! یہ عراقی وشامی اور عربی وعجمی کی تفریق حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے ذہن میں نہیں تھی، ان کے سامنے صرف مطیع وغیر مطیع کا سوال تھا، خواہ کوئی ہو، انہیں نہ شامیوں کے شامی، اور عربوں کے عرب ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی پَرخاش تھی، اور نہ عراقیوں اور عجمیوں سے محض ان کے عراقی یا عجمی ہونے کی بنا پر کوئی اُنس تھا، یہ تفریق ہی ''عصبیتِ جاہلیت'' ہے، جو میرے آپ کے ذہن میں تو آسکتی ہے، لیکن حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا دامنِ ذہن ان داغ دھبوں سے آلودہ نہیں تھا، وہ واقعتا خلیفۂ راشد تھے، ان کی حمایت میں صحابہؓ بھی تھے اور تابعینؒ بھی، عرب بھی تھے اور عجمی بھی۔ ''شیعانِ علی'' کی اِصطلاح ان کے زمانے کی نہیں تھی، بلکہ بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ جاکر وہاں کی گورنری کا منصب نہیں سنبھالا تھا، بلکہ مدینہ طیبہ سے خلیفہ بن کر گئے تھے اور مہاجرین وانصار نے ان سے بیعتِ خلافت کی تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ اکابر کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، ان میں صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہی کا نام باقی رہ گیا تھا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ خود بخود مستحقِ خلافت رہ گئے تھے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔

آپ نے یہ شبہ بھی کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان سے قصاص کیوں نہیں لیا؟ اور آپ نے ان کو مغفل ثابت کرنے کے لئے خاصا زورِ قلم صَرف کیا ہے۔ یہ شبہ آج کل بہت سے عنوانات سے بار بار دُہرایا جاتا ہے، مجھے صفائی سے یہ

فہرست

اعتراف کرنا چاہئے کہ ایک عرصے تک میں خود بھی اس وسوسے کا مریض رہا ہوں، مگر بحمداللہ! یہ وسوسہ محض وسوسے کی حد تک رہا، میں نے کبھی اس وسوسے کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ پر نکتہ چینی کا ذریعہ نہیں بنایا، اور نہ اس کی وجہ سے حضرتِ موصوفؓ سے محبت وعقیدت میں رتی برابر کوئی فرق آیا، بلکہ جب بھی ایسا وسوسہ آیا فوراً یہ خیال آتا رہا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ جنھوں نے تیئیس برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی ہے، جنہیں لسانِ نبوّت نے ''یُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ'' (صحیح بخاری ومسلم وترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۶۶) کا اعلیٰ ترین تمغہ مرحمت فرمایا۔ جنہیں پیچیدہ ترین مسائل میں صحیح فیصلہ کرنے کی سند ''اقضاهم علِیّ'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۶۶) کہہ کر عطا فرمائی۔ اور ''اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۶۷) کی دُعا دے کر حق کو اُن کے ساتھ، اور اُن کو حق کے ساتھ دائر وسائر کردیا۔ وہ علم ودانش، دیانت وامانت، طہارت وتقویٰ اور مقاصدِ شریعت کے فہم وبصیرت میں مجھ نالائق بدکار سے تو بہرحال فائق ہی تھے۔ (واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ اب تو اس خیال کو بھی گستاخی اور سوءِ ادب سمجھتا ہے اور اس پر سو بار اِستغفار کرتا ہے، کہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ! اور کہاں مجھ ایسے ٹٹ پونجیے!: ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'')

پس انہوں نے وفورِ علم وتقویٰ، کمالِ خشیت وانابت اور خدا اور رسول سے محبت ومحبوبیت کے باوصف جو کچھ کیا، وہ عین تقاضائے شریعت وتقویٰ ہوگا، اور اگر ان کا موقف مجھ نالائق کو سمجھ میں نہ آئے تو ان پر اِعتراض کا موجب نہیں، بلکہ اپنی بدفہمی لائقِ ماتم ہے۔ الغرض اس وسوسے کو ہمیشہ اپنی نالائقی وکم فہمی پر محمول کیا، تاآنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دستگیری فرمائی اور اس وسوسے سے نجات دِلائی۔ فله الحمد وله الشُّکر!

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے خلاف یورش کی اور آپ کے مکان کا محاصرہ کیا، فقہِ اسلامی کی رُو سے ان کی حیثیت باغی کی تھی، پھر ان کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ لوگ جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید

کر کے اپنی دُنیا و عاقبت برباد کی، اور دُوسرے وہ لوگ جن کا عمل صرف محاصرے تک محدود رہا۔ اوّل الذکر فریق میں چھ نام ذکر کئے جاتے ہیں: ۱-محمد بن ابی بکرؓ، ۲-عمرو بن حمقؓ، ۳-کنانہ بن بشیر، ۴-غافقی، ۵-سودان بن حمران، ۶-کلثوم بن تجیب۔ مگر قاتلینِ عثمان میں اوّل الذکر دونوں صاحبوں کا نام لینا قطعاً غلط ہے، کیونکہ محمد بن ابی بکرؓ کے بارے میں تو تصریح موجود ہے کہ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا اور حضرت نے یہ فرمایا کہ: ''بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے اور وہ اس حرکت کو دیکھتے تو پسند نہ کرتے!'' تو یہ شرمندہ ہوکر پیچھے ہٹ گئے، اس کے بعد نہ صرف یہ کہ خود قتل میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ دُوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ اور حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اور علمائے اہلِ سنت نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی اس گناہ میں شریک نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابی بکرؓ اور عمرو بن حمقؓ کو قاتلینِ عثمان کی فہرست میں ذِکر کرنا صحیح نہیں۔

رہے باقی چار اَشخاص! ان میں سے مؤخر الذکر دونوں شخص موقع ہی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب صرف دو شخص رہ گئے: کنانہ بن بشیر اور غافقی، یہ دونوں موقع سے فرار ہوگئے، بعد میں یہ بھی مارے گئے۔ اس طرح قاتلینِ عثمان میں سے کوئی شخص ہلاکت سے نہیں بچا۔ رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرے تک محدود رہا، انہوں نے خونِ عثمان سے ہاتھ رنگین نہیں کئے، ان کی حیثیت باغی کی تھی، خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی آخری لمحے تک ان کے خلاف تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نئے خلیفہ کی اطاعت کرلی، انقیاد و اطاعت کے بعد محض بغاوت کے جرم میں کسی کو قتل کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ ''البحر الرائق'' (ج:۵ ص:۱۵۳) میں ہے:

''اور محیط میں ہے: جب باغی کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہتھیار ڈال دے تو اس سے ہاتھ روک لیا جائے گا، کیونکہ جس طرح حربی کافر اسلام لانے کے بعد معصوم الدم ہوجاتا ہے،

فہرست

اسی طرح باغی کے توبہ کرنے کے بعد اس کی جان و مال محفوظ ہوجاتے ہیں۔“

پس اطاعت و انقیاد کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں سے تعرض نہیں کیا تو یہ قواعدِ شرعیہ کے عین مطابق تھا۔ (یاد رہے کہ یہاں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت کررہا ہوں، جو اکابر صحابہؓ قصاص کا مطالبہ فرماتے تھے، وہ بھی اپنے علم و اِجتہاد اور فہم و بصیرت کے مطابق اپنے موقف کو برحق سمجھتے تھے، اور وہ عنداللہ اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کے مکلف تھے، ان کے موقف کی وضاحت کا یہ موقع نہیں)۔

اور ان پر ہماری نکتہ چینی دراصل باغیوں کے اَحکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اور جناب کا فقرہ کہ: ”وقتی ذہول اور اِجتہادی غلطی آخر کہاں کہاں تک اور کب تک ساتھ دے گی؟“ اس موقع پر قطعاً بے محل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں نہ کوئی ذہول ہوا، اور نہ انہوں نے یہاں کوئی اِجتہادی غلطی کی، بلکہ پوری بیدار مغزی کے ساتھ اس پیچیدہ ترین مسئلے میں ٹھیک منشائے شریعت کی تعمیل کی۔

جناب نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاملنے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدمِ تدبر کی دلیل قرار دیا ہے، اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جو شخص اپنے سگے بھائی کو اپنے موقف کا قائل نہ کرسکے اس کی بے تدبیری کا کیا ٹھکانا ہے! جناب نے یہ لطیفہ سنا ہوگا کہ ایک صاحب (مجھے نام میں تردّد ہے، کتاب اس وقت سامنے نہیں) کھانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے اور نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ”کھانا ان کا لذیذ ہوتا ہے اور نماز ان کی!“ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کے معاملے میں بہت ہی محتاط تھے، ان کے ہاں داد و دہش کی کوئی مد نہیں تھی، جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں خاصے فراخ دِل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ زُہد و تقویٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے نقشِ قدم پر تھے، اور ان کے بلند ترین معیار پر پورا اُترنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی، اس لئے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا اپنے

ماں جائے کو چھوڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں شمار کئے جانے کی چیز ہے کہ ان کے اعلیٰ ترین معیارِ تقویٰ کا ساتھ دینے سے ان کے سگے بھائی بھی قاصر تھے۔ لیکن کیا کیجئے! جس شخصیت سے اُلفت ومحبت کا رِشتہ نہ رہے، اس کے محاسن بھی عیوب نظر آیا کرتے ہیں......

اُموی اور عباسی دور میں وقتاً فوقتاً جو علوی وعباسی خروج رہتے رہے، جناب نے ان کو بھی ''عیوبِ علی'' کے ضمن میں ذِکر فرمایا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ان ''خروجوں'' کا منشا کیا تھا؟ ان میں سے کون سے حق بجانب تھے اور کون سے ناحق؟ اور یہ کہ اس وقت کے اکابرِ اُمت نے ان خروجوں کے بارے میں کیا اظہارِ خیال فرمایا؟ میں آپ سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کروں گا کہ آپ نے ان خروجوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف مرتب کردہ ''فردِ جرم'' میں کیسے شامل فرمالیا؟ کیا بعد کے لوگوں کے قول وفعل کی ...اگر وہ ناحق ہوں... ذمہ داری بھی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ ہی پر عائد ہوتی ہے؟ اگر کسی شخصیت کی طرف سے ہمارے دِل میں خدانخواستہ میل ہے، تو کیا ناکردہ گناہوں کو بھی اس کے کھاتے میں ڈال دینا چاہئے...؟

......جناب نے مقطعِ سخن پر اَذیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات چھیڑی ہے، تو یہ ناکارہ بھی جناب سے ایک بات پوچھنے کی جرأت کرتا ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا جو تعلق تھا، وہ بھی آپ کو معلوم ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اُن کے ''بے شمار مناقب'' بیان فرمائے ہیں، وہ بھی جناب کے سامنے ہیں، سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین شخصیت کے نقائص وعیوب تلاش کرنا، اس کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا، اس کی تحقیر کے پہلو کرید کرید کر نکالنا، اس سے خود نفرت رکھنا اور دُوسروں کو متنفر کرنے کی کوشش کرنا، کیا ان ساری باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَذیت نہیں ہوتی ہوگی؟ اب جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عیوب اُچھال رہے ہیں کیا ان کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر

فہرست

میں لائقِ ستائش ہے؟ اور کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کی تنقیص کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِیذا دہی کے مرتکب اور دُنیا و آخرت میں خسرانِ عظیم کے مستوجب نہیں؟ روافض... خذلہم اللہ!... سے ہمیں یہی تو شکایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی تنقیص کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِیذا دیتے ہیں، اگر یہی کام ہم بھی کرنے لگیں تو ان میں اور ہم میں کتنا فاصلہ رہ جاتا ہے...؟ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین!'' (''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' ج اوّل)

علوی مالکی:... علوی مالکی مکہ مکرمہ کے عرب عالم ہیں، مسلکاً بریلوی اور مشرباً شاذلی ہیں، انہوں نے بریلویت کی ترجمانی میں ''مفاهيم يجب ان تصحح'' تصنیف کی، جسے ان کے بعض پاکستانی معتقدین نے ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے نام سے اُردو کے قالب میں ڈھال کر شائع کیا، اور پورے شد و مد سے یہ دعوت دی کہ اس کتاب کے اُصولِ موضوعہ کی روشنی میں دیوبندی، بریلوی اِتحاد قائم کیا جائے۔ یہ کتاب حضرت شہیدؒ کے پاس تبصرے کے لئے لائی گئی تو نہایت مفصل مدلل تبصرہ فرماکر ثابت فرمایا کہ یہ دیوبندیت کی نہیں، بلکہ بریلویت کی ترجمان ہے۔ اس سلسلے میں جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن کو لکھا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مخدوم و مکرم جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن صدیقی صاحب زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ کرم مع ہدیۂ مرسلہ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کافی دِنوں سے آیا رکھا تھا، کثرتِ مشاغل نے کتاب اُٹھاکر دیکھنے کی مہلت نہ دی، اور خود طبیعت بھی اس طرف مائل نہ ہوئی۔ یہ ناکارہ تو اسے طاقِ نسیان میں بحفاظت رکھ چکا تھا، یکایک خیال آیا کہ آنجناب منتظرِ جواب ہوں گے۔ چنانچہ کتاب کو پڑھا، داعیہ پیدا ہوا کہ اس پر کسی قدر مفصل تبصرہ کروں، مگر مشاغل اس کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے مختصراً لکھتا ہوں کہ کتاب کے بعض مباحث

تو بڑے ایمان افزا ہیں، مگر جناب مصنف نے جگہ جگہ مخمل میں ٹاٹ کی پیوندکاری کی ہے اور شکر میں اپنے منفرد افکار (مفاہیم) کا زہر ملایا ہے، لہٰذا کتاب کے بارے میں اس ناکارہ کی رائے جناب محترم مولانا الحاج الحافظ مفتی عبدالستار دام مجدہٗ (صدر مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان) کے ساتھ متفق ہے۔ یہ کتاب ہمارے اکابرِ دیوبند کے مسلک ومشرب کی ہرگز ترجمان نہیں، اور اس سے اُمت کے درمیان اتحاد واتفاق کی جو اُمیدیں وابستہ کی گئی ہیں، وہ نہ صرف موہوم بلکہ معدوم ہیں۔ اس کے برعکس اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ اُمت تو اُمت، یہ کتاب ہمارے احباب کے درمیان منافرت ومغایرت اور تشقق وانتشار کی موجب ہوگی۔ اگر کتاب کے ترجمے اور اس کی اِشاعت سے قبل اس ناکارہ سے رائے لی جاتی تو یہ ناکارہ نہ ترجمے کا مشورہ دیتا نہ اِشاعت کا۔ جن حضرات نے اس پر تقریظات ثبت فرمائی ہیں، اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ انہوں نے بے پڑھے محض مؤلف کے ساتھ حسنِ ظن اور عقیدت سے مغلوب ہوکر لکھ دی ہیں، اور اگر کسی نے پڑھا ہے تو اس کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں، نہ ہمارے اکابر کے مسلک کو صحیح طور پر ہضم کیا ہے، بلکہ اس ناکارہ کو یہاں تک ''حسنِ ظن'' ہے کہ بہت سے حضرات نے کتاب کے نام کا مفہوم بھی نہیں سمجھا ہوگا، اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ ''مفاهيم: يجب ان تصحح'' کا مطلب کیا ہے؟ تو شاید تیر نشانے پر نہ لگاسکیں۔ چنانچہ اس کا اُردو نام: ''اِصلاحِ مفاہیم'' غمازی کرتا ہے کہ ترجمہ نگار اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ اُمید ہے کہ ان اِجمالی معروضات کے بعد مفصل تبصرے کی حاجت نہ ہوگی۔ دعواتِ صالحہ کا محتاج اور ملتجی ہوں۔ والسلام!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۰؍رجب ۱۴۱۵ھ

....

کچھ عرصے کے بعد یار لوگوں نے مشہور کردیا کہ حضرت شہیدؒ نے اپنے موقف

سے رُجوع فرمالیا ہے، اور علوی مالکی نے آپ کو شاذلیہ سلسلے میں خلافت بھی دے دی ہے۔ اس پروپیگنڈے کے جواب میں حضرت نے ایک تحریر لکھ کر اَحباب میں تقسیم کرائی جو درج ذیل ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرے بعض مخلص احباب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ علوی مالکی صاحب کی کتاب ''اِصلاحِ مفاہیم'' پر میرے تأثرات اور ''بینات'' میں اس کی اشاعت کے بعد کچھ ناعاقبت اندیش حضرات سیدھے سادھے مسلمانوں اور میرے احباب میں یہ غلط فہمی پیدا کررہے ہیں کہ میں نے اپنی تحریر سے براءت کا اعلان کردیا ہے اور جناب علوی مالکی صاحب نے چشم بددُور! مجھے شاذلیہ سلسلے میں خلافت دی ہے: ''سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ'' میں ایسے حضرات کو اللہ سے ڈرنے اور عنداللہ مسئولیت کی یاددہانی کراتے ہوئے عرض کروں گا کہ اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے اس بہتان واِفترا کے بارے میں پوچھ لیں تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

میں آج بھی علوی مالکی کو بریلوی عقیدے کا حامل اور مبتدع سمجھتا ہوں، میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی اور نہ دیکھنا چاہتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے بدعت وہویٰ کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں، اور خاتمہ بالخیر کی دُعا کرتا ہوں۔ والسلام!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۰ رشعبان ۱۴۱۹ھ

....

آپ کی اس تحریر کے تھوڑے دِنوں بعد ہی ایک دُوسرا طوفان یہ اُچھالا گیا کہ حضرت شہیدؒ کو جناب صوفی محمد اقبال صاحب نے خلافت دی ہے، اور وہ بھی سلسلۂ شاذلیہ میں۔ جب حضرت شہیدؒ نے سلسلۂ شاذلیہ کی خلافت قبول فرمالی تو گویا سابقہ موقف سے رُجوع کرلیا۔ اور یہ پروپیگنڈا تاحال جاری ہے اور شنید ہے کہ اس سلسلے کی ایک تحریر

فہرست

ہزاروں کی تعداد میں پھیلائی گئی ہے۔ لیکن صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ مخدومِ مکرّم برادرم مولانا مفتی محمد جمیل خان اس مجلس میں مدینہ منورہ میں موجود تھے، جس میں جناب صوفی محمد اقبال نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ''میں کب دیوبندیوں کا مخالف ہوں؟ آپ حضرات نے مجھے خواہ مخواہ دیوبندیوں سے نکال دیا، فلاں اور فلاں...۔'' غرض خوب اپنی بے گناہی ثابت کی اور اپنے موقف سے رُجوع کا اعلان کیا، اور پھر ازراہِ تحدیثِ نعمت حضرت مولانا علی المرتضیٰؒ (ڈیرہ غازی خان) کی جانب سے سلسلۂ نقشبندیہ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کو سلسلۂ نقشبندیہ کی خلافت پیش کی۔ (بحمداللہ! مولانا مفتی محمد جمیل خان اور دُوسرے رُفقاء اس واقعے کے چشم دید زندہ گواہ موجود ہیں) راقم الحروف کو جب اس پروپیگنڈے کا علم ہوا تو حضرت شہیدؒ سے عرض کیا کہ لوگ اس طرح کی بات اُڑا رہے ہیں، صحیح صورتِ حال کیا ہے؟ اس پر حضرتؒ نے فرمایا... اور واللہ! ھذا لفظہ...: ''اگر صوفی صاحب شاذلیہ کی خلافت کی بات کرتے تو واپس منہ پر نہ مار دیتا!''

جماعت المسلمین:... جو اِنسان ایک بار شیطان کے بہکاوے میں آجائے اور وہ اِتباعِ سلف کی بجائے خودرائی وخودروی کی پُرپیچ پگڈنڈی پر چل نکلے، شیطان اسے زندگی بھر چین وسکون نہیں لینے دیتا، بلکہ وہ اغوائے شیطانی اور سلف بیزاری کی بدولت پوری اُمت کو گمراہ سمجھتا ہے۔ کچھ یہی معاملہ ''جماعت المسلمین'' کے لوگوں کا ہے کہ خیر سے حدیث کے نام پر انہوں نے غیرمقلدیت سے ترقی کرکے پوری اُمت کو گمراہ اور کافر کہنا شروع کردیا ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اپنے بیشتر فتاویٰ اور ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے علاوہ اپنے ایک شاگرد سے اس عنوان پر کتاب مرتب کرائی اور اس پر تقریظ لکھی جو درج ذیل ہے:

''اس پُرفتن دور میں دِینی ودُنیاوی، ظاہری وباطنی فتنے مختلف رنگ رُوپ میں پے درپے ظاہر ہو رہے ہیں، اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہی وکجی کی راہوں کی طرف دھکیلنے میں سرگرداں ہیں، لیکن اس سب کے باوجود دُوسری طرف اہلِ حق کی ایک جماعت

فہرست

شب وروز کی انتھک محنت ومشقت کے نتیجے میں ان فتنوں کی بیخ کنی میں مصروفِ عمل ہے اور تا قیامت قائم ودائم رہے گی۔ انہی فتنوں کی ایک کڑی نام نہاد ''جماعت المسلمین'' ہے، جو قرآن وحدیث کی غلط تاویلات وتعبیرات کے ذریعے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں اِختلاف واِفتراق پیدا کرکے گمراہی کی راہ کھول رہی ہے، اور لچر قسم کے وساوِس وشبہات کے ذریعے قرآن وسنت کے حاملین، فقہاء ومحدثین اور سلف صالحین سے اُمت کا رِشتہ توڑنے میں مصروفِ کار ہے، اللہ سب کو پناہ میں رکھے۔ آمین!

ناکارہ نے ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں نہایت منصفانہ تجزیہ کرتے ہوئے ان فرقوں کو خیرالقرون کی کسوٹی میں پرکھا ہے، لیکن ''اہلِ حدیث'' ہی میں سے نکلے ہوئے نام نہاد ''جماعت المسلمین'' نامی گروہ پر، مجھے بوجہ عوارض وضعف کے لکھنے کا موقع نہ ملا، البتہ یہ خدمت ناکارہ کے ایک شاگرد جناب مولانا مفتی اکرام الرحمٰن سلمہ اللہ نے سرانجام دے کر اُمت پر اِحسان کیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ موصوف کو ترقیات سے نوازے اور ان کی اس تالیف کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہر مسلمان کو اس تالیف سے استفادہ کی توفیق دے۔''

تنظیمِ اسلامی:... جناب ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا مودودی صاحب کے تربیت یافتہ ہیں، علماء اور دِینی جماعتوں کے بارے میں ان کا وہی مزاج ہے جو جناب مودودی صاحب کا تھا۔ شروع شروع میں جب انہوں نے علماء کے خلاف لب کشائی کی تو حضرت شہیدؒ نے ان کی خدمت میں لکھا اور خوب لکھا، حضرت شہیدؒ کی مسلکِ حقہ کی ترجمانی کے چند اِقتباسات پیش خدمت ہیں:

''....کسی دِینی تحریک کی قیادت درحقیقت نیابتِ نبوّت ہے، اور نیابتِ نبوّت کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے جو وراثتِ نبوّت کا حامل ہو، اور وراثتِ نبوّت کے اُصول تین ہیں: علمِ صحیح، عملِ صحیح اور تزکیۂ باطن۔ جن کی طرف آیتِ کریمہ: ''وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ط'' (البقرۃ:۱۲۹) میں اشارہ فرمایا ہے۔ پس جو شخص کہ علمی رُسوخ میں لائقِ اعتماد نہ

ہو، جس کا عملی معیار مستند نہ ہو، جس نے اہلِ قلوب اور اَربابِ باطن کی صحبت میں رہ کر اپنے اخلاق کا تزکیہ اور اپنی باطنی کیفیات کی تصحیح نہ کی ہو، اس کے بارے میں کیسے باور کرلیا جائے کہ وہ کسی دِینی تحریک کی قیادت کرتے ہوئے نیابتِ نبوّت کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرسکے گا؟ اور وہ کسی اِفراط وتفریط، خودرائی اور کج رَوی کا شکار نہیں ہوگا؟ دِینی قیادت تو بہت دُور کی بات ہے! دُنیا کا وہ کون سا کام ہے جس کے لئے بقدرِ ضرورت لیاقت ومہارت کی شرط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، اور جب کوئی اناڑی اس کام میں ہاتھ ڈالے تو اہلِ عقل وخرد اس سے اندیشہ وخطرہ محسوس نہیں کرتے؟ ایک گاڑی کا ڈرائیور، جس نے ڈرائیونگ نہ سیکھی ہو، جب مسافروں سے بھری گاڑی کو لے کر چلے تو کیا اہلِ عقل اس سے خطرہ محسوس نہیں کریں گے؟ اور کیا ٹریفک کے سپاہی اس سے لائسنس کا مطالبہ نہیں کریں گے؟ اور کیا ڈاکٹر صاحب نے اہلِ عقل کے اس اندیشے اور ٹریفک کانسٹیبل کے اس مطالبے پر کبھی تعجب کا اظہار کیا...؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایسا شخص جس نے علومِ نبوّت کو کسی ماہر سے نہیں سیکھا، جس نے کسی مردِ کامل کی صحبت میں رہ کر اپنا تزکیۂ باطن نہیں کرایا، جس نے لائقِ اعتماد مشائخ سے حکمتِ دِین کا درس نہیں لیا، جس نے کتاب وسنت کے اَسرار وحقائق کو کسی جاننے والے سے نہیں سمجھا، جس نے اپنے علم وعمل، عقائد ونظریات اور سیرت واخلاق کو اُسوۂ نبوی میں ڈھالنے کی محنت وریاضت نہیں کی، اور جس کا فہمِ دِین جنگل کی خودرو گھاس ہے، وہ دِینی قیادت کا منصب سنبھالتا ہے اور دِین کی گاڑی کا ڈرائیور بن کر نکلتا ہے اور حضراتِ علمائے کرام ...جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے دِین کا صحیح فہم عطا فرمایا ہے... اس پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب سراپا حیرت بن کر پوچھتے ہیں کہ: ''یہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس پر علمائے کرام خواہ مخواہ دُور دراز کے اندیشوں اور وسوسوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں؟ اس غریب نے آخر کیا جرم کیا ہے جس پر علمائے کرام پریشان ہیں؟ ''رُجوع الی القرآن'' کی دعوت کا بیڑا ہی تو اُٹھایا ہے، اور ''تنظیمِ اسلامی'' کی قیادت اور ''جہاد پر بیعت'' لینا ہی تو شروع کیا ہے۔''

گویا قرآنِ کریم کی دعوت وترجمانی اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے

ایک تنظیم کی قیادت کا منصب بہت ہی سرسری اور معمولی بات ہے، جس پر اہلِ علم کو کسی اندیشے اور خطرے کا احساس نہیں کرنا چاہئے۔''فیا لغربة الاسلام، وضیعة المسلمین... إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون''

ڈاکٹر صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد ہوگی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا:''جب امانت ضائع کردی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو!'' عرض کیا گیا: امانت کیسے ضائع کردی جائے گی؟ فرمایا: ''جب معاملہ نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو!''

اور یہ بھی کہ:''وعظ کہنا تین آدمیوں کا کام ہے: امیر کا، مامور کا، یا متکبر کا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: رِیاکار کا۔''

الغرض! ڈاکٹر صاحب نے علماء کی تشویش کا جو سبب دریافت کیا ہے، وہ حقیقی سبب نہیں، بلکہ اصل سبب وہی ہے جس کا اُوپر ذِکر کیا گیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی ہو یا غلام احمد پرویز! ان سب کی خودرائی وخودرَوی کا اصل سبب بھی یہی تھا کہ انہوں نے ''دِینی طب'' کی ڈگری حاصل کئے بغیر، اُمت کی مسیحائی کا کام شروع کردیا، اس ''عطائیت'' کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس کی خواہشات جہاں تک لے جاسکیں، وہ وہاں پہنچ گیا، کوئی اِلحادوزَندقے کی وادیوں میں بھٹکنے لگا، اور کوئی اس حد کے عبور کرنے میں کسی حد تک محتاط رہا۔

یہ ہے وہ مسلسل تجربہ، جو علمائے اُمت کو خوارج وروافض کے دور سے آج تک ہوتا رہا، اور جسے ''تنظیمِ اسلامی'' کے اَمیرِ محترم ایک بار پھر دُہرا رہے ہیں، اور لطف یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ خود اپنی حالت پر غور کرتے کہ وہ دِینی قیادت کے بلندترین منصب کے اہل بھی ہیں یا نہیں؟ اُلٹا علمائے کرام سے شکایت کرتے ہیں کہ وہ ان کی قرآنی دعوت اور ان کے حلقۂ بیعت سے تعاون کیوں نہیں کرتے؟ جب کہ ٹیلی ویژن کے ''الہدیٰ'' کا غلغلہ بلند ہے، سینکڑوں نہیں ہزاروں پڑھے لکھے لوگ ان کے حلقۂ اِرادت میں شامل ہونے کو سعادت سمجھ رہے ہیں، اور وہ پاکستان سے امریکا تک قرآن کی دعوت کو پھیلانے اور

فہرست

مسلمانوں کو جہاد کے لئے منظم کرنے میں سرگرمِ عمل ہیں۔

کاش! ان سے گزارش کی جاسکتی کہ قبولیت عنداللہ کے بازار میں اس شہرت وقبولیت کی قیمت پھوٹی کوڑی کے برابر بھی نہیں، اور جب تک کسی صاحبِ نظر کی طرف سے یہ کام تفویض نہ کیا جائے اس سے دھوکا کھانا کسی طرح بھی روا نہیں:

بصاحب نظر بنما گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

یا مولانا معین الدین اجمیریؒ کی طرح کوئی ان سے جرأت کے ساتھ کہہ سکتا کہ:

''ایاز! قدرِ خویش شناس!''

مگر ڈاکٹر صاحب مطمئن ہیں کہ اس آزادی کے زمانے میں ان کو اِمامت وقیادت سے کون روک سکتا ہے؟ اور چند سرپھرے ان کے بارے میں کچھ لکھیں گے بھی تو ...ان کے ارادت مندوں کا حلقہ سلامت رہے... یہ لوگ ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟ ان کو تو ''علمائے سوء''، ''کٹھ مُلاَّ'' یا کم از کم ''تنگ نظر'' کے چھوٹے سے بم سے اُڑادیا جائے گا، رہا آخرت کا معاملہ! سو وہ جب آئے گی دیکھا جائے گا......

ڈاکٹر صاحب تو اپنی فتوحات پر نازاں ہیں اور اسے تائید ونصرتِ الٰہی کا کرشمہ سمجھ رہے ہیں، لیکن یہ ناکارہ ان کی اس بلند پروازی اور ان کے اس جرأت مندانہ اِقدام سے واقعتا کانپ رہا ہے، خدا خیر کرے! جو جتنا اُونچا اُڑتا ہے، جب گرتا ہے تو اتنا ہی نیچا گرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک خطاب میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی قرآن کانفرنسوں میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد گوندلوی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا عبیداللہ انور، مولانا تقی عثمانی، مولانا عبدالرحمٰن (جامعہ اشرفیہ)، مولانا سیّد ابوبکر غزنوی، پروفیسر سلیم چشتی، مولانا طاسین اور ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمٰن جیسے اکابر تشریف لاتے رہے ہیں۔

ان حضرات کی ''قرآن کانفرنسوں'' میں شرکت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر

صاحب کو قرآن فہمی میں درجۂ اِستناد حاصل ہوچکا ہے، اور اب وہ قرآن کی دعوت پر ''تنظیمِ اسلامی'' قائم کرکے لوگوں کو اپنے حلقۂ بیعت میں داخل کرنے کے مجاز ہوچکے ہیں۔ دُوسرے کے بارے میں نہیں تو کم از کم اپنے شیخ و مربی حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کے بارے میں تو یہ ناکارہ عرض کرسکتا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی خودرائی اور قلّتِ علم کے شاکی تھے، اور انہیں قرآنِ کریم کی تشریح و تفسیر اور دِینی قیادت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ماہنامہ ''بینات'' کا آخری شمارہ جو حضرتؒ کی زندگی میں شائع ہوا، اس کے ''بصائر و عبر'' میں ڈاکٹر صاحب کی تفسیر دانی پر تنقید کرتے ہوئے حضرتؒ لکھتے ہیں:

''افسوس کہ آج ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ سب سے آسان کام یہی ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر و تشریح کا بیڑا اُٹھائیں، پھر چاہے اسلام کا بیڑا ابھی غرق ہوجائے۔ میں سب کی نیتوں پر شبہ نہیں کرتا، لیکن طرزِ عمل پر تنقید کرتا ہوں۔ یہ مانا کہ کہیں کہیں عمدہ بات اور بہتر توجیہہ بھی کرلیتے ہیں، لیکن کہیں اپنی رائے کی حرمت اور علم کی کمی (کی وجہ) سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ ان کی تمام محنتوں پر پانی پھر جاتا ہے، اور بسا اوقات وہ غلطی گمراہ کن اور خطرناک ہوتی ہے اور قطعی عقیدے کے خلاف ہوتی ہے۔ بطورِ مثال اس وقت ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ ہمارے ایک محترم نے سورۃ العصر کی تفسیر و تشریح میں حسبِ ذیل حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے:

الف:... سورۃ والعصر میں نجات کی کم از کم چار شرائط بیان ہوئی ہیں، اور ان سے کم پر نجات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہاں کامیابی کی فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن کا تذکرہ نہیں، بلکہ صرف آخری درجے میں پاس ہونے کی شرط کا بیان ہے۔

ب:... ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق، تواصی بالصبر،

چاروں شرطیں لازمی ہیں، اوران میں سے کسی ایک کو بھی ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ہر کلمہ گو کی نجات لازمی ہے، گویا نجات کے لئے صرف ایمان اوراس کا بھی محض زبانی اقرار کافی ہے۔ (دیکھو: ''انسان کا اصلی سرمایہ'' اَز ڈاکٹر اسرار احمد، مطبوعہ: اِدارہ اشاعتِ علوم ملتان)

افسوس کہ اس وقت تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں، صرف اِجمال واِختصار سے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ متواترہ اوراہلِ سنت والجماعت کی تصریحات ہیں کہ اصلی نجات یعنی کفر سے نجات جس کا نتیجہ خلودِ نار اور دوامی جہنم ہے، صرف ایمان پر ہے، جو کلمۂ شہادت میں ذِکر ہے، بشرطیکہ دِل وجان سے یہ عقیدہ ہو، صرف زبانی اعتراف نہ ہو۔

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: ''بلاشبہ حق تعالیٰ شرک وکفر کو نہیں بخشتا اوراس کے علاوہ جسے چاہے بخش دے۔'' عملِ صالح کو جزوِ ایمان ایسا ماننا کہ اس کے نہ ہونے سے نجات نہ ہو، اور اِنسان کافر بن جائے، یہ مذہب خوارج کا ہے اور قریب اس کے معتزلہ کا مذہب ہے۔ بہرحال اس قسم کا نظریہ دورِ حاضر میں جناب مودودی صاحب نے اپنی کتابوں میں بہت زور وشور سے پیش کیا، شاید ہمارے محترم چونکہ ان کے رفیقِ کار تھے، ان سے لیا ہوگا، اور مودودی صاحب سے پہلے غالباً مولانا فراہی صاحب مرحوم بھی اس قسم کی باتیں لکھ چکے ہیں۔ بہرحال کسی نے کہا ہو، سراسر غلط ہے۔ قرآنِ کریم کے نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے، اور اہلِ سنت

والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ پھر سورۂ والعصر میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کو تیسرے درجے کی کامیابی سمجھنا سراسر غلط ہے۔ وہ تو اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے اُوپر کوئی درجہ نہیں ہوسکتا۔ ''وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اسلام کی کوئی بات باقی نہیں رہی جو اس میں نہ آئی ہو، اس وقت تفصیل کا موقع نہیں، ورنہ صاف صاف ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے جہاں ہمارے محترم سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ دراصل باکمال اصحاب کی صحبت کے بغیر علمِ دِین اور قرآنِ کریم کا فہم میسر نہیں آسکتا۔ اسی وجہ سے مولانا مودودی صاحب بھی ان خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوگئے کہ تعجب ہوتا ہے۔''

(ماہنامہ ''بینات'' رمضان وشوال ۱۳۹۷ھ ص:۶، ۷)

حضرت بنوری قدس سرہٗ کی یہ تحریر آج سے سات برس پہلے کی ہے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے ''تنظیمِ اسلامی'' کی بیعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اگر چاہتے تو حضرتؒ کی اس رائے سے اِستفادہ کرتے ہوئے اسے سرمۂ چشمِ عبرت بنا سکتے تھے....

(''دورِ حاضر کے تجدد پسندوں کے اَفکار'' ص:۴۸۶-۴۹۳)

(مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ)

تردیدِ آغاخانیت

حضرت شہیدؒ نے ہر فرقۂ باطلہ کے خلاف نہ صرف قلم اُٹھایا بلکہ اس کے سدِّباب کے لئے سرگرمِ عمل افراد کے ساتھ عملی اور مالی تعاون فرمایا۔ ان فِرَقِ باطلہ میں سے ایک فرقہ آغاخانی بھی ہے، حضرت اقدسؒ نے آغاخانیوں کے خلاف متعدّد مضامین تحریر فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ اسماعیلی مذہب کی تاریخ اور اس مذہب سے عوام الناس کو آگاہ کرنے کے لئے ایک کتاب تلاشِ بسیار کے بعد دریافت فرمائی، اور اسے اپنے خرچ پر مکتبہ

فہرست

''بینات'' کی طرف سے شائع فرمایا۔اس کتاب کا نام''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اوراس کا نظام'' ہے۔ یہ کتاب نوسوصفحات پر مشتمل ہے، جو بالکل نایاب تھی، آغاخانیوں نے ہرجگہ سے اس کتاب کو اُٹھوادیا تھا تاکہ ان کی اصلیت سے کوئی بھی واقف نہ ہوسکے۔ حضرتؒ نے اس کتاب کو دریافت فرمایا اور شائع کرکے دوسو کتابیں پاکستان کی بڑی بڑی لائبریریوں اوراہم شخصیات کو مفت ارسال فرمائیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ چترالی شہیدؒ نے آغاخانیوں کے عقائد پر مشتمل ایک اِستفتاء مرتب کیا اوراس پر دُنیا بھر کے علمائے کرام سے فتویٰ حاصل کیا، یہ فتویٰ حضرت اقدسؒ کی کوششوں سے کتابی شکل میں کئی بار شائع ہوا، جس کا انتظام حضرت اقدسؒ نے بذاتِ خود فرمایا اور یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی۔ مزید یہ کہ حضرت شہیدؒ نے اس کتاب پر ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مفصل مقدمہ بھی تحریر فرمایا جو کہ نہایت ہی جاندار، مدلل اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس میں آغاخانیوں کے سلسلۂ امامت ...جسے آغاخانی مذہب میں کلیدی حیثیت حاصل ہے...اس پر دقیق بحث فرمائی، اورخود آغاخانیوں کی کتابوں کے حوالے سے ان کی اِمامت کے سلسلۂ نسب کو مدلل طریقے سے کئی جگہ منقطع اور مشکوک ثابت کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج تک آغاخانی مشنری اور لندن میں قائم آغاخانیوں کا اسٹڈی سینٹر اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

ذیل میں ہم حضرتؒ کے تحریر کردہ دو اقتباس نقل کرتے ہیں جو آپؒ نے ''اسماعیلیہ اورعقیدۂ اِمامت کا تعارف تاریخی نقطۂ نظر سے'' نامی کتاب کے مقدمے میں تحریر فرمائے:

> ''اسماعیلی مذہب پر کتابوں کی کمی کی شکایت قریباً ہر زمانے میں رہی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب ایک باطنی تحریک ہے، وہ اپنی دعوت خفیہ ذرائع سے پھیلانے کے قائل ہیں، یہ لوگ اپنی تحریک کا کھلا تعارف پسند نہیں کرتے، بلکہ ایسا بھی

فہرست

ہوا ہے کہ بعض حضرات نے بڑی محنت وجستجو سے باطنیوں کے حالات پر کتابیں لکھیں، لیکن اس تحریک کے اکابر نے انہیں منظرِ عام سے غائب کرادیا۔

اس اِخفا کی وجوہات کئی ایک ہوسکتی ہیں، ایک سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ یہ باطنی دعوت ''اہلِ بیت'' کے نام پر پیش کی جاتی تھی، مگر اہلِ بیت کے اکابر جو عام لوگوں کے سامنے موجود تھے ان کو اس دعوت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی، اگر علانیہ یہ دعوت پیش کی جاتی تو ائمۂ اہلِ بیت اس کو فوراً جھٹلا دیتے، اس لئے باطنی تحریک کے داعیوں نے نہ صرف اپنی دعوت اور اس کی سرگرمیوں کو صیغۂ راز میں رکھا، بلکہ ائمۂ اہلِ بیت کو بھی مکتوم اور مستور بنادیا۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ اِمام کہاں ہیں جس کی تم دعوت دیتے ہو؟ تو کہہ دیا جاتا کہ بحکم الٰہی وہ کسی نامعلوم مقام پر چھپے ہوئے ہیں اور ان سے ملاقات کی کسی کو اِجازت نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی دعوت جس کے مرکزی کردار بھی پردۂ ستر میں ہوں اس کو کھلے بندوں کیسے جاری رکھا جاسکتا تھا؟

دُوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ باطنی داعیوں کے پاس کوئی مربوط اور مفصل نظام نہیں تھا، اس لئے جس داعی کی سمجھ میں جو بات آجاتی وہ کہہ دیتا، علانیہ دعوت کی صورت میں ان کے آپس میں اختلافات رُونما ہوتے، اس لئے دعوت کا رُخ ظاہر سے باطنی کی طرف کردیا گیا، تاکہ داعیوں کے خودتراشیدہ حقائق منظرِ عام پر نہ آسکیں۔

اور اس سے بڑی وجہ اِخفا کی یہ تھی کہ اسماعیلی دعوت میں

جو باتیں بنیادی اُصول کے طور پر پیش کی جاتی تھیں، وہ ایک مسلمان کے لئے اتنی متوحش تھیں کہ بھلے زمانوں کے مسلمان ایسی باتوں کو کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ باطنی اُصول کہ اللہ تعالیٰ کا نورِ علیؓ میں حلول کر گیا ہے، اس لئے علیؓ خود اللہ ہے، اور پھر یہی منصبِ اُلوہیت بعد میں دیگر ائمہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ کون مسلمان ہوگا جو اس باطنی اسماعیلی عقیدے کو سن کر آسانی سے ہضم کر جائے اور اس عقیدے کو علانیہ طور پر پھیلانے کی اجازت دے...؟ اس لئے اس دعوت کا، اس کے بنیادی اُصولوں اور اس کے مرکزی کرداروں کا یہاں تک اِخفا کیا کہ یہ تحریک ہی ایک باطنی تحریک کے نام سے مشہور ہوگئی۔‘‘

’’....اسماعیلیوں کی سفاکی و بے رحمی کی ایک مثال ابن النابلسی شہیدؒ کے قتل کا وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ حافظ ابنِ کثیرؒ نے ’’البدایہ والنہایہ‘‘ (ج:۱۱ ص:۲۸۴) میں اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے ’’سیر اعلام النبلاء‘‘ میں کیا ہے، اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’اِمام ابوبکر محمد بن احمد بن سہل الرملی المعروف بہ ابن النابلسی اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے، عابد و زاہد اور صائم الدہر تھے، حدیث و فقہ میں اِمام تھے۔ فاطمیوں نے جب مصر پر غلبہ حاصل کیا تو اسماعیلی عقائد کو لوگوں پر بزورِ شمشیر مسلط کرنا چاہا، ابن النابلسی شہیدؒ ان کی اس حرکت سے نالاں تھے اور نہ صرف ان کے اس طرزِ عمل پر تنقید کرتے تھے، بلکہ ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسماعیلی حکمران انہیں گرفتار کرنا چاہتے تھے، وہ رملہ سے دمشق چلے گئے، وہاں کے گورنر نے ان کو گرفتار کر کے لکڑی کے پنجرے میں بند کر کے

فہرست

مصر بھیج دیا، یہ ۳۶۵ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ابوتمیم معز فاطمی حکمران تھا اور اس کا غلام اَمیرِ عساکر ''جوہر'' سیاہ وسفید کا مالک تھا۔ ابن النابلسی شہیدؒ کو قائد جوہر کے سامنے پیش کیا گیا، جوہر نے پوچھا کہ تم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ ان میں سے ایک تیر رُوم کے نصرانیوں کے خلاف اور نو اِسماعیلیوں کے خلاف استعمال کرے؟ ابن النابلسی شہیدؒ نے فرمایا: جناب! آپ کو روایت غلط پہنچی ہے، میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا، بلکہ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دس تیر ہوں تو وہ نو تیر تو تمہارے خلاف استعمال کرے اور دسواں تیر بھی نصرانیوں کے بجائے تم لوگوں پر برسائے، کیونکہ تم نے دِین کو بدل ڈالا، خدا کے نیک بندوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور تم نورِ اُلوہیت کے مدعی بن بیٹھے۔ جوہر نے حکم دیا کہ ان کی تشہیر کی جائے (منہ کالا کرکے بازار میں پھرایا جائے)، دُوسرے دِن ان کی پٹائی کا حکم دیا، تیسرے دِن ایک یہودی کو حکم دیا کہ ان کی زندہ کھال کھینچ لی جائے۔ یہودی نے سر کی چوٹی سے ان کی کھال کھینچنا شروع کی، چہرے تک کھال اُتاری گئی مگر انہوں نے اُف تک نہیں کی بلکہ صبر وسکون کے ساتھ ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہے، اور قرآنِ کریم کی آیت: ''وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا'' (الاحزاب:۳۸) (اور ہے حکم اللہ کا مقدر ٹھہر چکا) کی تلاوت فرماتے رہے، یہاں تک کہ سینے کی کھال اُتاری گئی اور ان کے صبر واِستقامت کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی، بالآخر کھال کھینچنے والے یہودی کو ان پر ترس آیا اور اس نے دِل کی جگہ خنجر گھونپ کر ان کا قصہ تمام کردیا۔ کھال اُتارنے کے بعد اس میں بھوسا بھرا گیا اور بھوسا

بھری کھال کو سولی پر لٹکایا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ!‘‘

(سیر اعلام النبلاء ج:۱۶ ص:۱۴۸، ۱۴۹)

یہ اسماعیلیوں کی سفاکی و بربریت کی ایک مثال ہے جس کے پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں! اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسماعیلی خونخواروں کے ہاتھوں کتنے علمائے حقانی نے جامِ شہادت نوش کیا ہوگا...؟‘‘

بندہ حضرتؒ سے شروع ہی سے بہت بے تکلف تھا، لیکن ۱۹۹۲ء میں جب حضرت شہیدؒ سے مسجدِ نبوی میں بیعت کی سعادت حاصل ہوئی تو حضرتؒ سے اپنی سابقہ بے تکلفی کے پیش نظر عرض کیا کہ: حضرت! میں تو ہر وقت آغا خانیوں کے پیچھے پڑا رہتا ہوں، آپ کے ارشاد فرمودہ معمولات پورے کرنا تو میرے لئے مشکل ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: ’’اسی تردیدِ آغا خانیت کے کام کو ڈبل کرلو، یہی تمہارا وظیفہ ہے!‘‘ میں سمجھتا ہوں کہ حضرتؒ کی اسی دُعا اور نسبت کی وجہ سے آغا خانیوں کے خلاف اس مشن کو آج تک جاری رکھے ہوئے ہوں، اللہ تعالیٰ اس مشن کو قبول فرمائے اور حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔

(قاری فیض اللہ چترالی)

***

تصنیفی خدمات

تصنیف و تالیف

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے رفعت و بلندی کے اوجِ ثریا اور آپؒ کی عزّت وشہرت کے سورج کو نصف النہار تک پہنچایا تھا، اس میں آپؒ کی مقبولیت عنداللہ کے علاوہ آپؒ کے قلم کی جولانی کا بہت زیادہ دخل تھا، آپؒ کی تحریرات دُنیا کے ہر گوشے میں پڑھی جاتی رہیں اور اب تک پڑھی جارہی ہیں۔ جیسا کہ حضرت شہیدؒ نے خود فرمایا کہ تحریر کا آغاز تو میں نے طالب علمی کے دور سے کردیا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں آپؒ نے مشکوٰۃ کی شرح تحریر فرمائی، جیسا کہ آپؒ نے خود اپنے تذکرے میں فرمایا ہے، یہ شرح آپؒ نے کس انداز میں لکھی ہوگی اور کیوں شائع نہیں ہوئی؟ اس کا علم حضرت شہیدؒ کے علاوہ کسی کو نہیں، البتہ حضرتؒ اس کو ''طبع زاد'' فرمایا کرتے تھے اور سفر کے دوران وہ کہیں اِدھر اُدھر ہوگئی۔ آپؒ نے اس کا نام ''التقریر النجیح'' تجویز فرمایا تھا، اگر محفوظ ہوتی تو حضرتؒ اس پر بہت کام کرسکتے تھے، مگر مقدرات کے فیصلے اپنی جگہ اٹل ہوتے ہیں۔ آپؒ کی تحریر کا یہ دور ۵۳-۱۹۵۴ء کا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں آپؒ دستارِ فضیلت حاصل کرکے تدریس کے لئے روشن والا تشریف لے گئے، تقریباً آٹھ دس سال آپؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا اس کا سراغ نہ مل سکا، اور نہ ہی حضرتؒ نے ہی اس کے بارے میں کچھ فرمایا، اسی طرح ''التقریر النجیح'' بھی دستیاب نہ ہوسکی، ان حالات سے بظاہر ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا کہ حضرتؒ کبھی قلمی میدان کی طرف بھی رُخ کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں

فہرست

آپؒ سے جو کام لینا تھا اس کے لئے آپؒ کے قلب میں داعیہ پیدا کرنے کا پہلے ہی سے انتظام فرمایا تھا، بس وقت اور چنگاری کا انتظار تھا...!

''بیس بڑے مسلمان'' کے مؤلف اور آپؒ کے ہم درس ساتھی مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نے آپ کی وفات کے دُوسرے دِن جمعہ کے خطاب میں فرمایا کہ حضرت شہیدؒ طالب علمی کے دور میں ہی جمعہ کے دِن مسجد سراجاں ملتان میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی تقریر سننے کے لئے اِلتزاماً جایا کرتے تھے، اور حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپؒ دِل میں بات اُتار دیتے، خاص کر عقیدۂ ختمِ نبوّت اور تردیدِ قادیانیت کے موضوع کو تو ایسے دِلنشین انداز میں مثالوں سے واضح کرتے کہ آپؒ کی تقریر سننے والا ختمِ نبوّت کا مبلغ بن جاتا، اور علمائے کرام کو تو آپ خصوصیت کے ساتھ اس فتنے کی طرف متوجہ کرتے۔

فہرست

یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ قادیانیت کے تعاقب میں گلی گلی، کوچہ کوچہ لگے ہوئے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر قادیانی چاند پر بھی پہنچ جائیں تو وہاں بھی ان کا تعاقب کروں گا۔ شہیدِ اسلام کے ذہن وقلب میں عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ کا مشن اس وقت اور راسخ ہو چکا تھا، اسی بنا پر ۱۹۶۳ء کے اَواخر میں جب ماموں کانجن میں آپؒ تدریس میں انہماک سے مصروف تھے اور شام کو تفریحِ طبع کے لئے ایک دوست مستری ذکراللہ (لوہار) کی دُکان پر تشریف فرما ہوتے اور ہلکی پھلکی علمی گفتگو فرماتے، مستری ذکراللہ اپنے لوہے کی بھٹی میں لوہا گرم کرنے میں مصروف رہتے اور حضرتؒ کی باتوں پر بھی سر دھنتے۔ اَحراری ہونے کے ناتے قادیانیت کی تردید سے متعلق سوالات بھی فرماتے رہتے، غالباً انہی کے یہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کا رسالہ ''صدقِ جدید'' دیکھا، یا آپؒ کے مدرسے میں ''صدقِ جدید'' آتا ہوگا، وہاں دیکھا۔ اس میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے مرزائیوں کی حمایت میں ایک شذرہ لکھا تھا۔ غالباً ان کو پوری معلومات نہ تھیں، یا آزادیٔ خیال اور وسیع الظرفی کی بنا پر شذرہ لکھ دیا، جیسا کہ روشن خیال

لوگوں کا طریقہ ہے۔ حضرت شہیدؒ نے اس کا تذکرہ مستری ذکراللہ سے کیا، دونوں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے اس شذرے پر تبصرہ کرتے ہوئے افسردہ ہوئے اور مستری ذکراللہ نے حضرت شہیدؒ سے درخواست کی کہ وہ اس کے جواب میں مضمون تحریر فرمائیں۔ حضرتؒ نے عذر کیا کہ کہاں میں اور کہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسی دیوہیکل شخصیت! میرے جیسے نوآموز اور غیر معروف شخص کے لئے تو کوئی مضمون لکھنا ہی ممکن نہیں، اگر ہمت کر کے قلم گھسیٹ بھی لیا تو کون چھاپے گا؟ دُنیا میں بڑے بڑے اکابر موجود ہیں، وہ ضرور جواب لکھیں گے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ اسی دوران دارالعلوم دیوبند نے ''صدقِ جدید'' کے اس شذرے پر گرفت کرتے ہوئے ایک مضمون شائع کیا، مگر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مستری ذکراللہ مرحوم کو اس مضمون سے تشفی نہیں ہوئی، اور مستری ذکراللہ نے حضرت شہیدؒ کو مجبور کیا کہ آپ اس کا جواب ضرور لکھیں۔ حضرت شہیدؒ کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوَٹ اور مانع مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا احترام تھا، ورنہ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی طرف سے ودیعت کردہ جذبۂ عقیدۂ تحفظِ ختمِ نبوّت آپ کو چین نہیں لینے دیتا تھا، اور آپ اس پر بہت زیادہ کڑھتے ہوئے کسی مدلل جواب کے منتظر تھے، اور اس کے لئے مختلف رسائل کا مطالعہ کرتے رہے۔ مگر ہر ایک نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے احترام میں خاموشی کو مناسب سمجھا۔ اِدھر مستری ذکراللہ کی اَحراری حمیت ان کو چین نہ لینے دیتی اور وہ حضرت شہیدؒ سے اِصرار کرتے، اس اِصرار نے مہمیز کا کام دیا اور حضرت شہیدؒ نے بالآخر قلم اُٹھایا، ہاتھ اور قلم اس پہلی حرکت کے منتظر تھے، اِدھر ہاتھ حرکت میں آیا اُدھر قلم اُٹھا، دوسری جانب دِل ودماغ کی اسکرین پر مولانا محمد علی جالندھریؒ کے ودیعت کردہ علوم تیزی سے اُبھرنے لگے اور خیالات اور علوم ومعارف کا سمندر طوفانِ نوح اور سیلِ رواں کی طرح اُترنا شروع ہوا کہ ہاتھ اور قلم اس کی تیزی کے آگے عاجز آگئے، یوں ایک طویل اور محقق ومدلل مضمون جواب میں تیار کر کے ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کو اِرسال فرمادیا۔ اس تحریر کے ساتھ کہ: ''ایک طالبِ علم کے دِل کی بھڑاس قرطاسِ ابیض پر منتقل ہوگئی ہے، تصحیح

فہرست

فرما کر اسے رسالے میں شائع کر دیا جائے۔'' مگر قدرت کی فیاضی جوش میں تھی، محمد یوسف لدھیانویؒ کا سفرِ ترجمانِ علمائے حق ولسانِ ختمِ نبوّت کا آغاز ہو رہا تھا، اس لئے قبولیت کے دروازے کھل رہے تھے، جواب تو کیا آتا، ماہنامہ ''دارالعلوم'' آیا تو حضرت شہیدؒ کے مضمون کی پہلی قسط بغیر کسی قطع وبرید کے من وعن شائع ہوچکی تھی۔ اس مضمون کی اشاعت نے آپؒ کے قلمی جواہر مستری ذکراللہ کے علاوہ علمائے حق پر بھی کھول دیئے، اور اَحباب نے آپ کو اس طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ ''صدقِ جدید'' کا شذرہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، جب کہ آپؒ کا مضمون ستمبر ۱۹۶۳ء اور جنوری ۱۹۶۴ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔

آغازِ سفر جب اتنا مبارک اور مقبولیت عنداللہ کا آئینہ دار ہوا، تو اس کے اثرات کا دُنیا پر ظاہر ہونا منطقی نتیجہ تھا۔ مضمون نگاری کا آغاز ہی اتنے بڑے قلمکار اور صاحبِ علم شخصیت کے خیالات کی تردید سے ہو تو علم وادب اور الفاظ اور دلائل کے اعتبار سے مضمون نگار کی مہارت کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس شعبے سے تعلق رکھتا ہو۔ بہرحال قلم کی گرد چھٹی تو آپؒ کے قلم نے رُکنے کا نام نہ لیا، مضمون کی اشاعت کے ساتھ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے فرزندِ اکبر ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے مدیر اور دارالعلوم دیوبند کے مخلص ترین بزرگ مولانا سیّد ازہر شاہ قیصر نے... جنھوں نے آپؒ کی تحریر میں پوشیدہ جوہر کو محسوس کرلیا تھا... درخواست کی کہ فتنۂ اِنکارِ حدیث پر بھی ایک مدلل مضمون فوری طور پر اِرسال فرمائیں۔ حضرت شہیدؒ کے لئے یہ حکم سرمایۂ زندگی کی حیثیت رکھتا تھا، اور ایک ایسا اعزاز تھا جو کسی نئے لکھنے والے کو بہت ہی کم ملا ہوگا۔ فوری طور پر ایک مضمون فتنۂ اِنکارِ حدیث ہی کے عنوان سے لکھ کر اِرسال کر دیا، جسے مولانا سیّد ازہر شاہ قیصر نے فوری طور پر شائع فرمایا۔ یہ مضمون اتنا پسند کیا گیا کہ جمعیت علمائے اسلام کے رسالہ ''ترجمانِ اسلام''... جو حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد علی جالندھریؒ کی سرپرستی اور مجاہدِ اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ جیسے اکابر کی نگرانی اور ڈاکٹر احمد حسین کمال جیسے تجربہ کار لکھاری اور صاحبِ قلم کی زیرِ اِدارت شائع ہو رہا تھا، اور پاکستان بھر کے علمائے کرام کا ترجمان تھا... میں بھی شائع ہوا،

فہرست

اور جمعیت علمائے اسلام سرگودھا کے ذمہ داروں نے کتابچے کی شکل میں طبع کرا کر اس کو ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا۔ ایک مضمون نگار کی مہارت اور مقبولیت عنداللہ کا اس سے زیادہ مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ !

۱۹۶۲ء میں جنرل ایوب خان اپنی شہرت کے نصف النہار پر تھے کہ ان کے دِل ودِماغ میں ان کے حواری اور خوشامدی ٹولے نے اس کو ''اکبرِ اعظم'' بنانے کا خناس بھرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز جیسے منکرینِ حدیث اور ماڈرن اسلام کے علم بردار اس کے اِردگرد جمع ہوگئے، پاکستان کے اسلامی تشخص کو اِسلام کے نام پر ختم کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا گیا، سرکاری سرپرستی میں ''اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی'' قائم کرکے اسلام کے مسلّمات کو ختم کرنے کا پروگرام بنالیا، سرکاری ماہنامہ آرگن ''فکر ونظر'' کے ذریعے اسلامی اَحکامات کی تنسیخ وتحریف کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ الامان الحفیظ!

فہرست

محدث العصر علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ، مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ اور مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کے لئے یہ صورتِ حال ایسی نہ تھی کہ وہ میدانِ عمل میں نہ کود پڑتے۔ ان حضرات نے ان کا تعاقب شروع کیا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز کے افکار جمع کرکے اس کے خلاف پورے پاکستان کے علمائے کرام سے فتاویٰ حاصل کئے اور ''متفقہ فتویٰ'' کے عنوان سے کتابی شکل میں ان کو شائع کردیا گیا۔ دُوسری طرف ماہنامہ ''بینات'' کو اس فتنے کی سرکوبی کے لئے مختص کردیا، شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے ان دِنوں کا نقشہ اس انداز میں کھینچا ہے:......

''......ان دِنوں فیلڈ مارشل ایوب خان ''پاکستان کا اکبر بادشاہ'' بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے بعض ملحد رُفقاء ابوالفضل اور فیضی کا کردار ادا کر رہے تھے، ''اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی'' ان کی کمین گاہ تھی جہاں اِستشراقی افکار کی آری سے اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لئے دِن رات کام ہو رہا تھا۔

''اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی'' کا ماہنامہ تو ان دِنوں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے اِلحاد اور نفاق کا خصوصی ترجمان تھا ہی، اس کے علاوہ دیگر اَخبارات ورسائل میں بھی ان کے ملحدانہ افکار وسیع پیمانے پر شائع ہو رہے تھے۔ ادھر حضرت بنوریؒ کا ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف میدانِ جہاد میں اُترا ہوا تھا۔ ''بینات'' کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت بنوریؒ کی تمامتر ظاہری و باطنی قوتیں فضل الرحمانی فتنے کا سر کچلنے پر مرکوز ہیں۔''

حضرت شہیدؒ ماموں کانجن کے اس دُور اُفتادہ قصبے میں ماہنامہ ''بینات'' کا مطالعہ فرماتے تھے، اس لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے ملحدانہ نظریات کے پرچار کی وجہ سے سخت مضطرب ہوگئے اور بے ساختہ اپنا دردِ دِل ایک خط کے ذریعے حضرت بنوریؒ پر ظاہر کردیا، حضرت کے جواب میں تاخیر ہوئی تو ایک دُوسرا عریضہ اسی مضمون کا ارسال کیا کہ ''حضرت! آپ اکابر ہی اس اِلحاد وزَندقہ کے سیل کے آگے بند باندھ سکتے ہیں۔'' اس کے جواب میں حضرت بنوریؒ نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گرامی قدر محترم .... لکل خیر وسعادة

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

نامۂ کرم نے مشرف کیا۔ آپ کا پہلا کرم نامہ بھی آیا تھا لیکن میں اس وقت ٹائیفائڈ بخار میں صاحبِ فراش تھا، مراسلات اور لکھنے پڑھنے سے معذور تھا، بخار طویل ہوگیا، کوئٹہ تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے جانا پڑا، اسی طرح آمدہ خطوط کے ڈھیر میں مکتوب دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا سب دُرست ہے۔ آپ کے دِینی جذبات اور دِینی اِحساسات سے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ

فہرست

ان مبارک خیالات کو اُمت کے لئے نافع بنائے اور مثمر فرمائے، آمین! انہی مقاصد کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ مل کر ''دعوت و اصلاح'' کے نام سے ایک اِدارہ کی تشکیل کی گئی ہے، مطبوعہ پمفلٹ ارسال کیا جائے گا۔ بہرحال دُعا کریں، غفلت یا تغافل نہیں، مؤثر تدبیر زیرِ غور ہے۔ اس وقت اتنا ہی لکھ سکتا ہوں۔ والسلام!

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ''

حضرت شہیدؒ کے جذبات کے لئے یہ خط رحمت کے جھونکے کی طرح ٹھنڈک کا باعث ہوا اور آپؒ کو اِطمینانِ قلبی نصیب ہوا۔ اس طرح آپؒ کے اور مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے درمیان اس رشتۂ محبت کا آغاز ہوا، جس کے ثمرات اگلے برسوں میں اُمت کے سامنے ظاہر ہوئے اور حضرت بنوریؒ کے آخری الفاظ اور دُعا کی مقبولیت دُنیا کے سامنے ظاہر ہوئی جس سے حضرت بنوریؒ کے مستجاب الدعوات اور حضرت شہیدؒ کے بقول مقبولیت عنداللہ ہونے کا اندازہ ہوا۔ بہرحال حضرتؒ کے اس خط کے بعد شہیدِ اسلام حضرت لدھیانویؒ نے ماہنامہ ''بینات'' میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ اِقتباسات کی روشنی میں ایک تردیدی مضمون تحریر فرمایا، جس کا عنوان ''ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اُصول'' تجویز کیا۔

بقول حضرت شہیدؒ: ''میں نے اس کی ایک نقل حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی مدیر ماہنامہ ''بینات'' کو بھیج دی، چونکہ یہ ناکارہ اس میدان میں بالکل اناڑی تھا اور اس مضمون میں بعض نازک تعبیرات آگئی تھیں، اس لئے مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میرا قلم جادۂ اِستقامت سے بھٹک نہ گیا ہو، اس لئے میں نے حضرت مولانا میرٹھی مدظلہ العالی سے درخواست کی کہ اس مضمون کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور کوئی چیز اصلاح طلب نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمادی جائے۔ اس ناکارہ کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ مضمون ''بینات''

میں چھپ سکتا ہے، مدعا صرف یہ تھا کہ اگر اس کی تصحیح وتصویب فرمادی جائے تو کسی اور پرچے میں چھاپ دیا جائے گا۔لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میرے منسلک عریضے کے جواب میں نہ صرف یہ کہ مدیر ''بینات'' کا گرامی نامہ موصول ہوا، بلکہ اس کے ساتھ میرے حضرت اقدس شیخ بنوریؒ کا کرامت نامہ بھی تھا کہ: تمہارا مضمون پسند آیا،تم رمضان المبارک ہمارے پاس گزارو،اگر یہ تعلق مستقل ہوجائے تو بہت ہی بہتر ہوگا۔''

حضرت شہیدؒ کے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے اندر تواضع اور کسر نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ باوجود ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ترجمانِ اسلام'' جیسے وقیع اور بڑے رسالوں میں مضامین کی اشاعت کے،کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہیں تھا کہ میرا مضمون ''بینات'' میں قابلِ اشاعت ہوسکتا ہے۔اس کے ساتھ حضرت شہیدؒ اِبتدا ہی سے علمائے حق کے ساتھ وابستگی اوران کی تحقیق پراعتماد کوذریعۂ نجات تصور کرتے تھے اور کسی صورت میں اپنی تحقیق اور تحریر پراعتماد نہیں تھا، اسی بنا پر آپؒ نے فرمایا کہ: ''تعبیرات میں کہیں میرا قلم جادۂ حق و اِستقامت سے ہٹ نہ گیا ہو' اور تحریر وتقریر میں آپ کا یہ طرز زندگی بھر رہا۔ایک مرتبہ برمنگھم ختمِ نبوّت کانفرنس میں بعض لوگوں نے آپؒ کے بعض خلفاء پر اِشکال کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے قائل نہیں ہیں، تو اس پر حضرت شہیدؒ نے واضح طور پر فرمایا کہ ہمیں اپنی تحقیق پر ذرا بھی اعتماد نہیں، ہم نے کامیابی کا گر ابتدا ہی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اکابر کی تحقیق پر اِعتماد کر کے ہی نجات پائی جاسکتی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ''آبِ حیات'' میں جو مسلک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں واضح فرمایا ہے، ہم اس پر قائم ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ اطہر میں حیات ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں۔''

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا بات ہو رہی تھی حضرتؒ کے مضمون کی۔

حضرت شہیدؒ کا یہ مضمون آپ کی زندگی کا وہ عظیم موڑ ثابت ہوا جس نے بعد میں آپ کو محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کا ''ہم نام اور ہم کام'' بنادیا۔

شہیدِ اسلامؒ نے حضرت بنوریؒ کے یہاں رمضان المبارک کے قیام کے جواب میں فرمایا کہ: ''رمضان المبارک چونکہ والد صاحب کے پاس گزارتا ہوں، اس لئے وہ تو کراچی آنے کی اجازت نہیں دیں گے، البتہ یکم رشعبان کو تعطیل ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا۔'' چنانچہ آپؒ وعدے کے مطابق حضرت بنوریؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت بنوریؒ نے اس حاضری کے موقع پر فرمایا کہ: ''میری خواہش ہے کہ تم مستقل میرے پاس آجاؤ اور ایک سال کے لئے ماموں کانجن والوں سے چھٹی لے کر اگلے سال شوال سے میرے یہاں کام شروع کرو۔ ماہنامہ ''بینات'' تمہارے سپرد کردیا جائے گا۔'' حضرت شہیدؒ نے عرض کیا: ''میرے معاملات حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری کی اجازت پر موقوف ہیں، کیونکہ میں نے اپنی زندگی کا لائحۂ عمل طے کیا ہوا ہے کہ خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا تاکہ خودرائی اور آزادفکری پیدا نہ ہو، اس لئے فارغ ہوتے ہی حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری سے بیعت بھی کرلی اور اپنے معاملات بھی ان کے سپرد کردیئے۔ انہوں نے ہی پہلے روشن والا اور اب ماموں کانجن بھیجا ہے، آپ ان سے فرمادیں، وہ حکم دیں گے تو بصد شوق حاضرِ خدمت ہوجاؤں گا۔'' حضرتؒ نے نہایت بشاشت سے فرمایا کہ: ''ہم حضرت جالندھری کو خط لکھیں گے اور وہ ضرور اجازت دے دیں گے۔'' ۲۸ رشعبان المعظم کو حضرت شہیدؒ رُخصت ہونے لگے تو حضرت بنوریؒ نے ایک لفافے میں دوسوروپے ہدیہ پیش کیا۔ حضرت شہیدؒ نے عرض کیا کہ: ''حضرت! میں اپنا کرایہ لے کر آیا تھا، اس کی ضرورت نہیں۔'' (اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شہیدؒ شروع ہی سے مستغنی عن الدنیا تھے) حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''یہ کرایہ نہیں، میری طرف سے ہدیہ ہے!'' حضرت شہیدؒ نے فوراً قبول فرمایا۔ حضرت بنوریؒ نے اس کا بارہا بعد میں تذکرہ کیا کہ: ''تمہارے اس انکار نے ہی گھائل کردیا تھا!''

حضرت بنوریؒ نے حضرت جالندھریؒ کو خط تحریر فرمایا۔ جواب میں تاخیر پر حضرت شہیدؒ کو خط لکھا کہ وہ میرے خط کے حوالے سے حضرت جالندھریؒ کا عندیہ معلوم کریں، حضرت شہیدؒ نے دستی خط حضرت جالندھریؒ کو پیش کیا، جس کے جواب میں حضرت جالندھریؒ نے

فہرست

فرمایا کہ: ’’میں حضرت بنوری کو جواب لکھ رہا ہوں، تمہارا کچھ عرصہ کے لئے کراچی رہنا مفید ہے۔‘‘ حضرت جالندھریؒ کی اجازت کے بعد حضرت شہیدؒ ماموں کانجن سے ایک سال کی رُخصت لے کر شوال ۱۳۸۶ھ میں کراچی روانہ ہوگئے۔ حضرت بنوریؒ نے ایک سبق کے ساتھ ’’بینات‘‘ مکمل حضرت شہیدؒ کے حوالے کردیا۔ ایک سال مکمل ہونے پر شعبان ۱۳۸۷ھ میں حضرت بنوریؒ نے حضرتؒ سے فرمایا کہ: ’’آپ بال بچوں کو لے کر کراچی آجائیں اور مستقل یہیں قیام کریں۔‘‘ حضرت شہیدؒ کے لئے اس وقت بچوں کے ہمراہ کراچی آنا ممکن نہیں تھا، اس لئے معذرت فرمائی تو حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ ’’پھر ’’بینات‘‘ کی تدوین کے لئے ہر ماہ دس دِن آپ ہمیں دے دیں۔‘‘ حضرت شہیدؒ کے لئے اس تجویز کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں تھا، اس لئے یہ تجویز قبول فرمالی اور ماموں کانجن کے مدرسے والوں سے اس تجویز پر بات کی تو انہوں نے دس دِن کی رُخصت ہر ماہ قبول کرنا اپنے مدرسے کے مصالح کے لئے مناسب نہ سمجھا۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے مولانا فاضل رشیدیؒ نے اس تجویز کو بخوشی قبول فرمایا اور اس طرح حضرت شہیدؒ کا احیاء العلوم ماموں کانجن کا تدریسی سفر جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی طرف منتقل ہوگیا۔ جامعہ رشیدیہ کا شمار اس وقت پاکستان کے بڑے مدارس میں ہوتا تھا، حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رائے پوری، حضرت علامہ غلام رسول صاحب، حضرت مولانا مقبول احمد، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدی اور حضرت مولانا محمد عبداللہؒ جیسے اکابر کے اخلاص، تواضع اور شفقت ومحبت کی برکت سے جامعہ رشیدیہ کی فضا رشکِ جنت تھی۔ اس ماحول میں آپ بیس دِن تدریس کے ذریعے طلبہ کو فیضیاب کرتے اور دس دِن کراچی میں ’’بینات‘‘ کی تدوین وترتیب کرکے رسالہ پریس میں بھیج کر روانہ ہوجاتے۔ حضرت شہیدؒ کا یہ دور انتھک محنت کا دور تھا، جامعہ رشیدیہ میں کئی کتابوں کی تدریس کے لئے گھنٹوں مختلف شروحات کا مطالعہ اور اس کے ساتھ ’’بینات‘‘ میں شائع ہونے والے مضامین کی تصحیح وایڈیٹنگ، اوراس کے ساتھ دیگر رسائل کا مطالعہ تاکہ ماہنامہ ’’بینات‘‘ کی علمی ساکھ کو برقرار رکھا جاسکے۔

فہرست

گرمی ہو یا سردی ہر ماہ دس دِن کے لئے کراچی کا سفر اور وہ بھی ریل گاڑی کے تھرڈ کلاس میں، اکثر آپ کو برتھ نہیں ملتی تھی تو بیٹھ کر سفر فرماتے، دیکھنے والوں کو اندازہ ہے کہ حضرتؒ ۲۴ گھنٹے میں صرف عصر کے بعد حضرتؒ کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، اس کے علاوہ پورا وقت آپؒ کا ایک کمرے میں گزرتا تھا۔ رنگین دھوتی اور بنیان میں ملبوس ایک شخصیت اپنی سوچوں میں منہمک وضوخانے پر آتی جاتی نظر آتی، اس کے علاوہ آپؒ ہمہ تن کام میں مشغول رہتے۔ مضامین کی تصحیح، کتابت کی پروف ریڈنگ، اس کے بعد کاپی لگوانا، کاپیوں کی چیکنگ کے بعد پریس روانہ کرنا اور پھر دوبارہ ریل کے ذریعے جامعہ رشیدیہ پہنچ کر تدریس میں مشغول ہونا۔ اس زمانے کے رُفقا کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کے علاوہ آپ کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ خود حضرت نے ارشاد فرمایا: ''یار لوگ آتے اور گھنٹوں بیٹھ کر چلے جاتے، اور بعد میں خط کے ذریعے شکوہ کرتے کہ ہم گھنٹوں بیٹھے رہے اور تم نے سر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔'' واقعی اس زمانے میں حضرت شہیدؒ نے اپنے شیخ ومرشد مولانا محمد زکریاؒ کی وہ سنت ادا کردی جو "بذل المجھود" کی طباعت کے موقع پر تھانہ بھون میں ان کی کیفیت ہوتی تھی، جس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی رشک فرماتے تھے۔ حضرتؒ کے اس دور میں آپؒ کے ہم عصر بھی آپ کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اکابر علمائے کرام آپ سے محبت کا اظہار کرتے۔ ماہنامہ ''بینات'' علمی رسالوں میں سب سے مقبول اور معیاری علمی رسالہ تھا۔ اس میں آپ کے مضمون کی اشاعت سے آپ کی علمی اور تحریری شہرت پاکستان میں پھیلنی شروع ہوئی۔ دُوسری طرف محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے اعتماد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا، حضرت بنوریؒ ہر سال شعبان میں آپ پر اصرار فرماتے کہ بال بچوں کو لے کر مستقل کراچی آجاؤ، مگر حضرت شہیدؒ عذر کر دیتے۔ اس سلسلے میں حضرت شہیدؒ نے اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ: ''دراصل میں کراچی کے اِخراجات اور بچوں کے معاملات کی دیکھ بھال سے خوفزدہ تھا، لیکن حضرتؒ کے سامنے اس کا اظہار کرتا تو حضرتؒ فوری رقم کا بندوبست فرماتے، جو میری غیرت کو گوارا نہ تھا۔''

فہرست

حضرت بنوریؒ اس بارے میں اتنے زیادہ فکرمند اور سنجیدہ تھے کہ ایک مرتبہ جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگردِ خاص اور معتمد اَسیرِ مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب، اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی صاحبزادی سے رِشتۂ اِزدواج میں منسلک ہونے کے موقع پر کراچی تشریف لائے ہوئے تھے تو حضرت بنوریؒ، حضرت مولانا نافع گلؒ اور حضرت مولانا عزیر گل تشریف فرما تھے کہ حضرت شہیدؒ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت شہیدؒ نے محبت و عقیدت سے لپک کر مصافحہ کی سعادت حاصل کی، ادھر حضرت بنوریؒ نے حضرت شہیدؒ کا تعارف شروع کرادیا کہ یہ میرے ہم نام، میرے رفیق ہیں، بہت ہی اُونچے درجے کے عالم اور صاحبِ قلم ہیں، ''بینات'' کے مدیر ہیں اور ان کی وجہ سے ہمیں بہت زیادہ راحت و آرام ہو رہا ہے، ''بینات'' کا مکمل کام انہوں نے سنبھال لیا ہے، اور بہت مشقت و محنت کرکے دُور دراز سے سفر کرکے صرف ''بینات'' کی خاطر دس دِن کے لئے تشریف لاتے ہیں، حضرت! ہم ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ یہ ہمارے مدرسے میں مستقل قیام کے لئے آجائیں، لیکن یہ عذر پیش کرتے ہیں، آپ ان سے کہئے کہ یہ مستقل طور پر ہمارے یہاں تشریف لے آئیں اور دُعا بھی فرمائیں۔''

حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے مخدوم حضرتؒ میری حوصلہ افزائی میں بہت ہی اُونچے الفاظ فرما رہے تھے اور میں شرم و حیا کی وجہ سے زمین میں گڑا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میرے حضرت کو مجھ سے کتنا تعلق ہے؟ اور میرا مدرسے میں قیام ان کے نزدیک کتنا اہم مسئلہ تھا، جس کے لئے وہ وقت کے سب سے عظیم اور بزرگ ترین انسان سے مجھے کہلوا رہے تھے، میں کافی عرصے تک اس گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ ایک دفعہ حضرت بنوریؒ نے خود ہی اس کی طرف اشارہ فرمادیا اور ایک ملاقات میں میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: ''میں آپ کو اور مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی کو اپنے مدرسے کا مدار سمجھتا ہوں!''

فہرست

حضرت بنوریؒ کے اعتماد کا اندازہ حضرتؒ کے اس جملے سے بھی بخوبی ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: ''یہ میرے ہم نام بھی ہیں اور ہم کام بھی ہیں۔''

حضرت شہیدؒ کے والد محترم ایک دفعہ حضرت بنوریؒ سے ملاقات کے لئے جامعہ خیرالمدارس ملتان تشریف لائے، حضرت بنوریؒ نے بہت تپاک سے خیر مقدم کیا، ملاقات کے بعد دریافت فرمایا کہ کتنے صاحبزادے ہیں؟ والد صاحب نے فرمایا: چار! حضرت بنوریؒ نے فرمایا: ''پانچواں محمد یوسف بنوری!'' اس سے حضرت بنوریؒ کے لطف وشفقت اور محبت واعتماد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال حضرت شہیدؒ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور علمائے پاکستان کے اعتماد کے ساتھ قلمی میدان میں ترقی کی منازل طے کرتے رہے۔ ۱۳۹۱ھ تک ''بینات'' کی مکمل تدوین وترتیب آپ کے ذمہ تھی، مگر چند مضامین کے علاوہ چھ سال میں آپؒ نے مستقل طور پر کوئی تحریری سلسلہ شروع نہیں کیا۔ ۱۳۹۱ھ میں آپؒ نے ''سیرتِ عمر بن عبدالعزیز'' (عربی) کا ترجمہ تسلسل کے ساتھ شروع کیا جو اُردو زبان میں پہلی معرکۃ الآرا کتاب تھی، جس میں لفظی ترجمے کے بجائے کتابی انداز میں تسلسل سے بہت آسان اور عام فہم زبان میں عنوانات کے ذیل میں مفہوم کو ادا کیا گیا تھا، جس کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ کوئی نئی کتاب ہے۔ صفر ۱۳۹۱ھ سے ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ تک یہ مضمون مسلسل ''بینات'' میں شائع ہوا اور بعد میں مستقل کتابی شکل میں ماہنامہ ''بینات'' کی جانب سے ہی شائع ہوا۔ اس کتاب کی تکمیل کے بعد محرم الحرام ۱۳۹۳ھ سے آپؒ نے علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کی مرتب کردہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب ''بذل القوة فی حوادث سنی النبوة'' کا ترجمہ شروع کیا، جس میں انہوں نے تمام واقعات کو سن کے لحاظ سے مرتب فرمایا تھا، اور اس کی تکمیل کے بعد دُوسرے سلسلے شروع فرمائے۔

فہرست

تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا کہ آپؒ دس دن ''بینات'' کی تدوین کے لئے تشریف لاتے اور بقیہ ایام جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریسی خدمات انجام دیتے اور حضرت بنوریؒ کی خواہش کے باوجود آپؒ کراچی مستقل تشریف نہ لائے۔ ۱۹۷۴ء میں حضرت بنوریؒ ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوّت'' کے امیر بنے اور آپؒ کی قیادت میں تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء کامیاب ہوئی تو حضرت بنوریؒ کے حکم پر جامعہ رشیدیہ والوں نے حضرت شہیدؒ کو دفترِ ختمِ نبوّت ملتان کے لئے جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح اب حضرت شہیدؒ بیس دِن دفترِ ختمِ نبوّت ملتان تشریف فرما ہوتے اور دس دِن بنوری ٹاؤن کراچی میں ''بینات'' کی تدوین کے لئے تشریف لاتے۔ دفترِ ختمِ نبوّت میں قیام کے دوران آپؒ نے رَدِّ قادیانیت پر تمام کتابوں کا بھرپور مطالعہ کیا اور آپؒ کے پہلے مضمون کا محرک اُبھر کر سامنے آیا اور اس کے بعد آپ کے قلم کی جولانی عقیدۂ تحفظِ ختمِ نبوّت اور رَدِّ قادیانیت پر اتنی مرکوز ہوئی جو بعد میں ''ترجمانِ ختمِ نبوّت'' یا ''لسانِ ختمِ نبوّت'' پر منتج ہوئی۔ یہ سلسلہ حضرت بنوریؒ کی وفات تک چلتا رہا، حضرت بنوریؒ کی وفات ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ، ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد میں ہوئی جب آپؒ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے، یہ سانحہ پورے عالم کے مسلمانوں کے لئے عظیم سانحہ تھا، مگر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی اور اس کے متعلقین کے لئے، اور خصوصاً اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا سیّد مصباح اللہ شاہؒ، ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ، مولانا محمد بنوریؒ اور دیگر اساتذۂ کرام کے لئے کسی قیامت سے کم نہ تھا، ہر ایک کی دُنیا لٹ گئی تھی، کافی عرصے تک ہوش وحواس کسی کے قابو میں نہ رہے، اساتذۂ کرام نے مفتی احمد الرحمٰن کو آپؒ کی وصیت کے مطابق جانشینی کے طور پر قبول کرلیا تھا، مگر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے لئے اس بارِ امانت کو سنبھالنا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا، انہوں نے پتا نہیں کس لجاجت اور منّت وسماجت سے حضرت شہیدؒ کو بنوری ٹاؤن آنے پر راضی کیا، یہ حضرت شہیدؒ

فہرست

اور مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے درمیان ایسا راز رہا جس کا اظہار ان دوحضرات نے کبھی نہیں کیا، البتہ حضرت شہیدؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''میرے حضرت بنوریؒ کی دُعا یا خواہش کی تکمیل حضرتؒ کی وفات کے بعد ہوئی، شاید تقدیر میں یہی لکھا تھا۔''

اس کے ساتھ ہی حضرت شہیدؒ فرمایا کرتے تھے: ''مفتی احمد الرحمٰن اس دور کے ولی ہیں۔''

۱۹۷۸ء میں حضرت شہیدؒ مستقل قیام کے لئے کراچی تشریف لے آئے اور تدریس کا سلسلہ ختم کرکے اپنے آپ کو تصنیف وتالیف کے لئے مختص کردیا، اب حضرت شہیدؒ کا وہ دور شروع ہوا جس کے لئے حضرت بنوریؒ کی درخواست پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے فرمایا تھا: ''تمہارا کراچی جانا مفید ہے!'' اب تک تو حضرت شہیدؒ حضرت بنوریؒ کے خادم کی حیثیت سے شریکِ سفر تھے اور ہم کام کی حیثیت سے ''بینات'' کے فرائض انجام دے رہے تھے، اب حضرت شہیدؒ کا اپنا دور شروع ہوتا ہے اور اس کا حق وہ کس طرح ادا کرتے ہیں اور اپنے اکابر اسلاف حضرت خیر محمد جالندھریؒ، حضرت بنوریؒ اور اکابر علماء کے اعتماد کی کس طرح پاسداری کرتے ہیں، اس کا اندازہ آپؒ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کراچی تشریف آوری کے بعد آپؒ نے اپنے شیخ ومربی حضرت بنوریؒ کی خدماتِ جلیلہ پر ''بینات'' نمبر کا اعلان کیا اور اس کے لئے دِن رات انتھک محنت کرکے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ایک عظیم مجلہ پہلی مرتبہ پیش کیا۔ حضرت شہیدؒ کے مضامین کا انتخاب اور حضرت نفیس شاہ صاحب اور ان کے خدام کی عمدہ کتابت اور تزئین وآرائش سے نمبر ظاہری وباطنی دونوں خوبیوں سے مزین ہوکر پوری دُنیا کے علمائے کرام سے خراجِ تحسین حاصل کرتا ہے، اور حضرت شہیدؒ کی وفاداری پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔

مئی ۱۹۷۸ء میں اِدارہ ''جنگ'' کے مالک میر شکیل الرحمٰن، مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ سے درخواست کرتے ہیں کہ میں ''جنگ'' میں اسلامی صفحہ شروع کرنا چاہتا ہوں، حضرت شہیدؒ کو اس کی اِدارت کے لئے اجازت دے دیجئے۔

حضرت شہیدؒ اخبارات کو ایک فضول، لایعنی چیز اور جھوٹ کا پلندا قرار دیتے ہوئے انکار فرماتے ہیں، مگر اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ مستقبل پر نگاہ کئے ہوئے ہیں اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حضرت شہیدؒ سے فرماتے ہیں:

''آپ نے اس کام کو سنبھالنا ہے!'' حضرت شہیدؒ مفتی احمد الرحمٰنؒ کے اِصرار پر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور راضی برضا کے تحت اس منصب کو ایک معاون کی شرط کے ساتھ قبول کرتے ہیں (اور مفتی احمد الرحمٰنؒ کی شفقت کہ معاونت کے لئے راقم الحروف کا انتخاب فرماتے ہیں) شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اخباری صنعت میں جدت فرماتے ہیں اور مضامین کے ساتھ دِینی رہنمائی کے لئے ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان سے ایک کالم کا آغاز فرماتے ہیں، یہ کالم آپ کی دِینی خدمات کو عالمی وسعت دینے کا تیسرا مرحلہ ہے۔ کالم کا آغاز ہوتا ہے تو اَطرافِ عالم سے دِینی رہنمائی حاصل کرنے والوں کے خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے، اور یہ سلسلہ اتنی مقبولیت حاصل کرتا ہے کہ روزانہ سینکڑوں خطوط موصول ہونا شروع ہو جاتے ہیں، اور حضرت شہیدؒ نے بلا مبالغہ لاکھوں خطوط کے جواب ان چند سالوں میں مرحمت فرمائے۔ اخبار ''جنگ'' میں آپ کے کالم کی اشاعت کے بعد پوری دُنیا سے جو مسائل آنا شروع ہوئے ان میں بعض ایسے مسائل بھی تھے جن پر آپؒ نے تحقیقاتی جواب تحریر فرمائے، جو خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی سلسلے میں آپؒ کو ایک خط دبئی کے بعض نوجوان دوستوں کی طرف سے ملا جس میں مسلکی اِختلافات کو بنیاد بنا کر ایک دُوسرے سے لڑائی جھگڑے کا سبب قرار دے کر اس کے بارے میں واضح جواب مانگا گیا تھا۔ حضرت شہیدؒ نے اس کے جواب میں تمام مسالک کے بارے میں ایک تفصیلی تصنیف ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' تحریر فرمائی جس میں مسلکِ حقہ مسلکِ دیوبند کو ترجیح دے کر مسئلے کو اس انداز میں بیان کر کے حق واضح کیا کہ بڑے بڑے علمائے کرام نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا، لاکھوں افراد کے ذہنوں کے شکوک وشبہات دُور ہوئے، اِمامِ اہلِ سنت ترجمانِ مسلکِ دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

فہرست

نے اس کتاب کی اشاعت پر آپ کو ''مسلکِ دیوبند کا ترجمان'' قرار دیا۔ اس کتاب پر ایک شیعہ کی طرف سے حضرت شہیدؒ پر اِعتراض ہوئے تو حضرت شہیدؒ نے اس کا ایک مدلل جواب تحریر فرمایا جو ''شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم'' کے عنوان سے شائع ہوکر کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئی تو علمائے دیوبند کے بہترین نقاد و محقق محدث و مفسر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے حضرت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو آخر تک پڑھے بغیر چھوڑی نہیں گئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ''تحفۂ اثناءعشریہ'' تحریر فرمائی تھی تو سو سال تک شیعہ سر پیٹتے رہے، لیکن اس کا جواب نہ دے سکے۔ اب ان شاءاللہ! اگلے سو سال تک آپ کی اس کتاب کا جواب دینے کے لئے سر پیٹتے رہیں گے، لیکن ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔''

جنرل ضیاءالحق مرحوم نے دُنیا بھر کے علمائے کرام کی موجودگی میں کہا کہ: اسلام چودہ سو سال پہلے نافذ ہو چکا ہے، ہر انسان کو اس پر خود عمل کرنا چاہئے۔ حضرت شہیدؒ نے فوری طور پر ''اِفتتاحیہ'' کے عنوان سے اس کا جواب ''جنگ'' اخبار میں لکھ کر ''کلمۂ حق عند سلطان الجائر'' کا حق ادا کیا۔ آپؒ کے ان اخباری کالموں کی وجہ سے جنرل ضیاءالحق مرحوم نے میر خلیل الرحمٰن مرحوم پر اتنا دباؤ ڈالا کہ ''اِفتتاحیہ'' کے عنوان سے چھپنے والے اس کالم کو میر خلیل الرحمٰن کو بند کرنا پڑا۔ اسی طرح گورنر پنجاب نے ایک مرتبہ دِینی مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضرت شہیدؒ نے اس کو اخبار ہی کے ذریعے بانگ دہل للکارا، جس پر اس نے معذرت کی۔ جناب احمد ندیم قاسمی صاحب نے ایک مرتبہ دِینی مدارس کے طلبہ پر پھبتی کسی تو حضرت شہیدؒ کے قلم کی جولانی جوش میں آئی اور احمد ندیم قاسمی کو اپنا موقف بدلنا پڑا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ایک دفعہ حضرت شہیدؒ کے پاس تشریف فرما تھے، سودی نظام کے بارے میں جنرل ضیاءالحق مرحوم کے تأثرات پر بات ہو رہی تھی اور انہوں نے واضح کیا کہ سودی نظام کو غیر سودی نظام بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، اس پر انہوں نے حضرت شہیدؒ سے فرمایا کہ آپ اس پر مضمون تحریر فرمائیں، کیونکہ آپ کے قلم کی کاٹ نشتر سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فہرست

واقعی جب حضرت شہیدؒ نے سود پر تحریر فرمایا اور یہ جملہ ضیاء الحق مرحوم کے لئے لکھا:
''محترم! شراب کو زمزم کہنے سے، ماں کو بیوی کہنے سے اگر یہ چیزیں حلال نہیں ہوسکتیں تو سودی نظام کو غیر سودی کہنے سے بھی اس کو حلال نہیں قرار دیا جاسکتا۔''

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں دِینی مدارس کے نصاب کی تبدیلی اور حکومتی کنٹرول کی بات چلی تو مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ اور مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے ایما پر آپ نے ''جنگ'' اخبار کے اِدارتی کالموں میں بہت سخت تنقیدی مضمون لکھے، جو بعد ازاں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ ان تحریروں کی وجہ سے جنرل ضیاء الحق مرحوم کو اپنے عزائم سے پیچھے ہٹنا پڑا اور اس نے علمائے کرام کے ایک اجلاس میں ہاتھ جوڑ کر معذرت کی کہ ہمارا مدارس کو قومی تحویل میں لینے کا کوئی اِرادہ نہیں، ہم تو ایک مولانا عبداللہ کی مسجد کو نہیں سنبھال سکتے۔ غرض ''بینات'' کے ۱۹۶۶ء سے ۲۰۰۰ء تک ۳۴ سال، اور ''جنگ'' اخبار میں ۱۹۷۸ء سے ۲۰۰۰ء تک ۲۲ سال کا قلمی سفر اتنا عظیم علمی سفر ہے کہ اس کی مثال نہیں۔ اس دوران شائع ہونے والی تصانیف کی تفصیلی جھلک اور تعارف مولانا سعید احمد جلالپوری کے مضمون ''تصنیفی خدمات'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، میں نے مختصراً ان خدمات کے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

عام نقاد اور ماہرینِ علم و ادب آپ کی تحریر کے بارے میں جو تجزیہ پیش کرتے ہیں اور عوامی مقبولیت کی وجہ قرار دیتے ہیں، اس میں سب سے زیادہ نمایاں بات یہ ہے کہ آپ کی تحریر کا کوئی لفظ بلا تحقیق اور زائد نہیں کہا جاسکتا۔ روانیٔ قلم اور سلاستِ زباں اور عام فہمی آپ کی تحریر کی ایسی خصوصیت ہے کہ عام آدمی سے لے کر ایک محقق عالم بیک وقت اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ موضوع کا اِحاطہ جس خوبصورت اور مدلل انداز میں فرماتے، اس کی وجہ سے مخالف بھی آپ کی تحریر پر اُنگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔ آپؒ کی تحریر میں اگرچہ نشتر کی سی کاٹ تھی، لیکن اس کے باوجود کوئی بات تہذیب و شائستگی سے گری نہیں ہوتی تھی۔ دِینی مسائل میں آپ عالمانہ اندازِ تحریر اختیار کرنے کے بجائے عام مسلمانوں کے ذہن کے

فہرست

مطابق جواب مرحمت فرماتے، جس کی وجہ سے ہر فرد اس سے بہترین انداز میں استفادہ کرسکتا تھا۔ مسائل اور تحقیق میں اکابر علمائے کرام کی تحقیق پر اعتماد آپ کی مقبولیت ومحبوبیت اور حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت تھا، اپنی تحقیق پر اِصرار اور اپنی غلطی سے رُجوع نہ کرنا آپ کی فطرت میں ہی شامل نہیں تھا، اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کے قلم نے کہیں لغزش کھائی ہوگی۔ آپ کے قلم کی تیزی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑی سے بڑی کتاب کی تالیف میں بھی آپ کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا تھا، جب کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ ہزاروں مسائل کے جوابات بھی مرحمت فرماتے، کئی دفعہ کاتب اور کمپیوٹر کمپوزنگ کرنے والے آپ کے قلم کی روانی کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: ''ہر مضمون اور کتاب کی تمہید مشکل ہوتی ہے، اس کے بعد علوم ومعارف اور الفاظ صف بستہ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔'' بعض مرتبہ آپ کے ذہن میں علوم ومعارف کے ورود کی تیزی کا ہاتھ بھی ساتھ نہیں دے سکتا تھا، آپ جب لکھنا شروع کرتے تو صفحات بارش کے قطروں کی طرح آپ کے رفیق مولانا سعید احمد جلالپوری کے پاس گرتے ہوئے نظر آتے۔ بارہا میں نے ''جنگ'' کا اِداریہ لکھنے کے لئے کہا، دس سے پندرہ منٹ میں آٹھ دس صفحات لکھ کر میرے حوالے کر دیتے اور فرماتے: ''جاؤ مجھے کام کرنے دو!'' گویا غیرحاضر ذہن کے ساتھ دُوسرے کام میں منہمک ہونے کے باوجود برجستہ چند صفحات تحریر فرمادیتے۔ بغیر مطالعہ یا تحریر کے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔ فالج کے بعد عام تأثر یہ تھا کہ آپ کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ رُک جائے گا، لیکن دیکھنے والے زندہ ہیں کہ آپ آخری دِن تک تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، اور ان آخری چار سالوں میں ایسی مشکل کتابوں پر آپ نے کام کیا جن کو ہاتھ لگاتے ہوئے نوجوان عالمِ دین بھی تیار نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی المعروف ''حضرت جی'' کی چھ نمبروں پر مشتمل عربی تصنیف کا ترجمہ اور حوالہ جات کے اندراج کا کام آپ نے وفات سے ایک سال قبل مکمل کیا۔ گزشتہ حج کے موقع پر آپ علامہ فضل اللہ تورپشتی کی فارسی زبان میں عقائد پر کتاب ''المعتمد فی المعتقد''

کا ترجمہ فرمارہے تھے۔ مولانا سعید احمد جلالپوری اور میری عدم موجودگی کی وجہ سے سفر کے آخری دِن جو جدہ اور حاجی کیمپ میں صَرف ہوتے ہیں، میں نے اپنے ایک بزرگ ساتھی مولانا امان اللہ خالدی کو لگادیا کہ وہ حضرت کے ساتھ رہیں اور حضرت املا کرائیں تو اس کو لکھ لیا کریں۔ جب مولانا امان اللہ خالدی صاحب سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ ''حضرت تو تھکتے ہی نہیں، میرے لئے تو ساتھ دینا مشکل ہوگیا۔'' سفرِ افغانستان میں بھی یہ کتاب جو فارسی کی مشکل ترین تعبیرات پر مبنی ہے، ساتھ تھی، جس کے ترجمے کا دوتہائی حصہ آپ نے مکمل فرمالیا تھا۔ صفحہ: ۱۹۰ پر کام کرنے کے لئے دفتر تشریف لارہے تھے کہ طاغوتی نے آپ کو شہید کردیا۔ افسوس کہ شہادت کی وجہ سے یہ عظیم سلسلہ رُک گیا۔

(مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ)

تحریر و اِنشا کا خداداد سلیقہ

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دور میں دِین کی کثیر الجہت خدمات کے لئے گویا چن لیا تھا، لیکن ان کے فیوض کے تین بڑے دائرے سب سے زیادہ نمایاں تھے، ایک ان کی تحریری خدمات، دُوسرے ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے ذریعے فتنۂ قادیانیت کی تردید کے لئے ان کا بیش بہا کام، اور تیسرے اصلاح و ارشاد کا سلسلہ۔

انہیں تحریر و انشا کا وہ خداداد سلیقہ اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا تھا جو ان کے معاصر اہلِ علم کے لئے قابلِ رشک تھا۔ ''بینات'' کی اِدارت کے دور میں ان کے قلم سے متفرّق مضامین کے علاوہ بڑی مفید تصانیف منظرِ عام پر آئیں۔ ''عصرِ حاضر احادیثِ نبویہ کے آئینے میں'' بڑا مفید سلسلۂ مضامین تھا، جو احقر کی درخواست پر کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب ''الزہد والرقائق'' کا ترجمہ بھی ''بینات'' میں قسط وار شائع ہوتا رہا اور اس طرح حدیث کی اس عظیم کتاب کی خدمت ان کے حصے میں آئی۔ پھر ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' کے نام سے ان کی معرکۃ الآرا تصنیف ان لوگوں کے

لئے بطورِ خاص انتہائی مفید ثابت ہوئی جو مسلمانوں کے اختلافِ مسلک سے مشوش اور پریشان رہتے ہیں، اس کتاب میں مولانا نے عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر پر بڑا متوازن اور جاندار تبصرہ فرمایا ہے، جس سے نہ جانے کتنے لوگوں کی فکری اصلاح ہوئی۔

روزنامہ ''جنگ'' نے ''اِقرأ'' کے نام سے مذہبی صفحہ شروع کیا تو مولاناؒ نے اس میں قارئین کے سوالات کے جوابات دینے شروع کئے، یہ سلسلہ سالہا سال سے ''جنگ'' میں جاری تھا اور آخر وقت تک جاری رہا۔ ان کے یہ جوابات بے شمار مسلمانوں کے لئے راہنمائی کا سبب بنے اور بالآخران کا مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہوکر نہایت مقبول ہوا، اور اس طرح ان کا یہ فیض دائمی صورت اختیار کرگیا۔ (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

علمی اِستعداد و مقام کا اِمتحان

فہرست

میرے عزیز دوست میں لکھنے کی کس قدر صلاحیت ہے، ماہنامہ ''الخیر'' کے مدیر جناب مولانا محمد ازہر صاحب رقمطراز ہیں کہ: ''ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے ایک ہی نشست میں فل اسکیپ کے اسّی صفحات قلم برداشتہ تحریر فرمائے۔ ایک صاحب نے مولانا مرحوم کی علمی اِستعداد و مقام کا اِمتحان لینے کے لئے ایک مسئلے پر پانچ سوالات تحریر کئے۔ جواباً مولانا نے ہر سوال کے جواب میں سو صفحات لکھے اور یوں پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک علمی خزینہ (''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' کے نام سے) منظرِ عام پر آگیا۔''

(حافظ عبدالرشید ارشد مرحوم، لاہور)

مسلکِ اِعتدال پر گامزن

مرشدی حضرت لدھیانوی شہیدؒ ایک ہمہ گیر شخصیت تھے، انہوں نے اپنے قلم کو ''الدین النصیحة'' کے تابع رکھا۔ صدر ہو یا وزیر اعظم، حکمران ہو یا محکوم، بدعتی ہو یا مشرک، صحابہ کا دُشمن ہو یا رسول کا، منکرِ قرآن ہو یا منکرِ حدیث، تجدد پسند ہو یا ملحد و بے دِین، اپنا ہو یا غیر، سب سے آپ کا معاملہ ''الدین النصیحة'' کے تحت تھا۔ اس بات کا اندازہ

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے بارے میں ہمارے حضرت کے روزنامہ ''جنگ'' کے اِفتتاحیے اور مرحوم کے حادثے میں اس فانی دُنیا سے کوچ کر جانے پر ماہنامہ ''بینات'' کے اِداریے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ دراصل میرے شیخ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی اس نیابت کو نبھا رہے تھے کہ ساری کی ساری اُمت جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والی بن جائے۔ اس کی خاطر آپؒ نے دُشمنوں کے سنگریزے بھی برداشت کئے ہیں اور اپنوں کے طعنے بھی، لیکن آپؒ نے مسلکِ اِعتدال کو کبھی نہیں چھوڑا۔ آپؒ نے اپنے معروف کالم ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے ذریعے راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کو صراطِ مستقیم دِکھایا، ہزاروں بے سکون گھر جنت نظیر بن گئے۔

(مولانا نعیم امجد سلیمیؒ)

''تحفۂ قادیانیت''...۔مدلل اور لاجواب تصنیف

مولانا لدھیانوی شہیدؒ علمائے حق میں سے ایک محقق عالم تھے، صاحبِ قلم تھے، مختلف موضوعات پر آپ کی جس قدر تصانیف شائع ہو چکی ہیں جن میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' بھی ہے، جو قریباً ۱۰ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، ان میں زندگی کے چھوٹے بڑے مسائل آ گئے ہیں۔ بہت لوگ ان سے مستفید ہوئے ہیں، ان میں آپ کی کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' بھی ہے۔

مولانا شہیدؒ نے جب کسی موضوع پر لکھا تو خوب لکھا، اور خصوصاً آپؒ نے اسلام کے بنیادی عقیدے ''ختمِ نبوّت'' کو اپنا موضوع بنایا، اس سلسلے میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک ضخیم کتاب ''تحفۂ قادیانیت'' ہے، جس کی جلد اوّل بڑی تقطیع کے ۷۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ (اب الحمدللہ! اس کتاب کی چھ جلدیں ہیں) یہ بہت مدلل اور لاجواب تصنیف ہے، جس میں آپؒ نے کذّاب ودجال مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اس کی اشاعت کی بڑی ضرورت ہے۔ (قاضی مظہر حسینؒ)

اکابر کے طرز کا عکس

مولانا مرحوم ہی کا ایک واقعہ اس سلسلے میں یاد آ گیا جو اکابر کے طرز کا مکمل عکس ہے، اس لئے اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ ''اِقراُ ڈائجسٹ'' میں آپ کے مسائل کا کالم بھی چھپتا تھا، ۱۹۸۶ء کے ایک شمارے میں غیر کفوٴ کے نکاح سے متعلق ایک فتویٰ موصوف کا نظر سے گزرا جو مفتیٰ بہ نہیں تھا۔ احقر نے برخوردار عبدالقدوس سلّمہ سے اس سلسلے میں مولانا موصوف کو خط لکھوایا اور ''شامی'' کی عبارت لکھوا کر بھیجی۔ موصوف نے نہ صرف یہ کہ اس کو قبول کیا بلکہ سابقہ فتویٰ سے رُجوع کا اِعلان بھی اسی رسالے میں شائع فرمایا۔

جزاھم اللہ تعالیٰ خیرًا! (مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ)

تصنیفی خدمات

مخدوم و مرشد العلماء، حضرت بنوری قدس سرہٗ کے ''ہم نام و ہم کام'' اکابر علمائے دیوبند اور مسلکِ حق کے وکیل و ترجمان، اسلامی اقدار کے محافظ و نگران، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے سخن دان، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے جانشین، سرمایۂ اہلِ سنت سیّدی و سندی حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جس مقبولیت و محبوبیت سے نوازا تھا، زمانۂ قریب میں اس کی مثال نہیں ملتی، اپنے اور پرائے سب ہی آپ کی عظمت کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن خصوصیات و مزایا اور اوصاف و کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، کسی ایک شخصیت میں ان سب کا پایا جانا کسی کرامت سے کم نہیں، لیکن:

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

آپؒ کا تبحرِ علمی، حزم و احتیاط، عجز و انکسار، اعتدال و میانہ روی، نمود و نمائش سے نفرت، خمول و گوشہ نشینی، تقویٰ و طہارت، زُہد و تقشّف، خدا خوفی اور محاسبۂ آخرت کا اِستحضار،

فہرست

ایسے اوصاف تھے جو ہر شخص کو قائل وگھائل کرتے تھے۔ جس طرح آپ کی تحریر میں بلا کی روانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیر خواہی اور دِل سوزی کا جذبہ تھا، اور قارئین اس کا اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، اسی طرح آپ کے وعظ و بیان میں اس سے کہیں زیادہ سوز وگداز اور خلقِ خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہوتا۔

آپ جہاں بیک وقت ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے مدیر، صفحہ اِقرأ روزنامہ ''جنگ'' کے شعبہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے نگرانِ اعلیٰ، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے محبوب ومقبول اور مایہ ناز محقق، اُستاذِ حدیث، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر اور رُوحِ رواں، روزانہ سینکڑوں اصلاحی اور فقہی مسائل وخطوط کا جواب لکھنے والے، ہزاروں مریدین ومتوسلین کے مصلح ومربی، سینکڑوں مدارس کے سرپرست، اِقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے صدر مہتمم تھے، وہاں روزانہ اور ماہانہ کئی اصلاحی مجالس سے بیان فرماتے اور اندرون وبیرون ملک اسفار پر تشریف لے جاتے تھے، مگر بایں ہمہ جب آپؒ کی تصنیف وتالیف، مباحثہ، مناظرہ، تردیدِ باطل اور اِحقاقِ حق کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ایسی مصروف ترین اور عدیم الفرصت شخصیت یہ سارے کام کب اور کیسے سرانجام دے لیتی ہوگی؟

الغرض حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی علمی رفعت، ان کا مرتبہ ومقام اور تصنیف وتالیف کے میدان میں علمی اور تحقیقی کام اور ہمہ جہت خدمات مجھ ایسے مجہولِ مطلق کے اِحاطۂ اِدراک سے کہیں بلند ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو جہاں دُوسرے بے شمار کمالات عطا فرمائے تھے، ان میں ایک تصنیف وتالیف کا شعبہ تھا، جس کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے فیضِ قلم سے کئی کتابیں تحریر کرائیں۔ ذیل میں حضرتؒ کی تصنیفات کا مختصر سا تعارف پیشِ خدمت ہے:

''تحفہ قادیانیت'':... قرآنِ کریم اور اَحادیثِ متواترہ کی بنا پر اُمتِ مسلمہ کا قطعی اور متواتر عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین یعنی اللہ کے آخری نبی

فہرست

ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو منصبِ نبوّت پر فائز نہیں کیا جائے گا، اور یہ کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرے وہ کافر ومرتد اور دجال وکذّاب ہے، مگر اِسلامی تاریخ میں بہت سے طالع آزماؤں نے نبوّت ورسالت اور مسیحیت ومہدویت کے دعوے کرکے خلقِ خدا کو اپنے دامِ تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی۔

گزشتہ صدی میں انگریزوں نے اپنے زرخرید غلام اِبنِ غلام، غلام احمد قادیانی سے اس قسم کے دعاوی کرائے اور اُمتِ مسلمہ کو ایک کرب واذیت میں مبتلا کرکے شادیانے بجائے۔ دُوسری جانب انگریز کے اس خودکاشتہ پودے نے مہدویت، مسیحیت اور نبوّت کے بلند وبانگ دعوے کئے اور ابلہ فریبی کے لئے قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں تحریف کی۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہؓ اور سلف صالحین کی توہین وتذلیل اور علمائے اُمت کو مغلظات سے نوازا۔ بالآخر ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو نہایت ذِلت سے وبائی ہیضے کا شکار ہوکر موت کے منہ میں چلا گیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل وتلبیس کو نمایاں کرنے کے لئے جہاں بہت سے اکابرِ اُمت نے کتب، رسائل اور مقالات تحریر فرمائے، وہاں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کے قلمِ حق رقم نے تردیدِ قادیانیت میں نہایت تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ چنانچہ مرزائے قادیان کے دجل وفریب کو آشکارا کرنے کے لئے آپ نے جہاں بے شمار مناظرے اور مباحثے فرمائے، وہاں آپ نے اِتمامِ حجت کے لئے مختلف اوقات اور ضرورتوں کے پیشِ نظر بیسیوں مقالات ومضامین اور رسائل وکتب بھی تصنیف فرمائیں۔

حضرت اقدس حکیم العصر کا اندازِ بیان اور طرزِ اِستدلال اس قدر مؤثر ومسکت ہوتا کہ کٹر سے کٹر قادیانی اس کو ماننے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دِلوں کو پھیرنا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، مگر وقتی طور پر بڑے سے بڑا قادیانی مربی بھی قادیانی مذہب کی تغلیط وتکذیب پر مجبور ہوجاتا۔ حضرت اقدس حکیم العصر کے اس عنوان پر لکھے گئے تمام رسائل وکتب کو یکجا کرکے انہیں ''تحفۂ قادیانیت'' کے نام سے شائع کرنے کا عزم کرلیا گیا۔ چنانچہ اس سلسلے کی تین

فہرست

جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، (اب الحمدللہ! چھ جلدوں کا سیٹ ہے)۔ جب کہ اس سلسلے کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ ''گفٹ فار قادیانیز'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ''تحفۂ قادیانیت'' جلد اوّل میں حضرت کے درج ذیل ۲۴ رسائل شامل ہیں:

عقیدۂ ختمِ نبوّت، کلمۂ طیبہ کی توہین، عدالتِ عظمیٰ کی خدمت میں، قادیانیوں کو دعوتِ اسلام، ظفراللہ کو دعوتِ اسلام، مرزا طاہر کے جواب میں، مرزا طاہر پر آخری اِتمامِ حجت، ضمیمہ دو دلچسپ مباہلے، قادیانی فیصلہ، شناخت، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، المہدی والمسیح، قادیانی اِقرار، قادیانی تحریریں، قادیانی زلزلہ، مرزا قادیانی مراق سے نبوّت تک، قادیانی جنازہ، قادیانی مردہ، قادیانی ذبیحہ، قادیانی اور تعمیرِ مسجد، غدارِ پاکستان ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی، گالیاں کون دیتا ہے؟ قادیانیوں اور دُوسرے کافروں میں فرق۔ یہ جلد مجموعی اعتبار سے ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

فہرست

''تحفۂ قادیانیت'' (جلد دوم):... اس جلد میں درج ذیل مضامین و مقالات ہیں: دارالعلوم دیوبند اور عقیدۂ ختمِ نبوّت، مسئلۂ ختمِ نبوّت اور حضرت نانوتویؒ، فتنۂ قادیانیت اور پیامِ اقبال، ربوہ سے تل ابیب تک (حصہ اوّل)، ربوہ سے تل ابیب تک جواب الجواب (حصہ دوم)، قادیانی جماعت کے اِمام مرزا طاہر احمد کے چیلنج کا جواب، مرزا قادیانی کے وجوہِ اِرتداد، مجازی نبوّت کا تارِ عنکبوت، معرکۂ لاہور و قادیان۔ اس جلد کے ۴۶۵ صفحات ہیں۔

''تحفۂ قادیانیت'' (جلد سوم):... عام طور پر قادیانی، مسلمانوں کو اُلجھانے کے لئے یہ بحث چھیڑتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے، بلکہ وہ وفات پاگئے ہیں۔ اس کے لئے وہ تحریفِ قرآن کا اِرتکاب کرکے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس جلد میں مجدِدِ تردیدِ قادیانیت حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ نے قرآن وسنت اور چودہ صدیوں کے مجددین اور دورِ حاضر کے اکابر علمائے اُمت کی تصریحات سے حیات و نزولِ عیسیٰ کو نہایت شاندار انداز سے ثابت فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ اس جلد میں درج ذیل مضامین بھی ہیں: مرزا غلام احمد قادیانی کا مقدمہ اہلِ عقل وانصاف کی عدالت میں، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام چند تنقیحات وتوضیحات، ترجمہ مقدمہ عقیدۃ الاسلام، مہدیٔ آخرالزمان اور فرقۂ مہدویہ۔

''تحفۂ قادیانیت'' (جلد چہارم):...زیرِ ترتیب ہے۔ جس کے تقریباً تین سو صفحات کمپوز ہوگئے ہیں اور مزید کام جاری ہے، ان شاء اللہ! یہ جلد بھی جلد منظرِ عام پر آجائے گی۔

''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' (حصہ اوّل):...عام مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ خاصا پریشانی کا باعث بنتا ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر میں سے صحیح راستے پر کون ہے؟ موجودہ دور میں چونکہ ہر ایک فرقے کا دعویٰ ہے کہ وہی صراطِ مستقیم پر ہے اور اِرشادِ نبوی: ''ما انا علیہ واصحابی'' کا مصداق بھی صرف وہی ہے، اور باقی سب غیر ناجی ہیں۔ اس لئے ایک عام آدمی اور معمولی پڑھے لکھے مسلمان کے لئے حق وباطل کی پہچان کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اس کتاب میں حضرت حکیم العصر قدس سرہٗ سے اس طرح کے ایک اُلجھاؤ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے نہایت اِعتدال اور حزم واحتیاط سے اس کا جواب دے کر قرآن وسنت اور اکابرینِ اُمت کی تحقیق وتصریح کی روشنی میں صراطِ مستقیم کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتے ہوئے مشہور مکاتبِ فکر کے اِختلافات کو اس معیار پر جانچنے کا پیمانہ عطا فرمایا ہے جس سے ایک متوسط عقل وفہم کے منصف شخص کے لئے حق کی تلاش میں صحیح وغلط کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی دقت نہیں رہ جاتی۔

یہ کتاب اِبتدائی طور پر ماہنامہ ''بینات'' کراچی کی اشاعتِ خاص کی شکل میں شائع ہوئی تھی، جسے بارگاہِ الٰہی سے اس قدر مقبولیت سے نوازا گیا کہ اسے معاصر واکابر کے علاوہ عام انصاف پسند حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔

یہ حضرت حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کا خلوص واخلاص تھا کہ جس نے بھی اس کتاب کو تعصب کی عینک اُتار کر پڑھا، وہ اس کے مندرجات سے

فہرست

اتفاق اور حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہزاروں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اس کتاب کو پڑھ کر اپنے نظریات و اعتقادات کی اصلاح کی۔ بلاشبہ یہ کتاب دُنیا کی ان کتابوں میں سے ہے جسے اسلامی دُنیا میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے لاکھوں نسخے شائع ہوئے، اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اُردو زبان میں لکھی گئی عقائد کی کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ کتاب کا انداز ایسا انوکھا، دِلچسپ، خیرخواہانہ اور دِل پر اثر کرنے والا ہے کہ اس کا ایک ایک حرف دِل میں اُترتا جاتا ہے۔ قوّتِ اِستدلال اور اَندازِ بیان ایسا شاندار ہے کہ مخالف سے مخالف اس کو پڑھ کر اس سے اختلاف نہیں کرسکتا۔

پونے تین صد صفحات کی اس کتاب میں مشہور مکاتبِ فکر شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور مودودی اختلافات کو نہایت سلیقے سے بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں کون حق وصواب پر ہے؟ اور کون غلطی اور خطا پر ہے؟ اس کے آخر میں ضمیمے کے طور پر ''داڑھی'' کا مسئلہ شامل ہے، جس کو پڑھ کر لاکھوں مسلمانوں نے اپنے چہروں کو سنتِ نبوی سے مزین کیا ہے۔

''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' (حصہ دوم):... تشدد وتعصب کا ناس ہو کہ اس نے ہر جگہ اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، جو جہاں ہے وہ اسے ہی حق وصواب اور ہدایت وصداقت سمجھتا ہے، اور معمولی معمولی باتوں کو اُچھال کر اسے کفر واسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت ہمارے ہاں فروعی مسائل کے اختلاف میں بھی پائی جاتی ہے۔

کوئی شخص اگر نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا یا خدانخواستہ شعائرِ اسلام کی توہین وتضحیک کرتا ہے تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا، لیکن اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، مگر رفع یدین نہیں کرتا، یا آمین زور سے نہیں کہتا، اور اِمام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا تو اسے یہ کہا جاتا ہے کہ: ''تیری نماز نہیں ہوئی!'' یا اگر کوئی شخص اپنی سمجھ بوجھ پر تکیہ کرنے کی بجائے اکابر واساطینِ اُمت اِمام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور اَحمد بن حنبلؒ کی فہم وفراست کو

معیار بنا کر ان پر اعتماد کرتا ہے تو اسے کافر ومشرک باور کرایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ فروعی اختلاف ہے، مگر اُصول کو چھوڑ کر فروع کو سر پر اُٹھایا جاتا ہے، اور اس فروعی اختلاف کو ہوا دِی جاتی ہے۔ جس سے ایک سیدھا سادا مسلمان پریشان ہوجاتا ہے اور بعض اوقات دِین اور اہلِ دِین سے بدظن ہوجاتا ہے۔ پیشِ نظر کتاب میں حضرت شہیدؒ نے اس فروعی اختلاف کی حقیقت وحیثیت اور مرتبہ ومقام کو نہایت شاندار انداز سے بیان فرماکر ان مشہور فروعی مسائل میں مسلکِ حنفی کو نہایت محقق ومدلل انداز میں پیش فرمایا۔

اس حصے میں مؤلفِ موصوف نے فروعی مسائل میں مسلکِ اِعتدال کی نشاندہی کرتے ہوئے مشہور فروعی مسائل: فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین، اَذان، اِفرادِ اِقامت، تکبیراتِ عیدین، سجدۂ سہو، مسائلِ وتر، نمازِ جنازہ اور جمعہ فی القریٰ وغیرہ مسائل میں اَحناف کے موقف کی مدلل تشریح فرمائی ہے، جب کہ اس کے آخر میں بیس تراویح کے مسئلے کو نہایت شاندار انداز سے بیان فرمایا ہے۔

''دُنیا کی حقیقت'' (جلد اوّل):... حضرت اقدس محدث العصر بنوری قدس سرہٗ کی خواہش اور چاہت تھی کہ ماہنامہ ''بینات'' میں چار مستقل سلسلے شروع کئے جائیں۔ ایک قرآنِ کریم کی تفسیر کا، اور دُوسرا حدیثِ پاک کے ترجمے وتشریح کا، اور تیسرا فقہی مسائل کا، اور چوتھا سلف صالحین کے حالات وواقعات کا۔ تاکہ اُمت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے اور ماہنامہ ''بینات'' روایتی رسائل وجرائد سے ہٹ کر ایک خالص دِینی، علمی اور معیاری رسالہ ثابت ہو۔ اس سے عوام وخواص اور نوجوان نسل کی علمی، فکری اور مذہبی تربیت ہو اور ہر مسلمان گھرانے میں قرآن اور صاحبِ قرآن، علومِ نبوّت اور فقہ وفتاویٰ اور اکابر سلف صالحین اور ان کے کارناموں کے چرچے ہوں اور انہیں کوئی دِین دُشمن اور خدا بیزار تحریک اور ملحد وبے دِین شعبدہ باز چکمہ نہ دے سکے۔

ان کی خواہش تھی کہ حدیثِ پاک کے سلسلے میں ترمذی شریف کا ''ابواب الزہد'' بہت جامع اور بےنظیر ہے، اسے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ شروع

کریں، مگر حضرت اقدسؒ اس نازک ذمہ داری سے گھبراتے تھے، اس لئے کہ ارشاداتِ نبوّت کی ترجمانی بڑی نازک ذمہ داری ہے، کسی حدیث کی تشریح خدانخواستہ منشائے نبوی کے خلاف ہوگئی تو ''فليتبوأ مقعده من النار!'' کا اندیشہ ہے۔

دُوسرے کمالِ فروتنی اور کسرِ نفسی کے پیشِ نظر حضرت حکیم العصرؒ اپنے آپ کو زُہد کے موضوع پر کچھ لکھنے کا اہل نہیں سمجھتے تھے، مگر بالآخر حضرت بنوریؒ کے اِصرار پر آپ نے اس پر لکھنے کا وعدہ فرمالیا، بات آئی گئی ہوگئی، حضرت بنوری قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جب ایفائے عہد کا خیال دامن گیر ہوا تو برکۃ العصر حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے سارا پس منظر بیان کرتے ہوئے یہ پورا قصہ بیان کیا، اور حضرت سے اپنے اس احساس کا ذِکر کیا اور درخواست کی کہ یہ ذمہ داری کسی اور کے سپرد فرمادی جائے اور مجھے حکماً اس سے روک دیا جائے۔ مگر حضرت شیخ الحدیث نے اس درخواست کو قبول نہیں فرمایا اور حکم فرمایا کہ آپ یہ سلسلہ شروع فرمادیں۔

حضرت اقدس بنوری قدس سرہٗ کی خواہش، حکم اور اِصرار اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے فرمان پر مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھانوی شہیدؒ نے توکلاً علی اللہ! یہ سلسلہ شروع فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد، اور ان نفوسِ قدسیہ کے اعتماد وتفویض نے وہ اثر دِکھایا کہ یہ سلسلہ بحمداللہ! چلتا ہی چلا گیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے خوب قبول فرمایا۔ عوام وخواص اور اہلِ تحقیق علمائے کرام میں اسے جس قدر مقبولیت نصیب ہوئی، اس کی مثال نہیں۔

پیشِ نظر کتاب اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے، جس کے مضامین کو ''بینات'' کی فائلوں سے جمع کرکے کتابی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ جلد ترمذی شریف کے چار ابواب: ابواب الزہد، ابواب صفۃ القیامۃ، ابواب صفۃ الجنۃ اور ابواب صفۃ جہنم یعنی دُنیا کی حقیقت، قیامت کے احوال اور جنت وجہنم کے مناظر کے ترجمے وتشریح پر مشتمل ہے۔

اِمام ترمذیؒ کا ارشاد ہے کہ: ''جس شخص کے گھر میں میری کتاب ترمذی شریف

ہو وہ یوں سمجھے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر میں موجود ہیں اور میں براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کررہا ہوں۔‘‘

ٹھیک یہی تصور یہاں بھی ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو، وہ مندرجہ مسائل میں جب چاہے براہِ راست ارشاداتِ نبوّت سے راہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔ کتاب ۵۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

’’دُنیا کی حقیقت‘‘ (جلد دوم):... پیشِ نظر کتاب ترمذی شریف کے ترجمے وتشریح کے سلسلے کی دُوسری جلد ہے۔ جس میں کھانے پینے، صلہ رحمی اور علاج معالجے کے آداب واَحکام کو نہایت عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ حصہ ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، تیسری جلد زیرِ ترتیب ہے، یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ حضرتِ اقدسؒ جامِ شہادت نوش فرماکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رُخصت ہوگئے اور ہمیں یتیم کرگئے۔

’’آپ کے مسائل اور ان کا حل‘‘:... ۵؍مئی ۱۹۷۸ء کو وحی کے پہلے لفظ ’’اِقرأ‘‘ کے نام سے روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی میں اسلامی صفحہ ’’اِقرأ‘‘ کا آغاز کیا گیا تو روزِ اوّل سے ہی اس کی سرپرستی حکیم العصر مرشد العلماء حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ نے قبول فرمائی اور اس میں دُوسرے سلسلوں کے ساتھ ساتھ ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کے عنوان سے عوام کے دِینی مسائل میں راہنمائی کا مبارک سلسلہ بھی شروع کیا۔

حضرتِ اقدسؒ کے خلوص واخلاص، تقویٰ وطہارت، علم وفضل، فقاہت وحذاقت اور جذبۂ نصح وخیرخواہی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت نے خوب رنگ دِکھلایا اور یہ سلسلہ بہت ہی جلد مقبول ومحبوبِ خلائق قرار پایا۔ بلامبالغہ ’’جنگ‘‘ کے اسلامی صفحہ اور خصوصاً ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کی وجہ سے روزنامہ ’’جنگ‘‘ کے جمعہ کے دِن کی اشاعت میں خوب اضافہ ہوا اور اس کے ذریعے ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی۔ بدعات ورُسومات سے جان چھوٹی اور اس سے کہیں زیادہ لوگوں میں دِینی انقلاب آیا۔ بے پردگی، بے دِینی، بے غیرتی، ٹی۔وی، وی۔سی۔آر سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔

فہرست

عوام کو اپنی دہلیز پر دِین مہیا ہونے لگا، وہ لوگ جو روایتی شرم وحیا کی وجہ سے کسی دارالافتاء کا رُخ نہیں کرسکتے تھے، یا ایسی بے سہارا خواتین اور مظلوم افراد جو ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور دِینی حکم معلوم کرکے ظالم کو ظلم سے روکنے کا یارا نہیں رکھتے تھے، وہ اس صفحے کے ذریعے اپنی مظلومیت کی داستان سنانے کی پوزیشن میں آگئے، اور انہیں ظالم کے ظلم کو طشت از بام کرنے کا موقع میسر آگیا، بحمداللہ! یہ سلسلہ بغیر کسی تعطل کے آج تک جاری ہے۔

قارئین کا شدید اِصرار تھا کہ اس علمی اور فقہی ذخیرے کو جو نہایت سہل اور عام فہم زبان میں ہے، جس سے ہزاروں اور لاکھوں زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا ہے، اسے مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کردیا جائے، تاکہ اس خزانۂ عامرہ سے رہتی دُنیا تک کے مسلمان مستفید ہوسکیں، چنانچہ رفتہ رفتہ قارئین کے ساتھ ساتھ معاصرین واکابرین نے بھی اس پر زور دیا اور توجہ دِلائی بلکہ تقاضا کیا کہ اس انوکھے اور نئے انداز کے فقہی ذخیرے کو کتابی شکل میں مدوّن کیا جائے، ان حضرات کا اخلاص رنگ لایا اور توکلاً علی اللہ! اس کام کو شروع کردیا گیا اور بحمداللہ! اب تک اس سلسلے کی دس جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ پانچ ہزار صفحات پر مشتمل اس فقہی انسائیکلوپیڈیا میں مہد سے لے کر لحد تک پیش آنے والے انسانی زندگی کے ہر ہر مسئلے کا شرعی حل موجود ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ جتنا مسئلہ معلوم کیا گیا ہے، نہایت جچے تلے الفاظ میں اس کا شافی وکافی جواب دیا گیا ہے۔ اگر کہیں ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ سائل کو صرف مسئلہ بتلانے سے اس کی اُلجھن دُور نہیں ہوگی تو اسے نہایت مفید مشورے سے بھی نوازا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' حضرت حکیم العصرؒ کے دوسرے کارناموں کی طرح ایک عظیم تجدیدی کارنامہ ہے۔

''سیرتِ عمر بن عبدالعزیز'':... امیرالموٴمنین سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو پانچواں خلیفۂ راشد تسلیم کیا گیا ہے۔ حدیث وسیر اور تاریخ ورِجال کی کتابوں میں ان کے عدل وانصاف، خشیت وللّٰہیت، زُہد وتقویٰ، فہم وفراست اور قضا وسیاست کے

بے شمار واقعات محفوظ ہیں، اگر ان منتشر کلیوں کو مرتب کیا جائے تو ایک بیش قیمت گلدستہ تیار ہوسکتا ہے۔ آپ کی سیرت پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جن میں ''سیرت ابنِ جوزی'' معروف ومشہور ہے، اور غالباً اس موضوع پر سب سے پہلی اور نہایت نادر ومتبرک کتاب اِمام مالکؒ کے شاگرد، اِمام وفقیہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکم مالکی مصری متوفی ۲۱۴ھ کی تالیف ہے۔

مصنف اِمام نے وہ تمام حالات، جو انہوں نے اپنے قابلِ اعتماد اساتذہ سے سنے تھے ان کو ''سیرتِ عمر بن عبدالعزیز'' کے نام سے مرتب کیا، اس کتاب کی جلالتِ قدر کا اندازہ اِمام نوویؒ کے ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے: ''ابنِ عبدالحکم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہیں جو آپ کی سیرتِ جمیلہ اور حسنِ طریقت پر مشتمل ہے، اور اس کتاب میں وہ نفائس ہیں جن کے علم وعمل سے کوئی آدمی مستغنی نہیں ہوسکتا۔'' (تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۲۱۷)

الغرض ابن حکم کی یہ جلیل القدر کتاب نادر مخطوطوں کی شکل میں دُنیا کے خال خال کتب خانوں کی زینت تھی، مشرقِ وسطیٰ کے محقق شیخ احمد عبیدؒ کی عرق ریزی اور جانفشانی سے پہلی بار ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوئی۔ متعدّد اکابر اور معاصر علماء نے حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ سے فرمائش کی کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کو اُردو کے قالب میں ڈھالا جائے تاکہ عوام وخواص اس سے استفادہ کرکے حضرت امیر المؤمنین خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کی سوانح حیات کے آئینۂ صافی کو سامنے رکھ کر اپنے کاکل وگیسو کو سنوار سکیں، اور حکام کو معلوم ہوجائے کہ ایک خلیفہ اور حاکمِ وقت کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟ حضرت اقدسؒ نے اس کا ترجمہ کیا اور اس شان سے کیا کہ ترجمے کا حق ادا کردیا۔

عربی سے اُردو میں منتقل کی گئی اس کتاب کو پڑھنے سے ذرّہ برابر بھی یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے یا مستقل تصنیف ہے۔ حضرتؒ کے اندازِ بیان اور تحریر کی

فہرست

سلاست و شستگی نے اس میں ایسا رَس گھولا ہے کہ قاری اسے پڑھتا ہے تو پڑھتا چلا جاتا ہے۔اسے شروع کرتا ہے تو ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں کرتا۔ایک سو بانوے صفحات کی اس کتاب میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حیات کے ہزاروں کمالات ایک سو بانوے عنوانات پر تقسیم کر کے بیان کئے گئے ہیں۔

''رسائل یوسفی'':...اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو تکوینی طور پر علمائے دیوبند اور مسلکِ حق کا ترجمان اور مُناد نامزد فرمایا تھا۔یہی وجہ ہے کہ آپ ہر فتنے کے مقابلے میں سینہ سپر نظر آتے ہیں۔فتنۂ قادیانیت ہو یا انکارِ حدیث،تجدد پسندی کا فتنہ ہو یا الحاد کا،آپ ہر ایک کے دانت کھٹے کرتے نظر آتے ہیں۔زیرِ نظر مجموعہ بھی تردیدِ باطل کے اسی سلسلے کی کڑی ہے جو آپ کے مندرجہ ذیل اہم، وقیع اور علمی رسائل پر مشتمل ہے:

فہرست

۱۔''ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر'':...اس رسالے میں شیعہ مصنف حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن میں کی گئی تحریفات کا جائزہ لیا گیا ہے اور نشاندہی کی گئی ہے کہ شیعہ موجودہ قرآن کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں،اور ان کی تحریفات کی مثالیں دے کر اُمت کو اس منکرِ قرآن فرقے کی حیثیت سے آگاہ کیا گیا ہے۔

۲۔''اِنکارِ حدیث کیوں؟'':...غلام احمد پرویز کے فلسفۂ اِنکارِ حدیث کے خلاف قرآن وحدیث اور اِجماعِ اُمت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ اِنکارِ حدیث دراصل اِنکارِ قرآن ہے،اور واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ اِنکارِ حدیث کرتے ہیں،ان کا دِین وایمان سے کوئی واسطہ نہیں،اس لئے کہ اِنکارِ حدیث درحقیقت اِنکارِ دِین ہے،اگر حدیث نا قابلِ اعتماد ہے تو قرآن کیونکر قابلِ اعتماد ہوسکتا ہے...؟

۳۔''اِنتباہ المؤمنین'':...''اِنتباہ المؤمنین'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کا فارسی رسالہ ہے،جس میں ایک شیعہ نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کے

حوالے سے جناب مولانا الٰہی بخش صاحب پر اِعتراض کیا اور اس حدیث کا مصداق معلوم کرنا چاہا۔ غالباً اعتراض یہ تھا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، مگر صحابہؓ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ان کو خلیفہ بنائیں گے۔ مولانا الٰہی بخش صاحب نے یہ سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج دیا۔ پیشِ نظر رسالہ حضرت نانوتویؒ کی جانب سے اس سوال کا جواب ہے، جس میں حضرت نانوتویؒ نے نہایت مسکت وشافی اور دندان شکن جواب دے کر حدیث کی وضاحت فرمائی۔ حضرت شہیدؒ نے اس عجیب وغریب علمی رسالے کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام رکھا: ''ایک شیعی مغالطے کا حل'' یہ رسالہ حسنِ ظاہری کے ساتھ حسنِ معنوی سے معمور ہے اور عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

۴۔ ''عورت کی سربراہی'': ... بے نظیر حکومت کے دور میں جناب کوثر نیازی صاحب نے عورت کی حکمرانی کے جواز اور پارٹی سربراہ کی نمک خواری کے بدلے میں اپنی تمام ''علمی'' توانائیاں صَرف کیں تو حضرت شہیدؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا بھرپور تعاقب کیا اور ثابت کیا کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے۔ اس کے ضمیمے کے طور پر ''عورت ومرد کا رُتبہ'' کے عنوان سے حضرتؒ ہی کا ایک نفیس مقالہ بھی شامل ہے۔

۵۔ ''کیا ذِکری مسلمان ہیں؟'': ... ذِکری فرقہ جس کے افراد بلوچستان اور کراچی میں پائے جاتے ہیں اور وہ مُلاَّ محمد اٹکی کو نبی مانتے ہیں، مگر بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے ہیں۔ چونکہ سیدھے سادے مسلمانوں کو ان کے عقائد کے بارے میں کوئی خاص آگاہی نہیں تھی اور انہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے، حضرت شہیدؒ نے اس رسالے میں اس فرقے کے عقائد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ رسالہ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے بہترین راہنما اور نفیس ہتھیار ہے۔

۶۔ ''تنقید اور حقِ تنقید'': ... مودودی صاحب اپنے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسالے میں حضرت حکیم العصر شہیدؒ نے ''تنقید اور حقِ تنقید'' کے

عنوان سے ان کے اس غلط عقیدے کی دلائل سے تشریح کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ تنقید کی کیا حدود ہیں؟

مجموعی اعتبار سے یہ کتاب ۵۱۴ صفحات پر مشتمل ہے، اور ان اہم اور وقیع رسائل کا مجموعہ ہے۔

''شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم'':... حضرت اقدس حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ نے ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' تصنیف فرمائی تو اس میں ''شیعہ سنی اِختلاف'' کے عنوان کے تحت بعض شیعہ عقائد کی نشاندہی فرمائی، جو غالباً شیعہ برادری کے لئے خفت کا باعث ہوسکتے تھے، اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کو منظرِ عام پر لایا جائے۔ اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف کرتے ہوئے ایک شیعہ عالم جناب سیّد محمد محسن اجتہادی صاحب نے حضرت حکیم العصرؒ کو ایک طویل ترین مکتوب لکھ کر اس پر اِحتجاج کیا کہ آپ نے اپنی کتاب میں جو جو عقائد ہماری طرف منسوب کئے ہیں، وہ آپ کے خود ساختہ ہیں، شیعہ مکتبِ فکر کے یہ عقائد نہیں۔

حضرت حکیم العصر شہیدؒ نے نہایت متانت وسنجیدگی سے جناب سیّد اِجتہادی کا خط پڑھا اور اس کا جواب لکھا کہ: ''آنجناب تو ان عقائد سے انکار فرماتے ہیں، مگر یہ عقائد آپ کے اکابر کی کتابوں میں موجود ہیں، آپ خود ہی یہ فیصلہ فرماویں کہ آپ سچ فرماتے ہیں؟ یا آپ کے اکابر کی تصنیفات کو سچا سمجھا جائے؟''

پانچ سو اڑسٹھ صفحات کی اس ضخیم کتاب میں ''عقیدۂ اِمامت، صحابہ کرامؓ، شیعہ اور قرآن، اور حدیث اصحابی کالنجوم'' پر مدلل ومحقق بحث کی گئی ہے۔

کمال یہ ہے کہ اس کتاب میں شیعہ کتابوں کے حوالوں کے اصل فوٹو اسٹیٹ شامل کئے گئے ہیں، اس کتاب کی اشاعت کو آج ۱۵ سال ہونے کو آئے ہیں۔ مگر الحمدللہ! آج تک پھر کسی شیعہ کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی۔ سچ یہ ہے کہ جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کی ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کو ایک سو سال سے زیادہ عرصہ

فہرست

ہو چکا ہے، مگر شیعہ اس کے جواب سے قاصر ہیں، ٹھیک اسی طرح اس کتاب کے جواب سے بھی ملتِ جعفریہ عاجز و قاصر ہے، اور اِن شاء اللہ! صبحِ قیامت تک رہے گی۔

''اِصلاحی مواعظ'':... حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے مقبولِ عام سلسلہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے فقہی ترتیب پر مدوّن ہوجانے کے بعد عوام کا مطالبہ تھا کہ آپ کے مواعظ و خطبات کو بھی کتابی شکل میں مرتب کیا جائے، کیونکہ جس طرح آپ کی تحریر میں بلا کی روانی، شائستگی، شستگی اور حد درجہ خیر خواہی اور دِل سوزی کا جذبہ ہے، اسی طرح آپ کے وعظ و بیان میں اس سے کہیں زیادہ خلقِ خدا کی نفع رسانی کا عنصر ہے، اس لئے آپ کے مواعظ حد درجہ مفید، نافع اور اصلاحی ہوتے ہیں، انہیں ضرور شائع ہونا چاہئے۔ چنانچہ ان کی خواہش کا لحاظ رکھتے ہوئے صاحبزادہ گرامی جناب مولانا محمد طیب لدھیانوی سلّمہ نے اس کا بیڑہ اُٹھا لیا اور اس سلسلے کی آٹھ جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

فہرست

پیشِ نظر جلد اوّل میں آپ کے دس مواعظ شامل کئے گئے ہیں، کتاب میں جو مواعظ شامل کئے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:

مقصدِ حیات، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے، اِعتکاف فضائل و مسائل، حقوق اللہ اور ذِکر اللہ کی فضیلت، توبہ کیسے کریں؟، حسد کی بیماری اور اس کا علاج، دُنیا کی محبت کے بُرے اثرات، صبر کے درجات، غیبت ایک اخلاقی بُرائی، لیلۃ القدر کی برکات، عظمتِ قرآن اور اس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات۔

تین سو بہتر (۳۷۲) صفحات کی یہ کتاب انسان کی اخلاقی زندگی بدلنے میں کسی اکسیر سے کم نہیں۔

''شخصیات و تأثرات'':... ماہنامہ ''بینات'' کراچی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا ترجمان اور حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کا جاری فرمودہ ہے۔ اس کا اِداریہ ''بصائر و عبر'' کے عنوان سے تاحیات محدث العصر حضرت

بنوریؒ کے قلم فیض رساں سے نکلتا رہا۔ حضرت بنوری قدس سرہٗ کی وفات کے بعد یہ بھاری ذمہ داری حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے کاندھوں پر ڈالی گئی بلکہ خود حضرت بنوریؒ نے اپنی حیات کے آخری سفر پر جاتے ہوئے یہ کہہ کر کہ ''آئندہ آپ خود ہی اِداریہ لکھ لیا کریں'' یہ امانت حضرت شہیدؒ کے حوالے فرمادی تھی۔ حضرتؒ نے اسے نہ صرف نبھایا بلکہ نبھانے کا خوب حق ادا فرمایا۔

پیش نظر کتاب میں شامل اکابر علمائے اُمت اور شخصیات کے بارے میں تأثرات دراصل حضرت لدھیانوی قدس سرہٗ کے قلم سے نکلے ہوئے ''بصائر وعبر'' ہیں جنہیں کتابی شکل میں مرتب کرکے شائع کیا گیا۔ یہ کتاب چونکہ حضرتؒ کی زندگی میں شائع ہوئی تھی، اس لئے اس کا تعارف بھی حضرتؒ نے خود کرایا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کا تحریر فرمودہ تعارف یہاں درج کردیا جائے:

''ا:... ماہنامہ ''بینات'' کراچی کا اِداریہ ''بصائر وعبر'' میرے حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے تھے جو ''بینات'' کے ماتھے کا حسین جھومر ہوا کرتا تھا۔ حضرتؒ کے وصال (۳رذیقعدہ ۱۳۹۷ھ) کے بعد ''بصائر وعبر'' کی خانہ پُری اس ناکارہ، کم فہم وکم سواد کے ذمہ کردی گئی۔ پیش نظر مجموعہ میں شامل ''شخصیات وتأثرات'' دورِثانی کے ''بصائر وعبر'' ہیں۔

۲:... البتہ دو شخصیات اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک میرے والد ماجدؒ کہ ان کا تذکرہ ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد میں شائع ہوا تھا۔ دُوسرے سیّدی ومرشدی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کہ ان پر ''بصائر وعبر'' کا مختصر سا اِداریہ میرے حضرت بنوریؒ نے تحریر فرماکر اس ناکارہ کو تکمیل واضافے کا حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ حضرت غالباً حرمین شریفین کے لئے پابہ رکاب تھے۔ چنانچہ

اس ناکارہ نے ''مخمل میں ٹاٹ کی پیوندکاری'' کرکے اس کو پھیلایا اور وہ حضرتؒ کے نام سے شائع ہوا۔ (حضرتؒ کے ''بصائر وعبر'' کا جو مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہوا ہے یہ پورا مضمون اس میں بھی موجود ہے) اس ناکارہ نے بطورِ تبرک اس کو زیرِ نظر مجموعہ میں شامل کرلیا، تاکہ اس کا آغاز میرے شیخ مرشد کے حسین ''ذِکرِ خیر'' سے ہو، اور اس کی بسم اللہ میرے حضرت بنوریؒ کی پاکیزہ تحریر سے ہو، اوران بزرگوں کی برکت سے یہ مجموعہ عنداللہ شرفِ قبول حاصل کرے۔ (اس مضمون کا ڈیڑھ صفحہ میرے حضرت بنوریؒ کے قلم سے ہے، اس سے آگے اس کوتاہ قلم کی پیوندکاری ہے)۔

۳:... ''شخصیات وتأثرات'' میں تاریخی ترتیب ملحوظ ہے اور حضرت ''سیّدی ومرشدی'' سے اس مجموعہ کے آغاز کی ایک مناسبت یہ بھی ہوگئی کہ تاریخی لحاظ سے بھی ''سیّدی ومرشدی'' کا ذِکرِ خیر سب سے مقدم تھا۔

۴:... یہ تمام ''تأثرات'' ان بزرگوں کی وفات پر معرضِ تحریر میں آئے۔ البتہ حضرت مخدوم مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی پر جو شذرہ ''شاہ فیصل ایوارڈ'' کے سلسلے میں لکھا گیا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۵:... میرے حضرت بنوریؒ پر متعدّد مضامین اس کوتاہ فہم کے قلم سے نکلے تھے۔ پیشِ نظر مجموعہ میں ان سب کو یکجا کردیا گیا۔

۶:... اس ''بزمِ تأثرات'' میں شریک شخصیات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، بس اسے راقم الحروف کے شخصی تأثرات کی حیثیت سے پڑھا جائے، یہ ان بزرگوں کا سوانحی خاکہ بھی نہیں،

نہ ان کے اوصاف وکمالات کا پورا مرقع، نہ ان کے عنداللہ مرتبہ کا معیار۔ولا ازکی علی اللہ احدا!

ناظرینِ کرام سے اِلتجا ہے کہ اگر کوئی کام کی بات نظر پڑے تو ناکارہ مؤلف کو دُعائے خیر سے ممنون فرمائیں اور کوئی لغزش وکوتاہی نظر آئے تو ''من ستر علی اخیه المسلم ستر الله عوراته یوم القیمة'' پرعمل فرمائیں۔

۷:... جی چاہتا تھا کہ کچھ اور شخصیات بھی اس ''بزمِ حسین'' میں شریک ہوتیں، مؤلف اس کوتاہی پر نادم ہے۔توفیقِ الٰہی دستگیری فرمائے تو خیال ہے کہ ایک اور محفلِ حسن آراستہ کروں اور اپنی محترم شخصیات کو دعوتِ شرکت دوں۔وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ!

۸:... یااللہ! آپ کے چند بندوں کا یہ تذکرہ آپ کی بارگاہِ عالی میں پیش کررہا ہوں، اے کریم! آپ ان کے ظاہر وباطن اور ان کے مبدأ ومآل سے پوری طرح واقف ہیں، یا اللہ! اگر کسی بات کے نقل کرنے میں فروگزاشت یا کسی جذبے کے اظہار میں اِفراط وتفریط ہوئی ہو تو اپنے لطفِ بے پایاں سے اس کو معاف فرما اور اپنے ''سترِ جمیل'' سے اس کے عیوب کی ستاری فرما۔''

(شخصیات وتأثرات ص:۴)

اس ۴۱۲ صفحات کی کتاب میں ۵۴ بزرگوں کا نہایت دل آویز اور حسین پیرائے میں تذکرہ کیا گیا ہے۔کتاب کا ایک ایک حرف آبِ زَر سے لکھنے کے قابل ہے۔

''شخصیات وتأثرات'' (جلد دوم):... زیرِ ترتیب ہے جو تقریباً چارصد صفحات پر مشتمل ہے، اور جس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اور ان کی تصنیفات کے علاوہ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ بن باز، مولانا محمد منظور نعمانی،

فہرست

مولانا محمد عبداللہ درخواستی، حضرت جی مولانا انعام الحسن، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا قاضی زاہد الحسینی، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید، مولانا محمد ایوب خان بنوری اور مولانا احمد رضا بجنوری ...رحمہم اللہ تعالیٰ... جیسے ۱۴۴ اکابر، علماء، صلحاء اور شخصیات کا تذکرہ ہے۔

''اطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم'': ...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کرنا ہر مسلمان کے لئے باعثِ برکت وفضیلت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ ہے۔ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس وقت قصائد بیان فرمائے، جب کفارِ قریش کے بڑے بڑے نامور شعراء ...نعوذ باللہ!... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو (مذمت) کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ جس وقت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرماتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے دُعا فرماتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے، وہ اس پر کھڑے ہوکر ان قریش کی مذمت میں اشعار پڑھتے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''رُوح القدس (جبریلِ امین) حسان بن ثابت کے ساتھ رہتے ہیں۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے دفاع کرتے ہیں۔''

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسان نے کفار کی ہجو (مذمت) کی، پس خود بھی دل ٹھنڈا کیا اور دوسروں کا بھی دل ٹھنڈا کردیا۔''

صحابہ کرامؓ میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کو بھی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی جو انہوں نے اسلام قبول کرتے ہوئے عرض کیا تھا، خاص کر اس قصیدے کے اس شعر کو:

وکن لی شفیعًا یوم لا ذوشفاعة
سواك بمغن عن سواد بن قارب

ترجمہ:...''میرے لئے اس دِن سفارشی بن جایئے جس دِن کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کے کام نہیں آئے گا۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر علمی خدمات کے علاوہ آپ کے قصیدہ ''اطیب النغم'' کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی جو انہوں نے ''قصیدۂ بائیہ'' حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ اور ''قصیدۂ ہمزیہ'' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تَتَبُّع میں تحریر فرمایا اور پھر فارسی میں اس کی تشریح بھی فرمائی۔ فارسی میں ہونے کی وجہ سے عوام اس کے اِستفادے سے محروم تھے۔ اس لئے حضرت اقدسؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ان قصیدوں اور ان کی فارسی شرح کا ترجمہ وتشریح فرمائی۔ نیز حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بھی شامل کرکے اس کا بھی ترجمہ فرماکر اُردو میں ایک بہترین ذخیرہ پیش کیا۔

آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالے کا عکس بھی شامل کردیا تاکہ اہلِ علم براہِ راست اس سے اِستفادہ کرسکیں۔ اصل فارسی رسالہ مع ترجمہ وتشریح، مجموعی طور پر ۱۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا ایک ایک لفظ عقیدت ومحبتِ نبوی کا شاہکار ہے۔

''رجم کی شرعی حیثیت'':...قرآن وسنت کی واضح نصوص اور اکابر علمائے اُمت کی تصریحات کی رُو سے جو شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زِناکاری کا اِرتکاب کرے، اسے سنگسار کیا جائے اور یہ حدِّ شرعی ہے، اس پر چودہ صدیوں کے اکابرینِ اُمت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اِجماع ہے۔ مگر شومیٔ قسمت کہ کچھ پڑھے لکھے جاہل اس کے شرعی حد ہونے سے اِنکاری ہیں، چنانچہ منکرینِ حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور اس کی رُوحانی ذُرِّیت بھی اس کے حدِّ شرعی ہونے سے منکر ہیں۔ کچھ یہی فلسفہ

جناب امین احسن اصلاحی اور فتنۂ اِنکارِ حدیث سے متأثر بعض ججوں کا بھی تھا، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں اس وقت کی وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا تھا کہ: ''حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء کے تحت زِنا کے جرم میں رجم (سنگسار) کرکے ہلاک کرنے کی سزا اِسلامی اَحکام کے خلاف ہے۔''

اس پر مرشد العلماء حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے ماہنامہ ''بینات'' میں ان بے دِین عناصر اور منکرِ حدیث ججوں کا تعاقب کرتے ہوئے قرآن وسنت کے حوالے سے نہایت زوردار انداز سے یہ ثابت کیا کہ رجم شرعی حد ہے۔ پیش نظر کتاب میں حضرتؒ کے اس سلسلے کے تمام مضامین کو یکجا کرکے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ حُسنِ اتفاق کہ حضرتؒ کی اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے کے بعد تکوینی طور پر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا اور وفاقی شرعی عدالت میں ایسے راسخ فی العلم علماء کا اثر ونفوذ ہوا کہ پھر اسی عدالت نے رجم کے حدِّ شرعی ہونے کا فیصلہ دیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالك!

''حُسنِ یوسف'':... جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضرت اقدس محدث العصر مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کی رحلت کے بعد ماہنامہ ''بینات'' کراچی کی اِدارت مرشد العلماء حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کے سپرد کردی گئی تو ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ سے آپ باقاعدہ ماہنامہ ''بینات'' کے ''بصائر وعبر'' تحریر فرمانے لگے اور یہ سلسلہ تادمِ واپسیں جاری رہا۔ آپؒ کی ان تحریروں اور مقالات ومضامین کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر بااِخلاص قارئین، احباب ومعاصرین اور حضراتِ اکابر کی خواہش بلکہ اِصرار کے درجے میں بار باران کا یہ مطالبہ سامنے آیا کہ ان مضامین کو کتابی شکل میں مرتب کیا جائے۔

پیش نظر کتاب آپ کے انہیں مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں: ''نفاذِ شریعت، شعائرِ اسلام کا تحفظ، اور دِینی مدارس ومساجد'' کے عنوان پر لکھے گئے تمام مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ پانچ سو صفحات کی یہ کتاب حکام، عدلیہ اور انتظامیہ کے لئے تازیانۂ عبرت اور

فہرست

اُمتِ مسلمہ کے لئے بہترین راہنما ہے۔

''خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم'':... عقیدۂ ختمِ نبوّت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کا باغی اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دُشمن ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اُمتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے اور ان کو دامنِ رحمت ... صلی اللہ علیہ وسلم ... سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگانے کے لئے دعویٰ نبوّت کیا تو اِمام العصر حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ تڑپ کر رہ گئے، انہوں نے آخری دِنوں میں بسترِ مرگ پر ''خاتم النّبیین'' فارسی زبان میں لکھی، ان کی خواہش تھی کہ اسے اپنے خاص مصارف سے طبع کراکر کشمیر اور ان ممالک میں تقسیم کریں جن میں فارسی زبان مروّج ہے، مگر چونکہ ہمارے ملک کی زبان اُردو ہے، فارسی کا ذوق عوام میں کیا علماء میں بھی قریب قریب ناپید ہے، اس لئے اس کے ترجمے کی ضرورت تقریباً نصف صدی سے محسوس کی جارہی تھی، مگر یہ مشکل و کٹھن کام ہر ایک کے بس کا نہیں تھا۔ حضرت بنوری قدس سرہ نے حضرت حکیم العصر قدس سرہ کو اس کا حکم فرمایا تو آپ نے اس کی ذمہ داری قبول فرمالی اور ترجمہ کرنا شروع کردیا اور بلاشبہ آپ نے ترجمے کا حق ادا فرمادیا، علومِ انوری اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کو اس سلیقے سے بیان فرمایا کہ قادیانی ذُرّیت کے تمام اوہامِ باطلہ کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا۔ یہ اپنی نوعیت کی وہ کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف محنت ومشقت اور خلوص واخلاص کا آئینہ دار ہے، یہی وہ کتاب ہے جس کے ترجمے پر حضرت بنوری قدس سرہٗ نے حضرت حکیم العصر قدس سرہٗ کو ''اپنا ہم کام وہم نام'' فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ: ''حضرت کشمیریؒ کی کتاب کے ترجمہ نگار کے لئے دس صفات کا حامل ہونا ضروری ہے، اور چونکہ وہ تمام کی تمام صفات حضرت مولانا لدھیانوی میں پائی جاتی ہیں، اس لئے وہی اس کے ترجمے کے اہل تھے۔'' چنانچہ حضرت بنوریؒ علومِ انوری کے حقائق ومعارف کی تہہ تک پہنچنے اور ان کی ترجمانی کے لئے جن دس اُمور کی ضرورت تھی، انہیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زبان فارسی ہو یا اُردو، علومِ انوری کے جواہرات اپنی

پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے، ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اس کے قبضے میں آسکتے تھے، اس کے لئے حسبِ ذیل اُمور کی ضرورت تھی:

۱:... عام فہم شستہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

۲:... مترجم ذکی و محقق عالم ہو کہ علمی اِشارات و لطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔

۳:... حضرت امام العصرؒ کے طرزِ تحریر سے مناسبت رکھتا ہو اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

۴:... قادیانیت کے موضوع سے دِلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

۵:... علمی دقائق کی تشریح پر اُردو میں قادر ہو، اور قلمی اِفادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

۶:... تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو، تاکہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کرسکتا ہو۔

۷:... حضرت امام العصرؒ سے انتہائی عقیدت ومحبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے اور غور وخوض سے اُکتا نہ جائے۔

۸:... محنت وعرق ریزی کا عادی ہو، دِل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

۹:... اپنے علمی کاموں میں محض رضائے حق کا طالب ہو، حُبِّ جاہ وثنا سے بالاتر ہو۔

۱۰:... عام علمی مہارت اور دِینی ذوق کے علاوہ خصوصیت

فہرست

کے ساتھ عربیت وبلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو، اور معانی وبلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس اُمور تھے جو اِرتجالاً زبانِ قلم پر آگئے۔ ’’عشرۃ کاملہ‘‘ کے بعد اَب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پاسکتا ہے۔ مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا، میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق ودق صحرا میں قدم رکھوں، اگرچہ عرصۂ دراز سے احساس تھا کہ اس کے ترجمہ وتشریح کی ضرورت ہے۔ جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دماغ میں تازگی تھی اور عہدِ انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی، اس وقت توجہ نہ کرسکا اور اس سعادت سے محروم رہا۔ حالانکہ ’’نفحۃ العنبر‘‘ میں ۵۴ برس پہلے لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ وبہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہوتو رسالہ ’’خاتم النّبیین‘‘ ملاحظہ کیا جائے۔

الحمدللہ! کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام، میرے مخلص رفیقِ کار مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے حصے میں آئی جو اس ’’عشرۃ کاملۃ‘‘ سے متصف تھے، باکمال تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور اس علمی ودِینی خدمت کا حق ادا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بارگاہِ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لئے سعادتِ دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعتِ مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین!‘‘

فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے یہ کتاب کسی صاعقۂ آسمانی سے کم نہیں...!

’’عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینہ میں‘‘:...قربِ قیامت میں لوگوں کی

دِینی، دُنیاوی، مالی اور اخلاقی حالت کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اس وقت لوگوں کی کیا رَوِش ہوگی؟ کیسے کیسے فتنے رُونما ہوں گے؟ بے حیائی اور بے دِینی کا کیا عالم ہوگا؟ عورتوں اور مال کے فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ یہ تمام تفصیلات احادیثِ مبارکہ سے اس کتاب میں جمع کردی گئی ہیں۔ گویا یہ احادیثِ مبارکہ کا آئینۂ صافی ہے، جس میں ہر آدمی اپنے اور دورِ حاضر کے حالات ومعاملات کا بغور جائزہ لے سکتا ہے۔

''عہدِ نبوّت کے ماہ وسال'':... شیخ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہٗ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے معاصر اور ان کے ہم پلہ عظیم بزرگ اور بلند قامت علمی شخصیت کے حامل تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے سال سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک ۲۳ سالہ دورِ نبوّت قبل اَز ہجرت اور بعد اَز ہجرت کے تمام حالات وواقعات کو سن وار عربی میں مرتب فرمایا اور اس کا نام رکھا: ''بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ'' چنانچہ اس کا تعارف کراتے ہوئے حضرت شہیدؒ نے ''عرضِ مترجم'' میں لکھا تھا:

> ''الشیخ العلامہ مولانا مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ (ٹھٹھوی) الامام الحجۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہم عصر اور خطۂ سندھ کے گویا دُوسرے شاہ ولی اللہ تھے۔ علومِ اسلامیہ، تفسیر وحدیث، فقہ واُصول، کلام وتصوف، سیر وتاریخ اور شعر وادب میں اپنے دور کے اِمام تھے، اور علم اور فضل، خشیت وانابت اور زُہد وتقویٰ میں نادرۂ روزگار! عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد، اِحیائے سنت، ترویجِ شریعت اور رَدِّ بدعت میں صَرف ہوا۔
>
> تصنیف وتالیف میں مخدوم مرحوم کو قدمِ راسخ ویدِ طولیٰ حاصل تھا، اوقات میں برکت اور قلم میں روانی تھی، عربی، فارسی اور

سندھی تینوں زبانیں بلاتکلف لکھتے اور بولتے تھے۔علومِ اسلامیہ کا کوئی شعبہ اور وقت کا کوئی اہم مسئلہ ایسا نہ ہوگا جس پر موصوف نے قلم نہ اُٹھایا ہو، مگر سرعتِ قلم اور موضوع کے تنوّع کے باوصف کیا مجال ہے کہ کوئی تصنیف، متانت وثقاہت کے بلند معیار سے ذرا بھی نیچے اُتر آئے۔‘‘

مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سن وسال کے حالات وحوادث کے تذکرے کو سعادت سمجھتے ہوئے اس کا نہایت شستہ اور سلیس ترجمہ فرمایا اور اس کا نام رکھا: ’’عہدِ نبوّت کے ماہ وسال‘‘ یہ کتاب بلامبالغہ ہر وقت سینے سے لگائے رکھنے کے قابل ہے۔ یہ حسین دستاویز ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

فہرست

’’دورِ حاضر کے تجدد پسندوں کے اَفکار‘‘:... دِینِ اسلام چونکہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے، اس لئے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت قیامت تک باقی رہے گی، ایسے ہی یہ دِین ومذہب بھی قیامت تک ٹھیک اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اُمت تک پہنچایا تھا، مگر دِین دُشمن افراد اور قوتوں کی روزِ اوّل سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح اسے مسخ کرکے اس کی شکل بگاڑ دی جائے اور اس میں من مانی تحریفات کرکے اُمت کو اس سے برگشتہ کردیا جائے۔

اِبتدا میں اگرچہ یہ نامسعود کوششیں یہود ونصاریٰ کرتے رہے، مگر انہوں نے جب اس میدان میں ناکامی کا منہ دیکھا تو اپنے زَرخرید غلاموں کو اس کام میں لگادیا۔ چنانچہ اسلام کا نام لینے والے ان اسلام دُشمنوں نے ’’اسلامی ریسرچ وتحقیق‘‘ کے عنوان سے اس شجرۂ طیبہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی اور نت نئے انداز سے اس پر تابڑتوڑ حملے کئے۔ کچھ ’’مخلصین‘‘ اور ’’مصلحین‘‘ سے اسلام کی یہ مظلومیت دیکھی نہ گئی، چنانچہ انہوں نے نہایت معذرت خواہانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے دِین ومذہب کے ان

مسائل اور اُصول وقوانین میں ...جن کو جاہلیتِ جدیدہ کے علم برداروں نے غلط پروپیگنڈا کرکے بدنما دِکھانے کی کوشش کی تھی ...اصلاح وترمیم کا مشورہ دینا شروع کیا، اور بالفعل ان پر کتر و بیونت کی مشقِ ناز شروع کردی۔

پیشِ نظر کتاب میں مرشد العلماء حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے ایسے ہی حضرات کا تعاقب فرمایا ہے جو اُصولِ دِین کے بارے میں اِفراط وتفریط کے مرتکب ہوئے۔ ان میں سے بعض افراد تو واقعی مخلص ہوں گے، لیکن بعض تو خالص بددِین اور اِسلام دُشمن تھے۔ چنانچہ اس کتاب میں ’’دِینِ الٰہی‘‘ کے موجد ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ اَفکار، عمر احمد عثمانی کی تحریفات، ڈاکٹر یوسف گورایہ کے اِجتہادات، ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار، مولانا محمد حنیف ندوی کا مصالحتی فارمولا، وقار انبالوی کے اسلام اور علمائے اسلام کو بدنام کرنے کے بھونڈے انداز، اور جناب مولانا اللہ یار خان چکڑالوی کے جدید انکشافات کو قرآن وسنت، عقل ودانش اور تحقیق وریسرچ کی کسوٹی پر پرکھ کر اُمت کی ٹھیک ٹھیک راہنمائی کی گئی ہے۔ پانچ صد چھیاسٹھ صفحات کی یہ کتاب ہر اعتبار سے کامل ومکمل ہے۔ یہ کتاب پریس گئی ہوئی تھی کہ مؤلف سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے، اور آپؒ کی شہادت کے تیرہ دِن بعد جب یہ منظرِ عام پر آئی تو اس کا مصنف اس دُنیا میں نہیں تھا۔

’’دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اُصول‘‘:... بساطِ ارضی میں جہاں قدرتِ اِلٰہیہ کے مظاہر، نمونے اور آثار وشاہکار ایسے نظر آتے ہیں جن کی حکمت وفلسفہ انسانی عقل وفہم اور اِدراک میں آسکتے ہیں، وہاں اس کی قدرت کے بے شمار ایسے گوشے بھی ہیں جو انسانی عقل وفہم سے ماوراء اور اِدراک وشعور سے بلند وبالا ہیں۔ ایسے معاملات میں سپر ڈال کر صرف اور صرف ’’اٰمَنَّا بِہٖ‘‘ کے اِقرار کے بغیر چارہ نہیں۔ ان اُمور کو ’’تکوینیات‘‘ کہا جاتا ہے، اور تکوینیات انسانی عقل وخرد کی پہنچ سے نہایت اُونچے درجے کی چیز ہے، اس میں بحث وتمحیص اور کھود کرید سے جادۂ مستقیم سے بھٹک جانے کا خطرہ اور اندیشہ رہتا ہے۔ ہاں! البتہ بعض اوقات محض اپنے فضل واحسان سے اللہ تعالیٰ ان اُمور کی حکمت اور فلسفہ سے

پردہ اُٹھا کر اپنے بندوں کو ان کی درماندگی اور عجز ونقص کا احساس دِلاتے ہیں۔

یوں تو اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اس کی ایک مثال پیش نظر حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی قدس سرہٗ کی وہ کتاب ہے جو انہوں نے تبلیغ کے مشہورِ عام چھ بنیادی اُصول یعنی ''تبلیغ کے چھ نمبروں'' پر لکھی اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں مبرہن فرمایا۔ حضرت جیؒ نے اسے اپنی حیاتِ مستعار میں کس جوش، جذبے، ذوق، شوق، محنت ولگن اور دیدہ ریزی سے مرتب فرمایا ہوگا؟ اس کا اندازہ انہیں حضرات کو ہوسکتا ہے جنہوں نے حضرت جیؒ کو دیکھا یا سنا ہوگا۔ مگر اس قدر ارمانوں کے بعد تصنیف کردہ کتاب گوشۂ گمنامی میں چلی گئی اور ایک عرصہ تک اس کی کسی کو بھنک تک نہ پڑسکی۔ ایک عرصے کے بعد حضرت جیؒ کے پوتے جناب مولانا سعد صاحب زید حیاتہٗ کو حضرت جیؒ کی ذاتی کتابوں میں سے وہ مسوّدہ دستیاب ہوا اور طے کیا گیا کہ اسے اُردو ترجمہ کرکے اِفادۂ عام کے لئے شائع کیا جائے۔ مختلف اکابر علماء اور اہلِ قلم سے رابطہ کیا گیا، بعض حضرات نے ترجمے سے معذرت کی تو بعض نے حامی بھرلی، مگر تکمیل کسی سے بھی نہ ہوسکی۔ اسی اثنا میں مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے رابطہ کیا گیا تو حضرت نے نہ صرف اس خدمت کو قبول فرمایا بلکہ اسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس پر کام شروع کردیا، اور کچھ ہی عرصے بعد اس کے ترجمے کے اِملا سے فارغ ہوگئے۔ تب اس کا راز کھلا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسفِ اوّلؒ کے کام کی تکمیل یوسفِ ثانیؒ کے حصے میں رکھی تھی، اور اسی لئے یہ ساری رُکاوٹیں اور موانعات پیش آئے اور کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکی۔

کتاب کا مسوّدہ کِرم خوردہ تھا، متن میں اغلاط تھیں، حوالہ جات ناکافی اور نامکمل تھے، احادیث کے متن خلط ملط تھے، جن کتابوں کے حوالے تھے وہ تقریباً اب نایاب ونا پید ہیں، یوں مطابع کے اختلاف اور صفحات کے تفاوت کی بنا پر کتاب میں درج احادیث کا متن مراجع سے ملانا ایک مشکل کام تھا، مگر حضرت اقدس حکیم العصرؒ نے نہایت عرق ریزی اور شوق وذوق سے یہ کام کیا۔ بلاشبہ یہ کام وہی کرسکتا ہے جس کو حدیث سے

فہرست

عشق اور اکابر کے علوم سے وارفتگی کی حد تک تعلقِ خاطر ہو۔ یوں یہ پونے چار صد صفحات کی کتاب نہایت خوبصورت انداز میں تیار ہوگئی۔ افسوس کہ حضرت اقدسؒ باوجود شدید خواہش کے اس کتاب کو مطبوعہ شکل میں نہ دیکھ سکے۔

حضرت شہیدؒ نے اس کتاب میں درج نامکمل احادیث کی تکمیل فرمائی، ہر حدیث کا حوالہ دیا، جہاں متعدّد احادیث کے متن خلط ملط تھے، ان کو الگ الگ کیا، قدیم مراجع کو جدید مراجع کے ساتھ ملاکر جدید کتابوں کے حوالے دیئے، جہاں ضرورت تھی، وہاں اضافے فرمائے، جن کتبِ احادیث میں حدیث کے نمبرات تھے، ان احادیث کے حدیث نمبر لگوائے، یوں یہ ایک لاجواب تحقیقی دستاویز تیار ہوگئی۔

''ذریعة الوصول الیٰ جناب الرسول ﷺ'':... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت ہر مسلمان کے ایمان وعقیدے کا جز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا محبوب ترین عمل، لذیذ ترین عبادت اور ذاتِ نبوّت سے اظہارِ محبت وعقیدت کا بہترین ذریعہ اور حصولِ شفاعتِ نبوی کا نفیس ترین واسطہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے علمائے اُمت اور اکابر کی یہ کوشش، خواہش، آرزو اور تمنا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل وبرکات پر مشتمل مجموعہ مرتب کرکے اُمت کو اس محبوب عمل کی طرف متوجہ اور اپنی نجات وشفاعت کا وسیلہ اور سامان کیا جائے۔ چنانچہ حافظ شمس الدین سخاویؒ نے ''قولِ بدیع'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے کے فضائل وبرکات کا خلاصہ ان الفاظ میں ذِکر فرمایا ہے:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے یہ دولتیں میسر آتی ہیں: درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت بھیجتے ہیں، خطاؤں کا کفارہ ہوجاتا ہے، اس سے اعمال بڑھتے اور پاکیزہ ہوتے ہیں، درجے بلند ہوتے ہیں، گناہوں کی بخشش ہوجاتی ہے، درود شریف

فہرست

فہرست

اپنے پڑھنے والے کے لئے اِستغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھنے والے کے لئے ایک قیراط کا اَجر لکھا جاتا ہے، (ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے) اس کا اَجر کامل ترین پیمانے سے تولا جاتا ہے، جو شخص اپنا تمام تر وظیفہ درود شریف پڑھنے کو بنالے اس کے دُنیا وآخرت کے تمام اُمور کی کفایت ہوجاتی ہے، خطائیں محو کردی جاتی ہیں، درود شریف پڑھنا غلاموں کے آزاد کرنے سے افضل ہے، اس کے ذریعے قیامت کی ہولناکیوں سے نجات ملتی ہے۔‘‘

اسی طرح شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کی بھی ایک عرصے سے آرزو، تمنا، خواہش اور کوشش تھی کہ درود شریف پر ایک رسالہ تالیف کریں اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی تک رسائی کا ذریعہ بنائیں، لیکن دُوسرے اکابر کے رسائل وکتب کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر نئی تالیف سے شرم دامن گیر تھی۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کے لطف وعنایت کے قربان جائیے! کہ اس مولائے کریم نے غیب سے حضرتؒ کی دستگیری فرمائی اور آپ کی اس دیرینہ آرزو کے بَرآنے کی شکل پیدا فرمادی۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ہالا ضلع حیدرآباد (سندھ) سے حضرتؒ کے دوست ڈاکٹر قاضی محمد شوکت علی قریشی زید لطفہٗ نے شیخ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کے فارسی رسالہ ’’ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کا نسخہ بھجوایا اور اسے اُردو میں منتقل کرنے کی درخواست کی۔ یہ حضرتؒ کے دیرینہ حسین خواب کی تعبیر تھی، اس لئے اسے لطیفۂ غیبی سمجھ کر فوراً وعدہ کرلیا اور چند دِنوں میں اس رسالے کا ترجمہ مکمل فرمادیا۔ اصل رسالہ ۶۲ صفحات کا تھا۔ جس کے صفحہ:۵۶ سے ۶۲ تک کی چند سطریں کرم خوردہ تھیں، اسی طرح آخری ضمیمے میں حضرتِ مصنف درود شریف کے چالیس الفاظ لکھ رہے تھے، نمبر ۳۴ تک صفحہ:۶۲ میں آئے، آگے نمبر ۳۵ کی عبارت شروع تھی کہ صفحہ ختم ہوگیا اور اس سے اگلے صفحات ندارد، مصنف کی عبارت بھی نامکمل رہی اور درود شریف کے چالیس صیغے بھی

پورے نہ ہوئے، اس لئے جہاں تک حضرت مؤلف کی عبارت تھی، وہاں تک حضرت شہیدؒ نے ترجمہ کرکے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

تراجم کے بارے میں حضرت شہیدؒ کا ذوق یہ تھا کہ اکابر کی کتب و رسائل کے صرف ترجمے پر اِکتفا نہ کیا جائے، بلکہ مصنف کا اصل (عربی یا فارسی) متن بھی ساتھ دیا جائے، اس لئے آخر میں اصلی رسالے کا عکس بھی شاملِ کتاب کردیا گیا۔ حضرت مصنفؒ نے اس رسالے میں درود شریف کے وہ الفاظ جمع کئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، صحابہؓ اور تابعینؒ سے اور دیگر اکابرؒ سے منقول ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس جمع و تدوین سے مقصود درود شریف کے الفاظ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرنا ہے جس کو مسلمان بھائی پڑھا کریں، اور درود شریف کے فضائل و برکات سے مالا مال ہوں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر حضرتؒ نے درود شریف کے ان تمام صیغوں کو (بغیر ترجمے کے اور بغیر حوالہ روایت کے) ''مناجاتِ مقبول'' کی طرز پر جمع کرکے، الگ شائع کردیا ہے، اور ان کو سات حصوں میں تقسیم کردیا ہے اور اس کو ''مناجات'' ہی کی تقطیع پر شائع کیا گیا اور اپنے احباب و متعلقین کو پابند کیا گیا کہ روزانہ اس کی ایک منزل کا معمول بنائیں۔ اصل کے عکس سمیت کل دو سو چھپن صفحات کی یہ کتاب عشق و محبت نبوّت کا سرچشمہ اور شفاعتِ نبوی کا نفیس ترین مجموعہ کسی طرح اکابر علمائے امت کی تصنیفات سے کم نہیں۔

''قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ'':... حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اکابر علمائے دیوبند سے عموماً اور مشائخِ اَربعہ سے خصوصاً عشق کے درجے میں محبت تھی۔ ان کے حالاتِ زندگی اور حیات و سوانح کا کوئی تذکرہ کرتا تو حضرت کی عشق و محبت کی کیفیت دِیدنی ہوتی۔ یوں محسوس ہوتا کہ ان کے ذِکرِ خیر کی حلاوت و مٹھاس کو آپ محسوس فرماکر اس سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ کچھ یہی کیفیت حضرت شہیدؒ کی اپنے اور عالمِ اسلام کے شیخ، قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ کے تذکرے پر ہوتی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی رحلت

کے بعد ان کے محبوب خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف متالا زِید مجدہٗ نے حضرت شیخ الحدیث کی سوانح کی ترتیب کی فرمائش کی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ انگلینڈ میں مولانا متالا صاحب کے مدرسے میں فروکش ہوگئے اور کئی مہینے لگا کر آپ نے اپنے شیخ کی حیات وسوانح مرتب فرمائی۔

کتاب کیا ہے، حضرت شیخ کی سوانح پر ایک لاجواب انسائیکلو پیڈیا ہے، کتاب کی تعریف کرنا ''مادح خورشید مداح خود است'' کا مصداق ہے، اس لئے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے مقدمۂ کتاب کے ضروری اِقتباسات یہاں درج کردیئے جائیں۔

''حق تعالیٰ شانہٗ کے خاص مقبول ومحبوب بندوں کی سیرت وسوانح کئی لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے۔

اوّلاً:... ان کے اَحوال وسوانح ان کی صحبت کا بدل ہیں، اور جو لمحات ان کے مذاکرہ میں گزریں، وہ گویا ان کی صحبت وہم نشینی میں گزرتے ہیں۔ جس طرح کسی مصنف کی کتاب کا مطالعہ اس کی صحبت کے قائم مقام ہے اور اس سے مصنف کے قلبی جذبات واحساسات قاری کی طرف شعوری وغیرشعوری طور پر منتقل ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کی سیرت وسوانح کے مطالعے سے صاحبِ سیرت کی قلبی کیفیات قاری کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

ثانیاً:... حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتِ خاصہ ان اکابر کے شاملِ حال ہوتی ہے، اس لئے ان کا ذِکرِ خیر رحمتِ خداوندی کے نزول کا سبب ہے۔ چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہے: ''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ'' ''صالحین کے ذِکرِ خیر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔''

راز اس کا یہ ہے کہ محبوب کا ذِکر بھی محبوب ہوتا ہے، اس

لئے عنایتِ خداوندی ان لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہو جاتی ہے جو تعلق ومحبت سے کسی مقبول ومحبوب بندے کا ذِکر بالخیر کرتے ہیں:

''هم القوم لا يشقى بهم جليسهم!''

ثالثاً:... ان کے صبر واِستقامت، اِخلاص ولِلّٰہیت، ریاضت ومجاہدہ، عزیمت وتوکل کے حالات وواقعات، شاہراہِ انسانیت کی روشن قندیلیں ہیں، جن کی روشنی سے انسانیت کے گم گشتہ قافلے راہ پاتے ہیں، ان کا نقشِ پا آئندہ نسلوں کے لئے جادۂ منزل بن جاتا ہے، اور قافلۂ انسانیت، ان کی پامال راہ پر چل کر فلاح وکامرانی کی منزل پالیتا ہے۔

حضرت الشیخ الامام الحافظ الحجۃ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ ہمارے اس آخری دور میں شریعت وطریقت کے اِمام، علماء ومشائخ کے مرجع ومقتدا، سرحلقۂ عشاق اور قطب الاقطاب تھے۔ عنایتِ ازلیہ نے ان کے وجودِ باجود میں اوصاف وکمالات کی ایسی جامعیتِ کبریٰ ودیعت فرمائی تھی جس سے ہر صدی میں خاص خاص افراد ہی مشرف ہوتے ہیں، اور اسی جامعیت کی بنا پر وہ اپنے معاصرین سے ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔ ان کی عظیم شخصیت اپنے اندر ظاہری وباطنی کمالات کے بہت سے متنوّع پہلو رکھتی ہے اور وہ ہر کمال میں ایسے فردِ یگانہ ہوتے ہیں کہ بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے کمالات میں کلیدی وصف اور سب سے غالب پہلو کون سا ہے؟

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

حضرت شیخ نوّراللہ مرقدہٗ کے حالات بعض محبین ومخلصین نے آپ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی قلم بند کر لئے تھے، اور خود حضرتؒ نے بھی اپنی ''آپ بیتی'' سات حصوں میں لکھوائی۔ آپؒ کے وصال کے بعد متعدّد رسالوں نے آپ پر خصوصی نمبر شائع کئے، جن میں ''الفرقان'' لکھنؤ کا خصوصی شمارہ بہت ہی جاندار اور شاندار تھا۔ تاہم ایک ایسی سوانح کی ضرورت تھی، جس سے آپ کی جامع شخصیت کا سراپا بیک نظر سامنے آجائے اور وہ بعد والوں کے لئے مشعلِ راہ ہو۔

راقم الحروف کے وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ اسے حضرت شیخ نوّراللہ مرقدہٗ ایسی نابغہ اور جامع کمالات ہستی کے بارے میں کچھ لکھنے کا اتفاق ہوگا؟ میرے مخدوم ومعظم، میرے ہم نام اور ہمارے شیخ نوّراللہ مرقدہٗ کے محب ومحبوب خلیفۂ اَرشد حضرت مولانا محمد یوسف متالا زیدت مکارمھم نے حضرتؒ کے وصال کے بعد ''حضرتِ شیخ اور ان کے خلفاء'' کے موضوع پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا، اس کے لئے خلفاء کی خدمت میں ایک سوال نامہ بھیج دیا اور جوابات کی ترتیب کا حکم اس ناکارہ کے نام صادر فرمایا۔ ان کے حکم سے سرتابی کی گنجائش نہ تھی، توکلاً علی اللہ! کام کی بسم اللہ کردی۔

جن عنوانات پر لکھنے کا ارادہ تھا اور جن کا خاکہ تیار ہوچکا تھا، بعض ناگزیر وجوہ سے ان میں سے بہت سے عنوانات حذف کردینا پڑے، اور جو عنوانات زیرِ قلم آئے، وہ بھی بے حد تشنہ رہے۔ ہمارے حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ''ناقص کا ہر کام ناقص ہوتا ہے!'' حضرت کا یہ فقرہ ناکارہ مؤلف اور اس کی تالیف پر ہر لحاظ سے صادق آتا ہے۔ ناچیز

فہرست

مؤلف کو کتاب کے بیشتر حصوں پر نظرِ ثانی اور اِصلاح وترمیم کا بھی موقع نہیں ملا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے دس باب ہیں۔ پہلے دو میں حضرتِ والا کا سلسلۂ نسب اور خاندانِ عالی، ولادت باسعادت اور تعلیم وتربیت، تیسرے میں درس وتدریس، چوتھے میں تصنیف وتالیف، پانچویں میں نظام الاوقات اور معمولات، چھٹے میں خداداد اوصاف وکمالات، ساتویں اور آٹھویں میں مدارس وتبلیغ کی سرپرستی، ملفوظات اور سالکین کے نام تربیتی خطوط کے اقتباسات، نویں میں جدید فتنوں کا تعاقب اور دسویں میں حضرت شیخ اکابرؒ کی نظر میں۔ تلک عشرۃ کاملۃ!''

چھ سو چھیالیس صفحات پر مشتمل حضرت شیخ الحدیثؒ کی حیات وسوانح کا ایک ایک لفظ عقیدت ومحبت کا مظہر اور حقانیتِ اسلام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

''حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'':...قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ کا فضل وکمال اور علم وتحقیق کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حضرتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کے بارے میں ایک کتاب مستطاب تالیف فرمائی۔ کتاب چونکہ عربی میں تھی اس لئے اُردو دان طبقہ اس کے نفحات سے مستفید نہیں ہوسکتا تھا، اس ضرورت کے پیش نظر حضرت شہیدؒ نے اس کو اُردو کے نہایت حسین وجمیل قالب میں ڈھالا تو حضرت بنوریؒ جیسی عبقری شخصیت بھی اس پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکی۔ چنانچہ اس کتاب کے تعارف میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے تبرکاً میں حضرت بنوریؒ کی تحریر کو نقل کرتا ہوں:

''عبادات میں فریضۂ حج بیت اللہ الحرام ایک عجیب وغریب عبادت ہے۔ حج کیا ہے؟ بارگاہِ قدس کی تجلیات کا ایک

رُوح پرور نظارہ ہے، ایک مؤمنِ قانت اپنی اِستعداد کے مطابق اس مرکزِ تجلیات سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے، اس منبعِ انوار کے جلوؤں سے نورِ ایمانی پاتا ہے، اور اس سرچشمۂ فیض سے غذائے رُوحانی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ غسل کرکے اور لباسِ مرگ پہن کر رضائے محبوب پر مرمٹنے کا عہد (اِحرام) باندھ لیتا ہے، اور پھر عاشقانہ ووالہانہ انداز میں نعرۂ توحید بلند کرتا ہے، کبھی محویت کے عالم میں بادہ پیمائی، صحرانوردی اور آبلہ پائی کے ذریعے دِلِ مضطر کا سکون ڈھونڈتا ہے، اور کبھی دیوانہ وار تلاشِ محبوب میں دیارِ محبوب کے چکر لگاتا ہے۔ صفا، مروہ، منیٰ کے مراحل طے کرکے وادیٔ عرفات پہنچ جاتا ہے، جہاں حق تعالیٰ کی رحمت کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور اپنے ظرف وِاستعداد کے مطابق سیرابی حاصل کرتا ہے۔ مزدلفہ ومنیٰ میں نفس وشیطان کے مقابلے کے تمام مراحل طے کرکے اور نفحاتِ الٰہیہ سے سرشار ہوکر دیارِ محبوب کے آخری دیدار سے سرفراز ہوتا ہے، اور دُنیا وعُقبیٰ کی سعادتوں سے مالا مال ہوکر وطن پہنچ جاتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ...جو فرضیتِ حج کے بعد اَدا فرمایا... مدینہ طیبہ سے کیا، کس تاریخ کو روانہ ہوئے؟ کب ذُوالحلیفہ پہنچے؟ اِحرام کب اور کیسے باندھا؟ منازلِ سفر کیسے طے فرمائیں؟ راستے کی ایک ایک منزل پر کیا کیا واقعات پیش آئے؟ اور کیا کیا ہدایات فرمائیں؟ مرکزِ تجلیاتِ الٰہی ...بیت اللہ... کب پہنچے اور کس انداز میں پہنچے؟ طواف کیسے کیا؟ صفا ومروہ کی سعی کیسے فرمائی؟ منیٰ کو روانگی کب ہوئی اور کس شان سے

ہوئی؟ منیٰ سے عرفات کب اور کیسے پہنچے؟ وقوفِ عرفات کب سے کب تک رہا؟ کیا کیا پڑھا؟ کیا کیا مانگا؟ اور کیسے مانگا؟ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کیا کیا بشارتیں ہوئیں؟ عرفات سے مزدلفہ کا سفر کیسے ہوا؟ وہاں کب پہنچے؟ نمازیں کیسے پڑھیں؟ رات کیسے گزاری؟ وہاں کیا کچھ مانگا؟ کیسے وقوف فرمایا؟ منیٰ کے لئے کب روانگی ہوئی؟ رَمیٔ جمرات کیسے کی؟ حج کی قربانی کیسے کی؟ کتنے جانور ذبح کئے؟ اور کیسے کئے؟ ان راتوں کو اور لمحوں کو کیسے ذِکراللہ میں گزارا؟ وہاں اُمت کو کیا کیا وصیتیں فرمائیں؟ منیٰ سے کب روانگی ہوئی؟ محصَّب کس وقت پہنچے؟ وہاں کتنا ٹھہرے؟ بیت اللہ کا آخری دِیدار اور آخری الوداعی طواف کیسے کیا؟ مدینہ طیبہ واپسی کب ہوئی؟ سفرِ عشق کے یہ تمام مراحل کتنے عرصے میں طے ہوئے؟ اور حیاتِ مقدسہ کے کتنے اَیام باقی تھے؟ حج کے علاوہ عمرے کتنے کئے؟ اور ان تمام اسفار میں کیا کیا واقعات پیش آئے اور کن کن مسائل کی گرہ کشائی فرمائی؟

ان سوالات کے تفصیلی جوابات کے لئے دورِ حاضر کے سب سے بڑے محدث، عالم، شیخ الحدیث حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب صدیقی، کاندھلوی ثم المدنی، دامت برکاتہم کی کتاب ''حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کا مطالعہ کیجئے جو اپنے موضوع پر جامع ترین کتاب ہے۔

یہ کتاب عربی زبان میں تھی، جس سے علماء ہی مستفید ہوسکتے تھے، حق تعالیٰ برادرِ محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی ... مدیر ماہنامہ ''بینات'' نیوٹاؤن کراچی ... کو جزائے خیر عطا فرمائے،

جنہوں نے اس کا اُردو ترجمہ کرکے عام مسلمانوں پر اِحسان فرمایا کہ اس خوانِ یغما سے ہر شخص فائدہ اُٹھا سکے، اور عربی نہ جاننے والے، دِینی علوم سے ناواقف حضرات بھی خوشہ چینی کرسکیں۔ جس قلم سے علمی نفحات ماہنامہ ''بینات'' وغیرہ میں مشتاقانِ دِین کے دماغوں کو معطر فرماتے رہتے ہیں، اس کے ترجمے کے بارے میں کچھ کہنے کی حاجت نہیں:

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔''

تین سو پینتیس (۳۳۵) صفحات کے اس حسین گلدستے میں حجۃ الوداع کی تفصیلات کے علاوہ عمرۂ حدیبیہ، عمرۃ القضاء، عمرۂ جعرانہ اور دُوسرے بیشتر متفرق اُمور کا بسط وتفصیل سے بیان ہے۔ (مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ)

***

خراجِ تحسین

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہمارے اس دور کی وہ عظیم شخصیت تھی جن پر اکابرِ اُمت کو ناز تھا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ اور حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے فیضِ تربیت نے ان کو عقیدۂ ختمِ نبوّت سے وہ وابستگی اور تڑپ عطا کی جس نے آپ کو ترجمانِ ختمِ نبوّت کے منصب پر فائز کیا۔ ویسے تو حضرت بنوریؒ کے زمانے میں ان کے جوہر دُنیا پر آشکارا ہوگئے تھے، علمائے امت ان کی تحریروں سے استفادہ کرتے تھے، اور اکابر علمائے کرام ان کو ترجمانِ علمائے حق کی حیثیت دیتے تھے، اور ہمارے حضرت بنوریؒ نے ان کو اپنا ہم نام، ہم کام اور مدرسہ کا مدار قرار دے کر ایک ایسے اعزاز سے سرفراز فرمایا تھا جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد آپ نے جس انداز سے ''بینات'' کے ذریعہ قلمی جہاد کیا، اس نے حضرت بنوریؒ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔

''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے دفتر میں حضرت بنوریؒ کی طرف سے ان کی تقرری ہماری سمجھ سے بالاتر تھی، لیکن مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد آپ نے جس طرح ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کی ترجمانی کا حق ادا کیا، وہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس کا تمام تر سہرا حضرت بنوریؒ کی کرامت اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی

تواضع اور مروّت کو جاتا ہے۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ حضرت بنوریؒ نے ان کو اتنے اِصرار سے دفتر میں کیوں بٹھایا تھا۔

۱۹۸۹ء سے لے کر شہادت تک انہوں نے یورپ، افریقہ، سمرقند و بخارا اور پاکستان کے ایک ایک گوشے میں ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے کام کو وسیع کیا اور قادیانیت کی کمر توڑ دی، اور مرزا طاہر کے مباہلے کے چیلنج کو قبول کر کے مسلمانوں کی عزّت ووقار میں اضافہ کیا، اور مرزا طاہر سے لے کر عام قادیانی تک کے ایک ایک شبہ کا مدلل جواب دیا، جو ان کے قلم کا ایسا شاہکار ہے جس پر تاریخِ اسلامی عرصۂ دراز تک ناز کرتی رہے گی۔ تردیدِ قادیانیت کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی ان کی کتب وتصانیف ایک اچھا خاصا علمی ذخیرہ ہے، خاص کر ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' سے تو اُمت صدیوں تک اِستفادہ کرتی رہے گی، اور قومیں رہنمائی حاصل کرتی رہیں گی۔ رُشد وہدایت کی مسند سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ان کا ایسا صدقۂ جاریہ ہے جس کا تسلسل قیامت تک جاری رہے گا۔ مسلک سے مضبوط وابستگی اور اِصلاح کے سلسلے میں پختہ شرائط ان کا ایک خاص وصف تھا۔ علمائے دیوبند سے گہری عقیدت ان کے کمال کی سب سے بڑی دلیل ہے، واقعی وہ اسلاف کی مکمل تصویر تھے۔ حضرتؒ کی شہادت اُمتِ مسلمہ کے لئے اس صدی کا سب سے بڑا نقصان ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کی بہتر صورت پیدا فرمائیں۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بلاشبہ ایک عہدساز اور ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے۔ دِینِ حق کی خدمات کا شاید ہی کوئی میدان ہو جہاں آپ کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل نہ ہوں۔ مولاناؒ بیک وقت کئی شعبوں میں عرصۂ دراز تک خدمتِ دِینِ محمدی میں مشغول رہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس میدان میں بھی آپ نے قدم رکھا اللہ

تعالیٰ نے اس میں آپ سے بھرپور کام لیا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ آخر دَم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

تدریس کے شعبے میں آپ نے اِبتدا سے دورۂ حدیث تک کے تمام اسباق عرصۂ دراز تک پڑھائے، اسی لئے مولانا کا رُسوخِ علم عروج تک پہنچا۔ مولاناؒ کے فیض یافتہ ہزاروں شاگرد آپ کی علمی قابلیت کی دلیل اور آپ کے لئے توشۂ آخرت ہیں۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں آپؒ کی خدمات اظہر من الشّمس ہیں، آپؒ کی تحریروں سے اس پُرفتن دور میں بے شمار لوگوں کو راہِ حق کی رہنمائی ملی، آپ کی گراں مایہ تصنیفات آنے والوں کے لئے ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ مولاناؒ نے جس معتدل اندازِ تحریر کے ساتھ مسلکِ حق کی ترجمانی کی، اس کی مثال قریبی دور میں ملنا مشکل ہے۔ مشکل مسائل کو سہل انداز میں پیش کرنا آپ کی علوِّ اِستعداد اور وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہے۔

فہرست

حقیقت یہ ہے کہ جو کام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے کیا وہ ایک جماعت مل کر بھی نہیں کرسکتی۔ آپؒ بیک وقت ایک عظیم مدرس، مصنف، مفسر، محدث، مصلح اور کاروانِ ختمِ نبوّت کے سالار ومجاہد تھے۔ یہ آپ کی شخصیت کی ہمہ گیری کی دلیل ہے کہ آپ سینکڑوں مدارس کے سرپرست، مسلکِ حق سے وابستہ جماعتوں کے راہنما، علمائے اہلِ سنت والجماعت کے ترجمان، باطل سے برسرِ پیکار مجاہدین کے پشت پناہ اور معاون ومددگار تھے۔ بلاشبہ یہ جامعیت، ہمہ گیری اور مرجعیت آپ ہی کے حصے میں آسکتی تھی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہٗ

ہمارے مشائخ اور بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے جامعیتِ کاملہ سے نوازا تھا، چنانچہ وہ علم وعمل، تقویٰ وطہارت، تصنیف وتالیف، تعلیم وتدریس، اصلاح وتربیت وغیرہ، ہر میدان میں اِمام نظر آتے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکیلے ان سے وہ کام لیا جو ایک مستقل اکیڈمی نہیں کرسکتی، جس کی زندہ مثال حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ

اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی شخصیات ہیں کہ ان کی حیاتِ مستعار کے لمحات اور کارناموں کا موازنہ کیا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کے محدود دِنوں میں اتنے سارے کام کس طرح اور کیسے کر لئے تھے؟ ٹھیک اسی طرح ہمارے بزرگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اس کا مصداق بنایا تھا کہ آپ ان علماء میں سے تھے جن میں یہ کمال تھا۔ چنانچہ آپ کے علوم وفیوض کے چشمۂ صافی سے پوری دُنیا سیراب ہوئی، مگر وہ نہ ختم ہوا اور نہ کم ہوا، اس لئے کہ حضرتؒ کی دِینی خدمات کا جائزہ لیجئے تو ایک طرف علماء کی تربیت ہورہی ہے، درس وتدریس ہورہا ہے، رُشد وہدایت کا چشمہ بہہ رہا ہے، تو دُوسری جانب عوام کی تربیت کا انتظام ہے، ان کی ذہن سازی ہورہی ہے، اور رُوحانی فیض پھیلایا جارہا ہے، بلکہ یہاں بیٹھ کر ان کی تربیت کا اثر اور علمی فیض دُنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکا ہے، مجھے اکثر باہر جانے کا اتفاق ہوتا ہے، وہاں دِین دار طبقے سے ملاقات ہوتی ہے اور ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم ہر جمعے کو ''جنگ'' اخبار کا اِنتظار کرتے ہیں کہ جمعہ آئے تو ہم حضرت کا فقہی مسائل کا کالم ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' پڑھ کر ہدایت حاصل کریں۔

اسی طرح تدریس کے میدان میں آپؒ لائق وفائق اور قابل مدرّس، تصنیف وتالیف کے میدان میں قلم کے شہسوار، فِرَقِ باطلہ کے مقابلے میں بحث ومناظرہ اور مناقشہ ومباحثہ میں نہایت مہذب وشائستہ زبان وبیان، اور حد درجہ منصفانہ انداز کے مالک تھے، جس کا مخالفین کو بھی اعتراف تھا۔ اگر اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپؒ کی تصنیف ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم''... جسے اگر اِلہامی تصنیف کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا... دیکھی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ: ''وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط'' (النحل:۱۲۵) کا نمونہ ہے۔ اسی طرح اگر آپؒ کے فتاویٰ اور اُمت کے بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کا نمونہ دیکھنا ہو تو آپؒ کے قلم کے جواہر پارے ''آپ کے

مسائل اور اُن کا حل‘‘ کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت شہیدؒ ایک کامیاب مصلح اور مربی تھے جنہوں نے اپنی سیرت و کردار، اپنے وعظ و بیان، دعوت و ارشاد اور رُشد و ہدایت اور حلقہ ہائے ذِکر و فکر سے ہزاروں انسانوں کی اصلاح و تربیت فرمائی۔

حضرت شہیدؒ کی اِستقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تربیت کا جو سلسلہ بھی شروع فرمایا اسے نہایت پابندی سے نبھایا۔ وہ جمعہ کا وعظ ہو یا ہفتہ کے مختلف دُروس، مجالسِ ذِکر ہوں یا رمضان المبارک کا اِعتکاف، اس میں کبھی تخلف نہیں آنے دیا۔ چنانچہ ان کی اِستقامت کا یہ حال تھا کہ گھر سے نکلتے ہی ہاتھ میں تسبیح ہوتی اور زبان ذِکر اللہ سے تَر رہتی۔ ایئرپورٹ، ہوائی جہاز وغیرہ ہر جگہ یہی حال تھا، جہاں بھی ہوتے نماز کے وقت میں باقاعدہ اَذان دِلاتے اور باجماعت نماز ادائیگی کا اہتمام فرماتے۔ تاشقند کے ایک ہوٹل میں علماء کے وفد کے ساتھ قیام تھا، جہاں کسی زمانے میں اَذان دینا بھی جرم تھا، وہاں بھی باقاعدہ آپ اَذان کہلواتے اور سب کے سامنے باجماعت نماز اَدا کی جاتی، اور فجر کی نماز میں جب قاری سعید الرحمٰن صاحب اِمام ہوتے تو بہتوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ یہی حال آپؒ کی تہجد کے معمول کا تھا کہ سفر میں بھی اس میں کبھی فرق نہیں آتا تھا۔ گویا وقت پر اُٹھنا، وقت پر عبادت کرنا اور وقت پر دُوسرے معمولات ادا کرنا آپ کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ (مدینہ منوّرہ)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی ان علمی شخصیات میں سے تھے جنہوں نے علومِ اسلامیہ کی بہت خدمت کی۔ حضرتِ موصوف شریعت و طریقت دونوں کے جامع تھے، قرآن و حدیث کے علوم بھی پھیلائے، اور جن طالبین نے اصلاحِ نفوس کے لئے حضرتِ والا سے اپنا تعلق قائم کیا، ان کی بھی رُوحانی تربیت فرمائی۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء!** موصوف نے اپنے بعد اپنی تالیفات کا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، تلامذہ بھی بڑی تعداد میں ہیں، ان کے ابنائے صالحین بھی دِینی علوم و اعمال کی نشر و اشاعت کے لئے

فہرست

موجود ہیں، یہ سب ان کے لئے بہت بڑا ذخیرہ ہے، اور رہتی دُنیا تک ان کو ثواب پہنچنے اور رفعِ درجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللّٰہ علیہ (جھنگ)

حضرت شہیدؒ نہایت عظیم علمی شخصیت تھے، وہ صاحبِ علم تھے اور اَربابِ علم کے قدردان بھی، چنانچہ جو کتاب اور تحریر ان کے معیار پر اُترتی اس کی خوب قدردانی اور عزّت افزائی فرماتے، جب کہ ملاحدہ اور زَنادقہ کی اسلام کش تحریروں پر گرفت اور تعاقب کا بھی حق ادا فرماتے۔

حضرت مولانا محمد اعظم طارق رحمۃ اللّٰہ علیہ

حضرت حکیم العصر لدھیانویؒ صرف میدانِ تصنیف و تالیف، تصوف و تدریس کے شہسوار نہ تھے، بلکہ آپ نے دِینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، جہادی اور تعلیمی دُنیا میں ایسے یادگار نقوش چھوڑے ہیں جو رہتی دُنیا تک حاملینِ قرآن وسنت کی راہنمائی کرتے رہیں گے۔

حضرت شہیدؒ کا سینہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرح حُبِّ صحابہؓ واہلِ بیتؓ سے اس قدر لبریز تھا کہ اگر کسی گوشے سے کوئی ایک حرف اس مقدس جماعت کے خلاف پڑھنے یا سننے میں آتا تو آپ کا اِشہبِ قلم سرپٹ دوڑتا اور میدانِ تحقیق و تاریخ سے ایسے ایسے گوہرِ نایاب، اور بحرِ دلائل سے وہ انمول موتی لاکر تحریر میں سمو دیتا کہ جن کی تابانی اور حسنِ لاثانی سے دُشمن بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

قاری سعید الرحمٰنؒ (جامعہ اسلامیہ راولپنڈی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

موت التقی حیاۃ لا انقطاع لھا

کم مات قوم وھم فی الناس احیاء

ترجمہ:... ’’تقویٰ پر موت ایسی حیاتِ جاوداں ہے کہ

جسے کبھی فنا نہیں، بہت سے لوگوں پر اگرچہ ظاہری طور پر موت واقع
ہو چکی ہے، مگر وہ لوگوں کے دِلوں میں اب بھی زندہ ہیں۔''

جامعیت، متانت، سنجیدگی، وقار، کرمِ نفس، تواضع، حلم، مجسمۂ وَرَع وتقویٰ، مخزنِ علم وعمل، پیرِ صدق وصفاء، سراپائے وقار وتمکنت، خفیف الجسم اور لطیف الروح، کن کن الفاظ سے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو یاد کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قحط الرجال کے دور میں ان میں بے شمار صفات وفضیلتیں جمع فرمادی تھیں۔

مولانا سیّد محمد ارشد مدنی (صدر جمعیۃ علماء ہند)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس دور میں جامع ترین شخصیت تھی اور اپنے اسلاف کرام کے مختلف کمالات کی آئینہ دار تھی۔ انتہائی مظلومیت کے ساتھ ان کی شہادت کی مبارک موت موصوف کے اخلاص، مقبول الی اللہ اور دُنیا نیز آخرت میں کامیابی وکامرانی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ راقم الحروف کی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو ان کے اکابر واسلاف کے ساتھ جنت میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے اور ان کے اخلاف کی نگہبانی فرمائے۔ آمین ثم آمین!

مفتی عبدالشکور ترمذیؒ (سرگودھا)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ یقیناً ایک جید عالمِ دِین اور ممتاز مذہبی رہنما تھے۔ موصوف علم وعمل کے جامع، ایک عمدہ اور مقبول اُستاذ ومصنف ہونے کے ساتھ بہترین مربی اور مزکی بھی تھے۔ مخدوم العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی جامع شخصیت نے جہاں مولانا مرحوم کو ایک کامیاب مدرّس، مدبر اور منتظم بنایا تھا، وہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے فیضِ صحبت نے ان کو ایک شیخِ وقت اور مقبول ترین مربی بھی بنادیا تھا۔ جیسے ان سے استفادہ

فہرست

کرنے والے طلبہ، علمائے کرام کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے، ایسے ہی ان سے فیض پانے والے بھی بحمداللہ ہزاروں سے متجاوز ہیں۔ درس وتدریس، وعظ وتبلیغ، بحث وافتاءاور تصنیف وتالیف کے ذریعے انہوں نے جو دِینی خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ہمیشہ اُمت کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی دِینی خدمات کو قبول فرمائے اوران کے درجات کو مزید بلند فرمادیں۔ آمین!

مولانا مرغوب احمد لاجپوری

حضرت مولانا کا وجود اس دور میں اُمتِ مسلمہ کے لئے ان معدودے چند ہستیوں میں سے تھا جن سے دِینِ اسلام کی حفاظت کا قابلِ قدر کام لیا جارہا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو عالمانہ وقار ومتانت، خلقِ خدا کے ساتھ شفقت ومحبت، علومِ ظاہری وباطنی میں شانِ کمال عطا فرمائی تھی۔ خداوندقدوس نے آپ سے دِین کے مختلف شعبوں میں قابلِ قدر بلکہ قابلِ رشک کام لیا۔ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، وعظ وتقریر، تصنیف وتالیف کے ساتھ بیعت وتزکیۂ نفس کے طبیب کی حیثیت سے بھی آپ بلند مقام پر فائز تھے۔

مولانا سیّد حمیدالدین مرادآبادی

حضرت کی شخصیت بلاشبہ اکابرِ دیوبند کی سچی تصویر تھی۔ آپ دورِحاضر کے اِمامِ عزیمت اوراکابر کے مسلک ومشرب کے داعی ومناد تھے۔ آپ خداخوفی، تقویٰ، طہارت اورعلم وفضل کے کوہِ گراں تھے۔ آپؒ کی تصانیف ہندوپاک میں یکساں مقبول تھیں، خصوصاً ''اِختلافِ اُمت اورصراطِ مستقیم'' اور'' آپ کے مسائل اوراُن کا حل'' نے ہندوستان میں خوب خوب شہرت حاصل کی، اور اصلاح وتعمیرِ اخلاق میں ان کتابوں نے تاریخی کردار ادا کیا۔ ہندوستان کے مختلف مکتبوں نے اسے شائع کرکے گھرگھر پہنچایا اوران سے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

مولانا کی ذات خالص علمی اورغیرمتنازعہ تھی۔ ہاں! اگرکوئی متنازعہ شخصیت ہوتی

یا آپ فرقہ واریت کے داعی ہوتے تو ممکن ہے ان کی شہادت کو فرقہ واریت کا نام دیا جاتا۔ لیکن آپ تو صدق ووفا اور دِین ودیانت، زُہد وتقشّف کی تصویر، بے ضرر اور خالص علمی اور تحقیقی انسان تھے۔ اس کے باوجود آپ کا ناحق قتل اور شہادت بلاشبہ دِین دُشمنوں کی سازش ہے۔ میں سمجھتا ہوں ان پر حملہ، علم وفضل، دِین ودیانت، صدق ووفا اور شرافت ونجابت کے قتل کے مترادف ہے۔ ان کی شہادت سے جس طرح ان کے اہل وعیال، متعلقین اور پاکستان کے اربابِ فضل وتحقیق غمزدہ ہیں، مسلمانانِ ہندوستان بھی کسی طرح اس صدمے کو سہارنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

آپ نے جس طرح حیاتِ مستعار میں قائدانہ کردار ادا فرمایا، اسی طرح اس دُنیا سے جاتے جاتے بھی آپ اُمت کو نئی سوچ وفکر دے گئے کہ اگر کبھی دِین کی بقا کے لئے خونِ جگر کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے، بلکہ اپنی زندگی کی طرح موت کو بھی اِعلائے کلمۃ اللہ کے کھاتے میں ڈال کر ہلکے پھلکے اور سرخرو ہوکر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا چاہئے۔ چنانچہ موصوف نے شہادت کی تمنا کی، دُعائیں مانگیں اور شہادت کو تلاش کرتے کرتے میدانِ جہاد کے خطِ اوّل پر پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی۔ منہ مانگی موت عطا فرمائی اور سرخرو ہوکر دُنیا سے اس شان سے گئے کہ شاید ان کو اپنے راستے سے ہٹانے والے شقی القلب بھی پشیمان ہوں گے کہ ہم نے ان کو شہید کرکے ان کا نہیں اپنا ہی نقصان کیا ہے۔

مولانا سیّد محمد عفان منصور پوری (انڈیا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُٹھتے جاتے ہیں اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دِل کو بڑھانے والے

وہ شخصیت جس کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے صدق گوئی کے لئے اور جس کے قلم کو

تعلیماتِ کتاب وسنت کی نشر واشاعت اور باطل کی سرکوبی کے لئے پیدا کیا، جس کے قلم نے حکمرانِ وقت کو بھی متنبہ کرنے سے دریغ نہیں کیا، جس کے قلم کی جولانی اور اثر انگیزی نے اگر ایک طرف بے شمار اَفراد کی اِصلاح کی، تو دُوسری طرف باطل طاقتوں خصوصاً مرزائی ٹولے کے بے بنیاد عقائد کو نیست ونابود کرنے میں وہ کارنامہ انجام دیا جس کو رہتی دُنیا تک یاد کیا جائے گا۔ جس کے قلم سے رَدِّ قادیانیت کے سلسلے میں نکلنے والے رسائل نے مرزائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کی شخصیت صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں ایک مایہ ناز عالمِ دِین، ایک بلند پایہ محقق ومحدث، دِینِ اسلام کا ایک عظیم محافظ، ایک باغیرت وباحمیت انسان، تحریر میں اپنی مثال آپ اور صاحبِ نسبت بزرگ ہونے کی حیثیت سے محتاجِ تعارف نہیں۔ جس نے حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ اور محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ جیسی عبقری شخصیات کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوکر اپنی رُوح کو جلا بخشی، مگر افسوس ملتِ اسلامیہ کے اس گنجینۂ علم وفن کو چند بدبختوں نے بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ !

ابھی جامِ عمر بھرا نہ تھا کفِ دستِ ساقی چھلک پڑا
رہیں دِل کی دِل میں ہی حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی

جذبۂ عشقِ محمدی سے سرشار اس عاشقِ سرمست نے تاج وتختِ ختمِ نبوّت پر قربان ہوتے ہوئے کچھ ایسا عجیب وغریب ایمان افروز منظر پیش کیا کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ...علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ من الصلوات اکملھا ومن التسلیمات افضلھا... کی شانِ محبوبیت کی جھلک دیکھتے ہوئے یہ نہ سمجھ سکے کہ اپنا سر پہلے پیش کریں یا اپنے وفادار خادم ڈرائیور کا! کیا ان کی زبانِ حق ترجمان سے اس وقت بے اختیار یہ نہیں نکلا ہوگا کہ:

ان ابی ووالدتی وعرضی
بعرض محمد منکم وقاء

میں سمجھتا ہوں کہ آج کے زمین و آسمان نے بھی چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود فدائیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منظر دیکھ کر یہ کہہ دیا ہوگا کہ: ''ما اشبہ الیوم بالبارحۃ'' اور ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است
خم وخم خانہ با مہر و نشان است

میرے یقین میں تو یوسفِ ثانیؒ کو سب سے بڑی خوشی اور سب سے بڑا ناز اس پر ہوگا کہ وہ، اس کی جماعت، اس کا ماہنامہ اور اس کا جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، عامۃ المسلمین کی حمایت سے آج کے مایوس کن حالات میں بھی توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم اور اس سے بھی زیادہ خطرناک طریقِ کار میں تبدیلی کا کٹھن ترین مورچہ مکمل او واضح طور پر سر کرتے ہوئے بارگاہِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین میں پیش ہوکر بصد عز و ناز اور بہ ہزار مسرّت ومباہات یہ عرض کیا ہوگا کہ:

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مولانا عبدالرحمٰن اشرفی

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صفات وکمالات سے نوازا تھا، ان کا ایک خاص امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ ہر وقت متبسم رہتے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی محبوب ادا اور سنت ہے، باوجودیکہ آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹے ہوتے، مگر ٹوٹے دِلوں کی خاطر مسکرا کر ان کے غموں کو کافور کردیتے۔ ٹھیک اسی طرح ہم نے حضرت مولانا کو جب بھی دیکھا، مسکراتے دیکھا۔ آپ جب بیان فرماتے

مسکراتے رہتے اور اس نرم اور دھیمے لہجے میں بیان فرماتے کہ دِلوں کو موہ لیتے۔ آپ میں تواضع ہی تواضع تھی، کبر و غرور نام کو نہیں تھا۔ حضرت شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم میں جو پختگی عطا فرمائی تھی وہ میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی، بلاشبہ آپ متصرف فی العلم کے درجے پر فائز تھے، آپ محض ناقل نہیں تھے، آپ ان علماء میں سے تھے کہ جو بات سنی اور پڑھی وہی آگے نقل نہیں کرتے تھے، بلکہ اس پر تصرف کر کے اپنی طرف سے ایسے عام فہم الفاظ لاکر، سادہ اور سہل انداز میں اس کی ایسی تعبیر فرماتے جو کتابوں میں نہیں ملتی۔ بلاشبہ میں نے حضرت شہیدؒ کو متصرف فی العلم پایا۔

مولاناؒ میں جو صفت میں نے دیکھی کہ کتنا گنہگار آئے ہر وقت مسکراہٹ اور ایسے انداز میں بات کرنا کہ اس کے دِل میں اُتر جائے، جو اصل عالمِ دِین کی شان ہونی چاہئے، اللہ نے مولاناؒ کو یہ کمال عطا فرمایا تھا۔ باقی مولاناؒ کو علمی میدان میں، تقریر کے میدان میں، تحریر کے میدان میں، تدریس کے میدان میں، جتنے شعبے ہیں ہر ایک میں اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ ہر درجے میں کمال، تدریس، تحریر و تقریر، بلکہ میں تو حیران ہوتا تھا کہ یہ علوم و معارف ان کو کہاں سے عطا ہوئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ حضرت شہید کو اعلیٰ علّیّین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

مولانا ضیاء القاسمیؒ (فیصل آباد)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ڈھونڈ ان کو چراغِ رُخِ زیبا لے کر!

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ عصرِ حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ ایک ہی وقت میں مفسر، محدث، فقیہ، مصنف، سیرت نگار، دِینی افکار و نظریات کے عظیم مبلغ، مجاہد اور شیخِ وقت تھے۔ انہوں نے پوری زندگی دِین کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے صَرف کی، جس میدان میں اُترے، سکے جمادیئے۔ ان کی تحریر میں بے پناہ تاثیر اور تقریر میں علم کا

سمندر موجزن ہوتا تھا۔انہیں قلم وزبان پر قابو تھا، پوری دُنیا ان کی علمی سخاوتوں سے بہرہ ور تھی، انہیں علم وعمل کا پاکیزہ پیکر اور خوشبودار گلدستہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

مولانا قاری محمد اجمل خانؒ

ہمارے مخدوم صاحبِ کمال وفقید المثال اور نابغۂ روزگار حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تھے۔ آپ کا دُنیا سے جانا ایک فرد یا ایک شخص کا جانا نہیں ہے، بلکہ اس دور میں صحیح طور پر ''موت العالِم موت العالَم'' کا مصداق ہے!

آپؒ دورِ حاضر کے ان نامور محققین میں سے تھے جن پر نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔ مولانا مرحوم کے محامد ومحاسن اور مناقب وکمالات کا اس مضمون میں اِحاطہ نہیں کیا جاسکتا، آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور سمتوں کا اِحاطہ کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی وسعت درکار ہے۔

حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی میں سب سے نمایاں پہلو سنتِ نبوی کا اِلتزام تھا۔ احقر کو بھی مولانا مرحوم کے ساتھ حرمین شریفین، بنگلہ دیش اور متعدّد بار برطانیہ کے اسفار کا موقع ملا۔ آپؒ کے خادمِ خاص مولانا مفتی جمیل خان بھی شریکِ سفر ہوتے تھے۔ مولاناؒ میں بے پناہ خوبیاں دیکھیں، آپؒ باکمال انسان تھے۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ

میرے شیخِ اوّل حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ میری قدر جتنی میرے بڑوں نے کی، میرے ہم عصروں یا میرے چھوٹوں نے نہیں کی۔ حضرت شیخ الحدیث نوّر اللہ مرقدہٗ کا یہ فرمان کلی طور پر ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ پر صادق آتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کے اکابر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نوّر اللہ مرقدہ، شیخ الحدیث محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ،

حضرت مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہٗ، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد اور دیگر اکابر نے حضرت شہیدؒ کی جو قدر فرمائی، بعد کے حضرات حلقۂ تلامذہ اور منتسبین و مریدین ان کی وہ قدر نہیں کر سکے، اور نہ ہی وہ ان سے اتنا استفادہ کر سکے جو کرنا چاہیے تھا۔

جناب محمد عتیق انور (لاہور)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ہم سب نے سن رکھا ہے کہ ''**موت العالِم موت العالَم**'' اور پھر آج کے اس مادّیت اور نفسا نفسی کے دور میں حکیم العصر، شیخ المشائخ، شہیدِ اسلام، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ جیسے مربی اور صاحبِ علم، جو دِین کے ہر ہر شعبے میں اِمامت کرتے ہوئے نظر آتے ہوں، ان کی شہادت اُمت کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے، اس سیاہ کار کو کچھ لکھنا لکھانا نہیں آتا، مگر کسی شاعر کے بقول ؎

ضبط لازم ہے مگر دُکھ ہے قیامت کا فرازؔ
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا!

مولانا سیّد محمد سلیمان بنوری (کراچی)

حضرت شہیدؒ کے چہرے میں مشفق باپ کی سی اپنائیت کا تصور، ان کی صفات کی جھلک نمایاں تھی، بچپن میں جب پہلی بار حضرت سے تعارف ہوا تو پہلے ہی دِن سے میرے دِل میں ان کی محبت و عقیدت بیٹھ گئی، اور پھر اس تصور نے کہ، یہ وہی شخصیت ہے جس نے میرے ابا جان کے فرمان اور ان کی محبت و عشق میں سب کچھ چھوڑ کر، کراچی سکونت اختیار فرمائی اور ان کے ''ہم نام و ہم کام'' ہونے کا شرف و اعزاز حاصل کیا۔ حضرت سراپا خیر تھے، آپ سے تمام خیریں وابستہ تھیں، اور دِین کے تمام شعبوں میں نمایاں خدمات انجام

فہرست

دِیں، یہ ان کے اعتدال کی برکت تھی کہ اہلِ حق کی ہر سیاسی، مذہبی اور دِینی جماعت کے کارکن یہی سمجھتے تھے کہ حضرت ہمارے ہیں اور حضرت کو ہم سے زیادہ تعلق خاطر ہے۔

نثار احمد خان فتحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے سچے اور پاکیزہ ترین دِینِ اسلام کی خدمت، حفاظت اور پاسبانی کے لئے ہر دور اور ہر صدی میں ایسے مردانِ حق آگاہ پیدا فرماتے ہیں جو اپنے سوزِ دروں اور خونِ جگر سے گلشنِ دِین کی آبیاری کرتے ہیں، اور اسے ہمیشہ تر و تازہ، سرسبز اور شاداب رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی اسی زُمرۂ مردانِ حق آگاہ میں شامل تھے، وہ ایسے وقت شہید ہوئے جب صاحبانِ علم اور عوام الناس ان کے علم وفقہ کے محتاج تھے، اہلِ دانش کو ان کے فہم و تدبر کی ضرورت تھی، اہلِ سیاست ان کی قیادت کے حاجت مند تھے، وہ لشکرِ اسلام کے اس جرنیل کی طرح تھے جو دِین کے ہر ہر محاذ پر ہر ہر معرکے اور ہر ہر مورچے پر جاکر دُشمنانِ دِین کے حملے پسپا کرتا ہے، اور وہیں دادِ شجاعت دیتا ہوا شہید ہوجاتا ہے۔

آنکھیں اشکبار ہیں کہ اسلام کے اس بہادر سپاہی کو کہاں کہاں تلاش کریں؟ دِل مضطرب ہے کہ علم و دانش کے اس گوہرِ بے بہا کے بغیر کیسے آرام پائے؟ عقل پوچھتی ہے کہ گلشنِ بشری کے اس گلِ رعنا کو کہاں ڈھونڈا جائے؟ لیکن غیب کا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ اس قیدخانۂ عنصری میں صرف اسی وقت تک کے لئے رُوحوں کو مقید رکھا جاتا ہے جب تک وہ اپنی تربیت نہ حاصل کرلیں، پس اگر اس پاک اوصاف اور پاکیزہ سرشت ہستی نے جس کا نام ''مولانا محمد یوسف لدھیانوی'' تھا، تکمیلِ رُوح اور تزکیہ و تصفیہ کے سارے مدارج طے کرلئے تھے تو اس ''وقتِ مقرّرہ'' پر اس کا اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا لازمی تھا۔

فہرست

ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی (کراچی)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ محنتی اور ذہین تھے، پڑھا بھی محنت سے تھا، اور کام بھی لگن سے کرتے تھے۔ ہنس مکھ، ملنسار اور خوش اخلاق تھے، مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی صحبت اور سرپرستی سے انہیں فائدہ پہنچا اور انہوں نے بھی موصوف سے جی بھر کے فائدہ اُٹھایا۔ بڑے بننے کا گر ہی یہ ہے کہ آدمی کسی بڑے کی سرپرستی میں رہے اور اس کی رہنمائی میں کام کرتا رہے، ایک دِن وہ خود بھی بڑا بن کر ہی رہے گا، اور یہی کچھ مولانا کے ساتھ ہوا! انہیں جب یہاں کام کرنے کا موقع ہاتھ آیا تو ان کی صلاحیت واِستعداد کے جوہر کھلتے گئے۔ مولانا لدھیانویؒ کی سرشت میں فطرت سے دو باتیں ودیعت کی گئی تھیں، ان میں ایک طلب اور دُوسری تڑپ تھی۔ وہ جو کام کرتے دِل کی لگن اور دِین کی تڑپ اور اِخلاص سے کرتے تھے، جس نے انہیں کندن بنادیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعتدال وتوازن کی نعمت سے سرفراز کیا تھا، اور اس نے انہیں ہر طبقے میں مقبول ومحترم بنادیا تھا۔

مولانا ظفر احمد قادری (لاہور)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ دِین کے مبلغ وداعی اور عظیم اسکالر ہونے کے ساتھ ایک سچے عاشقِ رسول بھی تھے۔ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ پاک آپؒ کی زبان پر آتا، آپ پر عجیب وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی، چہرۂ مبارک اشک بار ہوجاتا، آپ کا وجود عجز ونیاز اور محبت وعقیدت کے پیکر میں ڈھل جاتا۔ اسی عشقِ رسول کی بدولت دورِ حاضر کے بڑے بڑے اکابر کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ قرآن وحدیث کے بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خدارسیدہ صاحبِ نسبت ولیٔ کامل بھی تھے۔ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں آپ کی خدماتِ جلیلہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

فہرست

مولانا محمد اسحاق مدنی

جو ہستی صبح سے شام اور شام سے صبح تک فیض رسانی میں مصروف ہو، اور فیض رسانی بھی ہمہ جہت اور لگا تار پھول برساتی اور معارف بکھیرتی زبان، بہار آفریں قلم، نورانی شکل وشباہت، سادگی اور پُروقار چال ڈھال، تعلیم وتدریس، وعظ وتذکیر، مجالسِ تزکیہ وتطہیر، صدق واخلاص، لگاتار محنت ومشقت، اپنے اکابرواسلاف سے سچے تعلق اور والہانہ عشق کے تذکروں اور خالق ومالک کے حضور اپنی پُرسوز دُعاؤں، اِلتجاؤں اور آقا ومولا امام الانبیاء والرُسل، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا عشق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم المرسلینی کی حفاظت کے مشن کی پاسداری اور جنون کی حد تک اس سے لگاؤ وغیرہ وغیرہ، آپ کی حیاتِ طیبہ کے وہ عظیم الشان اور امتیازی پہلو تھے کہ ان کے پیشِ نظر کسی دِلِ دردمند کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ آپ کو بھلا سکے، اور خداوندِ قدوس کی توفیق وعنایت سے اپنے علم وقلم اور فیض واثر کے جو مقدس اور پاکیزہ نقوش، روشن آثارونشانات آپ چھوڑ گئے، وہ رہتی دُنیا تک پائندہ وتابندہ رہیں گے۔

مولانا قاضی نثار احمد (گلگت)

ہمارے مشفق، مرشد ومربی، مرشد العلماء، محبوب المجاہدین، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اُستاذ الحدیث، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے سفیر ووکیل اور مرکزی نائب امیر، اِقرأ روضۃ الاطفال کے مدیر، مسجد فلاح کے خطیب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے محبوب شاگرد ومرید، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے خلیفہ مجاز، عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی ؒ کے خلیفہ مجاز، حضرت بنوریؒ کی مراد، معتمدِ خاص، ہم نام وہم کام اور ''بینات'' کے مدیرِ شہیر اور سیفِ مسلول، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مولانا مصباح اللہ شاہؒ کے رفیق وہمدم، تردیدِ مرزائیت کے قائد، رَدِّرفض کے اِمام، پُرفتن دور میں صراطِ مستقیم کا چراغ

جلانے اور صراطِ مستقیم بتانے والے، ''تنقید اور حقِ تنقید'' لکھ کر بھٹکے دِلوں کی راہنمائی کرنے والے، مادّیت میں ڈُوبی دُنیا کی راہنمائی کرنے والے، سب کچھ سمجھنے والوں کے لئے دُنیا کی حقیقت بتانے والے، عشقِ رسول سے آشنا کرکے مریدوں کو ''مناجاتِ مقبول'' کے ساتھ ''ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کا روزانہ معمول اور یہ نسخۂ شفا دے کر درود کی برکات پھیلانے والے، مشکل سے مشکل وقت میں مسکرانے، وقت کے گمراہوں، فتنہ پروَروں، منکروں کو ''بینات'' کے ذریعے للکارنے والے، شرعی سوالات اور دِینی اِشکالات کا مختصر ترین جملوں میں جامع مانع اور مسکت جواب دینے والے، چاروں سلسلوں میں کمال رکھنے والے، سلف کے مسلک ومشرب، فکر ونظر کے عملی نمونہ، ہر معاملے اور مسئلے میں نہایت اعتدال وتوازن رکھنے والے، ''انزلوا الناس علیٰ منازلھم'' اور ''کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم'' کے ایسے عامل وماہر کہ ہر ملنے والا، ہر دیکھنے والا، ہر سننے والا آپ کا فریفتہ وگرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہر گونہ زخمی اور ہر گونہ بیمار کو مرہم شفا رکھنے اور مجرب نسخہ دینے والا، ہر دُکھے دِل کے ملجا وماویٰ، رُخسار پر ہاتھ پھیر کر، یا پیار کی چپت لگا کر داڑھیاں بڑھانے کی کرامت رکھنے والا، حکیم العصر، فہیم الدہر، دِینِ حق پھیلانے، رضائے الٰہی کی طلب میں دُشوار گزار، طویل ترین اور دُور دراز اسفار کرنے والا، بطلِ حریت، سلوک واحسان کے میدان میں اعتماد وہمت کے مالک، اِفراط وتفریط سے دُور، نہایت محتاط، متواضع، متوازن اور معتدل، فیض وتوجہ اور دُعاؤں میں ایسے فیاض، خصوصاً رمضان المبارک میں ''کالریح المرسلۃ'' کے مصداق، مردم شناس، معبر، قیافہ دان، جلال وجمال کے حسین امتزاج، سفر میں خدام اور عزیزوں کے ساتھ نہایت ہنس مکھ رہنے والے، اِلہامی، شگفتہ اور دِل رُبا اِنشا پرداز، دُشمن کے مقابلے میں تیغِ بُرّاں، کسی کو دیکھا کہ یہ شہباز ہے تو قابو میں رکھنے کا نسخہ دیا، کسی کو دیکھا کہ جوان تیز اُڑان کا مالک ہے تو پَر کاٹ کر قابو میں رکھا، کسی کو دیکھا کہ نالائق ونا کارہ ہے اور ضرورت ہے کہ کچھ کام کا بنے، دونوں کان پکڑ کر سیدھا کیا، کچھ کو بچا ہوا کھانا، پانی اور

فہرست

پس خوردہ آئس کریم دے کر اپنا گرویدہ بنا کر سلیقے اور آداب سے نوازا، غرض چن چن کر دیکھ دیکھ کر، پرکھ پرکھ کر، نہایت جودوفراخ دِلی سے افراد سازی اور اِصلاح فرماتے، اسلاف کے قافلے کے ساتھ جوڑتے، اپنا اعتماد عنایت فرما کر حوصلہ وہمت سے نوازتے، دُعا کی درخواست کی جاتی تو فرماتے تھوک سے دُعائیں دُوں گا۔ واہ! کیا عجیب دُعا گو اپنے متعلقین کے لئے خصوصاً جملہ مسلمانوں کے لئے عموماً دُعا کے مرکز تھے۔ نرم مزاجی کے سمندر، خلافِ شرع وسنت کوئی عمل دیکھتے، ناموسِ رسالت وناموسِ صحابہ پر کسی کو حملہ آور دیکھتے تو فوراً جلال کے پہاڑ بن کر مدافعت وتعاقب کر کے ٹھکانے لگا دیتے۔

مشفق لکھوں، شفیق لکھوں، یا لکھوں صنم
جناب کے القاب میں حیران ہے قلم!

صدرِ پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا سانحۂ اِرتحال پوری مسلم اُمہ کو سوگوار کر گیا ہے۔ ان کی دِینی خدمات بالخصوص تحفظ عقیدۂ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان خدمات کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

جنرل پرویز مشرف (چیف ایگزیکٹو پاکستان)

مولانا یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے عظیم صدمے کو ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اتنے نیک، بے ضرر، مقبول ترین رُوحانی درویش کو شہیدؒ کرنے کا مقصد ملک میں عدم اِستحکام پیدا کرنا اور اِنتشار پھیلانا تھا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا قتل افسوسناک ہے، اس قسم کی کارروائیاں اور حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں جو پاکستان کو ترقی کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ اِمتناعِ قادیانیت آرڈیننس اور اسلامی دفعات کو عبوری آئین میں شامل کرنے پر غور کیا جائے گا۔

قائدِ جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ

حضرت الشیخ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے تو نیازمندی عرصۂ دراز سے رہی۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں حضرت کی بعض تصنیفات سے اِستفادے کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت سے عقیدت بھی ہوگئی اور عقیدت ومحبت کا یہ سلسلہ حضرت کی زندگی کے آخری لمحات تک برقرار رہا۔ گزشتہ سال حج کی ادائیگی میں حضرتؒ کی معیت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ جہاں آپ کی خصوصی شفقتوں سے مالامال ہوا، کیا خبر تھی کہ سفاک ہاتھ اتنی جلدی ہمیں ان کی برکات سے محروم کردیں گے۔ شہادت کے جانکاہ حادثے نے مولانا کو تو شہادت کے بلند مقام پر فائز کردیا، لیکن لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب کردی۔

فہرست

مفتی محمد داؤد یوسف (مفتیٔ اعظم برما، صدر جمعیۃ علمائے اسلام برما)

ماہنامہ ''بینات'' کے مدیر واُستاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر، خلیفہ مجاز حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ کی دُشمنانِ اسلام کی سازش سے شہادت کی خبر سن کر ہمیں اور ''جمعیۃ علمائے برما'' کے تمام اراکین کو بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا محمد یوسف متالا (دارالعلوم، ہولکمب بری، برطانیہ)

سفر کے دوران مجھے یہاں جوہانس برگ میں ابھی فون سے حادثۂ فاجعہ کی اطلاع ملی۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی گھر والوں کی حالت غیر ہوگئی، بمشکل ان کو سنبھالا۔ یہاں پر جس نے بھی سنا رنج والم میں ڈُوب گیا کہ یہاں قادیانی کیس کے سلسلے

میں حضرت مولانا مرحوم کا طویل قیام رہا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ! اللہ تعالیٰ تمام متعلقین کو صبرِ جمیل، اَجرِ جزیل عطا فرمائے۔

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہٗ (ناظمِ اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت)

حضرتِ اقدسؒ ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے ظاہر و باطن ہر اعتبار سے متصرف بزرگ تھے اور جماعت کے نائب صدر کی حیثیت سے قطبِ وقت کے عہدے پر فائز تھے، اور آپ کے دور میں جماعت نے پوری دُنیا میں جو ترقیات کیں وہ قیامت تک آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہوں گی۔

مولانا عبیدالرحمٰن (شیفلڈ)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد یوسف دہلویؒ اور شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی طرح دِینی خدمات سے عبارت تھی۔ زندگی کا کوئی لمحہ آپ نے ضائع نہیں کیا، یورپ میں قادیانیت کا سدِّباب آپ کا زرّیں کارنامہ ہے، رہتی دُنیا تک آپ کے صدقات جاری رہیں گے۔

مفتی محمد اسلم (جنرل سیکرٹری جمعیۃ علمائے برطانیہ)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت ایک ایسا سانحہ ہے جس پر اُمت سالوں روئے گی، آپ کی شہادت سے ایک تاریخ کا باب بند ہوگیا ہے۔ ختمِ نبوّت کے حوالے سے یورپ کا ایک ایک فرد آپ کا ممنون ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا طاہر کا راستہ جس جرأت اور بے باکی سے آپ نے روکا، وہ آپ کی علوِّ مرتبت کی واضح دلیل ہے۔ آپ کی وفات سے پوری اُمت سوگوار ہے۔

مولانا عبیدالحق، مولانا نورالاسلام (بنگلہ دیش)

حضرت علامہ یوسف لدھیانویؒ کی ناگہانی شہادت نے عالمِ اسلام کے

مسلمانوں کو یتیم بنا دیا۔ انہوں نے زندگی کے آخری لمحے تک ملک وملت کی مختلف دِینی خدمات اور فِرَقِ باطلہ کے مقابلے میں مجاہدانہ کردار اَدا فرمایا ہے۔ بالخصوص قادیانیت کے خلاف جوان کو ناقابلِ برداشت ہونے کی وجہ سے یہ وحشیانہ دہشت گردی اور قتل کی سازش کی ہے۔

حاجی جمال خان (صدر مرکزی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت نیپال)

مایہ ناز بزرگ عالم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی قاتلانہ حملے سے شہادت ہوجانے کی اطلاعات سے متعلقینِ مرکزی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت نیپال کو ایک بہت بڑا صدمہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے اور مولانا کو اپنی بارگاہِ عالی میں بہترین جزائے خیر سے نوازے۔

مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ (شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا)

الحمدللہ! مولانا مرحوم کو عمر کے ہر حصے میں قابلِ رشک انسان پایا۔ اِبتدا سے مولانا کی تحریرات مطالعہ میں رہیں، شاید ہی کوئی کتاب یا تحریر ہو جو نظر سے نہ گزری ہو۔ دورانِ درس ان کی تحریرات پر اعتماد کا اظہار کرتا رہتا ہوں۔ مولانا ملتِ اسلامیہ کے قابلِ قدر سرمایہ تھے، ان کی شہادت ان کے لئے تو باعثِ سعادت ہے، لیکن دِین وملت کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

''مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ است!''

مولانا سیّد عبدالمجید ندیم شاہؒ (مجلس تحفظ حقوق اہل سنت والجماعت)

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے بچوں سے اظہارِ تعزیت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اگرچہ اس سانحے نے ہم سب کو قابلِ تعزیت بنا ڈالا۔ شہدائے اُحد کے سیّد، سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر ان کی بہن سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مقتلِ عشاق میں آئیں اور اپنے بھائی کی لخت لخت لاش پر ایک نظر

ڈال کر بے ساختہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف فاتحانہ دیکھا، بولیں: یہ شمع روشن رہے ایسے (حمزہ جیسے) کئی پروانے قربان ہوتے رہیں گے۔

شہیدِ ختمِ نبوّت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جب بھی دیکھا، مسکراتا ہوا، آخری ملاقات ۶ رمئی ۲۰۰۰ء دفتر مرکزیہ ملتان میں ہوئی تو اسی مسکراہٹ کے عالم میں، دراصل یہ مسکراہٹوں کا ہجوم ان کے حسنِ خاتمہ کی تمہید جلی تھی۔ ایسی نکھری ہوئی بے داغ شہادت سب کے مقدر میں کہاں! انہوں نے ۶ رمئی کی ملاقات میں مجھ سے کہا تھا: ''جسمانی زندگی گزر گئی، اب تو اللہ کے محبوب کے ذِکرِ جمیل کے طفیل اللہ نے رُوحانی زندگی کی چند ساعتیں مرحمت فرمادیں'' سو وہ اسی انجام پر منتج ہوئیں، جس کی انہیں تمنا تھی۔ عزیزم مولوی محمد سعید، حافظ عتیق الرحمٰن، عزیزم محمد طیب لدھیانوی، حافظ محمد یحییٰ سلمہم کو سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ سیّدہ اسماءؓ کا وہ قول یاد دِلا کران کا دُکھ دُور کرنے کی سعی کرتا ہوں، وہ جب فرزند کی لاش پر آئیں تو لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: ''دیکھو! میری کوکھ سے کتنے بڑے خطیب نے جنم لیا کہ تختۂ دار پر بھی حریت کا خطبہ دے رہا ہے!'' آپ کو بھی اللہ نے وہ باپ عطا فرمایا جو خونِ شہادت سے نہا کر تحفظِ ختمِ نبوّت کی جدوجہد کو لالہ زار کر گئے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

ہمارا یوسف ہم سب کو یتیم کر گیا، اب دیکھیں اس شریف اور بے ضرر انسان کی مظلومیت کی کیا سزا بھگتے گی یہ قوم؟ سیّدنا عثمان بن عفانؓ پر تیغِ ستم کھینچنے والوں ہی کو نہیں بلکہ اس مظلوم کے قاتلوں پر بروقت ضربِ انتقام نہ لگانے والوں کو بھی بہت شدید حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

مفتی زَرولی خان (مہتمم جامعہ احسن العلوم کراچی)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا سانحہ کسی ایک گھر یا اِدارہ یا علاقہ کا نہیں

بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کا سانحہ ہے۔ حضرت مرحوم اپنے وجود میں آفتابِ علم وعمل بن چکے تھے، اور ایک جہان ان کی مبارک ذات سے سیراب ہورہا تھا۔ یہ حکومتِ وقت کے لئے بھی تازیانۂ عبرت ہے، اور دیوبند مسلک کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

مولانا اللہ داد خیرخواہ (رہنما جمعیۃ علمائے اسلام بلوچستان)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دیکھ کر حضرت بنوریؒ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ دارالحدیث میں محدث، دارالافتاء میں مفتی، ''بینات'' میں صحافی، اخبار ''جنگ'' میں مضمون نگار کے علاوہ مفتیٔ عالمِ اسلام، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' میں عالمی مناظر، اور قطب العالم سراج السالکین حضرت مولانا ابوالخلیل خواجہ خان محمد کندیاں شریف کے صحیح نائب امیرِ مجلس، اور خود طریقت ورُوحانیت پھیلانے کے لئے ہر وقت بے قرار تھے۔

فہرست

ڈاکٹر محمود احمد غازی

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین،

اما بعد، فإنّ للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی شہادت کا حادثہ نابغہ جہاں پوری اُمتِ مسلمہ اور ملتِ پاکستان کے لئے ایک خسارۂ عظمیٰ ہے، وہاں میرے لئے بہت بڑا ذاتی صدمہ بھی ہے۔ مجھے حضرت مولاناؒ کی بابرکت معیت میں کئی بار جنوبی افریقہ کے سفر اور قیام کی سعادت حاصل ہوئی، حضرتؒ کی راہنمائی اور علمی ہدایات کے تحت میں نے وہاں کی سپریم کورٹ میں ختمِ نبوّت کا موقف پیش کرنے کا شرف حاصل کیا، ان بابرکت ایام کی یادیں دِل میں برابر تازہ اور روشن ہیں۔ حضرت مولانا لدھیانویؒ ہر اعتبار سے اکابر علمائے سلف کا نمونہ تھے، علم، تقویٰ، تواضع، اِستغنا اور زُہد ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔

قاری محمد حنیف جالندھری (مہتمم خیر المدارس ملتان)

حضرت مرحوم و مغفور اُمتِ مسلمہ کا عظیم سرمایہ تھے، ان کی ساری زندگی دینِ اسلام کی نشر و اشاعت، عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ، علمائے حق کی ترجمانی اور باطل فتنوں کی سرکوبی کے لئے وقف تھی۔ حضرت کی شہادت کا غم نہیں لیکن جدائی کا غم ہے، وہ تو کامیاب زندگی گزار کر اپنی آخرت میں بھی کامیابی کے ساتھ چلے گئے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی (مہتمم جامعہ ابو ہریرہؓ، اکوڑہ خٹک)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس دور میں اسلاف کی نشانی تھے۔ مختلف اوقات میں اُٹھنے والے فتنوں کے خلاف ان کی کاوشیں، خصوصاً ختمِ نبوّت میں ان کی قربانیاں یاد رکھی جائیں گی۔ ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' ان کی تصنیف کی علمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مولانا محمد اسعد تھانوی (صدر، جمعیۃ علمائے اسلام سندھ)

مرحوم مولانا محمد یوسف لدھیانوی قلم کے بادشاہ تھے، اہلِ علم کا ایک وسیع حلقہ ان کی تحریروں کا عرصے سے شیدائی ہے۔ ختمِ نبوّت کے تحفظ کے لئے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے۔

مولانا محمد اسفندیار خان (سوادِ اعظم اہلِ سنت پاکستان)

ظالم نادانوں نے اُمت کا عظیم علمی نقصان کیا۔

مولانا مفتی عبداللطیف مدظلہ العالی

مخدومی و مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنے وقت کے غزالی و رازی تھے، حضرت کے ایک ایک جملے میں علم و عرفان کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہوتے ہیں۔ قرآن و سنت میں عالم کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے، حضرت شہیدؒ اس کا

بہترین مصداق تھے۔ اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ صبر کا معنی ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا نہیں، بلکہ حضرتؒ جس کاز پر کام کر رہے تھے اور اپنے ساتھیوں کو جس راہ پر لگا رکھا تھا، اسی کاز اور راہ پر بھرپور انداز سے گامزن رہنا ہی صبر ہے۔

نوابزادہ نصر اللہ خان (صدر جمہوری پارٹی پاکستان)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت ملت کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ طویل عرصے تک اسلامی علوم کی تدریس و اشاعت کے لئے جو خدمات انہوں نے انجام دیں اور ان سے جس طرح لاتعداد افراد فیضیاب ہوئے، وہ اس دور میں ہماری تاریخ کا درخشندہ باب ہے۔ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کروَٹ کروَٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

محمد اسحاق ظفر (قائمقام وزیر اعظم آزاد کشمیر)

مولانا مرحوم علم و فضل کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ شریعت کے روشن چراغ کو ظالموں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا کر بجھا دیا۔ ہر ذِی رُوح نے موت سے ہمکنار ہونا ہے، لیکن جو لوگ اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین کے اِحیا کے لئے وقف کر دیتے ہیں وہ سدا زندہ رہتے ہیں۔

مولانا محمد سعید انصاری (خانقاہ نقشبندیہ غفوریہ، صادق آباد)

حضرت اقدس فقیہ العصر، مجاہدِ ملت و دِین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوّر اللہ مرقدہٗ جامع کمالات و علوم تھے، آپ اپنی مثال آپ تھے، سنتِ نبوی کی اِتباع کرنا اور کرانا حضرت اقدس شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کا محبوب مشغلہ تھا، آپ سنتِ نبوی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے آپؒ نے اپنے شب و روز ایک کر دیئے تھے، حتیٰ کہ شہداء کا مقام حاصل کرلیا۔ اس فقیر کو مردان میں حضرت اقدس شہید کے سانحۂ اِرتحال کی خبر ملی، رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے

ہیں اور کچھ لوگ حضرت اقدس شہیدؒ کی جانب لپک رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ: ''حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید ہو چکے ہیں!'' یہ فقیر دیکھ رہا ہے کہ حضرت کا قلبِ مبارک خوب حرکت کر رہا ہے اور حضرت کی زبانِ مبارک قرآن پاک پڑھنے سے تروتازہ ہے۔

یہ فقیر کہتا ہے کہ دیکھو تو سہی آپ لوگ کہتے ہیں فوت ہو گئے اور حضرت اقدس کا قلب بدستور حرکت کر رہا ہے اور قرآن پاک کی تلاوت سے زبان تروتازہ ہے۔ فوت ہونے والے بھلا کہیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کا دِل حرکت کرتا ہے؟ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اپنے یاد کرنے والوں اور مقربین میں شامل فرمالیا ہوگا۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ''ان تفارق الدنیا ولسانك رطبا من ذکر الله'' اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے کام مزید چلانے والے اور آگے بڑھانے والے پیدا فرماتا رہے، اور حضرتؒ کے پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اَجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

فہرست

مولانا علی شیر حیدری شہیدؒ

شہیدِ اسلام، اِمام الاولیاء، اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی اور شہادت قابلِ صد رشک ہے۔

مولانا محمد انور (مہتمم دار العلوم کبیر والہ)

اُمتِ مسلمہ کے لئے ہمیشہ قربانی دینے والا، شب و روز محنت کرنے والا، بالآخر عشقِ ختمِ نبوّت پر قربان ہوگیا۔ اسلاف کی طرح جامعیت رکھنے والا کوئی کوئی ثابت ہوتا ہے، تصنیف و تالیف ہو یا تصوف، ذوق تدریس ہو یا مفادِ عوام، ہر شعبے میں کمالات پر پہنچنے والے ہم سے اللہ تعالیٰ نے لے لئے، اِبتدا میں بہت آہستہ اور آخر میں بہت تیزی کے ساتھ منازل و مراتبِ جہاد طے کرتا ہوا اپنی مطلوبہ منزل شہادت حاصل کرلی۔

گورنر سندھ جناب محمد میاں سومرو

مولانا صاحب نہ صرف میرے، بلکہ بزرگوں کے بھی بزرگ اور مہربان تھے۔

ان کی دِین اور انسانیت کے لئے خدمات سب پر عیاں ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم (امیر تنظیم اسلامی)

آج مدرسۃ الفلاح میں حاضری ہوئی، ماحول کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، میرے علم میں نہیں تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے تحفظِ ختم نبوّت کی مجاہدانہ مساعی اور دیگر علمی و تصنیفی مصروفیات پر مستزاد یہ تعلیم وتدریس علومِ دِینیہ کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شہیدؒ کے درجات بلند فرمائے اور انہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت ورِفاقتِ حسنہ نصیب فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

میر شکیل الرحمٰن (چیف ایگزیکٹو ''جنگ'' گروپ آف نیوز پیپرز)

اس واقعے کی اطلاع ملتے ہی مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں تعزیت کرنے کی بھی ہمت نہ کرسکا۔ یہ اس صدی کا اتنا بہیمانہ اور دردناک واقعہ ہے کہ اس کی ہر ذِی شعور آدمی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولاناؒ کی شہادت صرف پاکستان ہی نہیں پوری دُنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم صدمہ ہے۔ حکومت کو اس قسم کے سلسلے میں منظم اقدامات کرنے چاہئیں، تاکہ ایسے واقعات زیادہ نہ ہوں۔

فہرست

حافظ فیروز الدین لدھیانوی (خلیفہ مجاز حضرت شہیدؒ)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ہمارے اس دور کے عظیم مجدّد اور مصلحِ وقت تھے۔ دعوت وتبلیغ، مسندِ رُشد وہدایت، استیصالِ فِرَقِ باطلہ اور حضرت بنوریؒ کی جانشینی کا جس انداز سے فریضہ ادا کیا وہ تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے۔ آخر عمر تک اللہ تعالیٰ نے ان سے دِین کی خدمت لی۔

مولانا ڈاکٹر عبدالقیوم سندھی (مکہ مکرمہ)

حضرتؒ تو اپنی منزل پاگئے مگر ہم سب کو یتیم کر گئے۔ ایک ہمہ گیر اور منظم سازش

کے تحت علماء کا صفایا کیا جا رہا ہے، حضرتؒ کا قتل اسی سازش کی کڑی ہے۔ ہمارے حضرت تواضع، انکساری، بے رِیائی اور بے تکلفی میں اپنی مثال آپ تھے۔ روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے ہفت روزہ صفحہ ''اِقرأ'' میں آپ کا سلسلہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' عالمِ اسلام کے لئے ایک قابلِ اعتماد رہنما سلسلہ تھا، جو کسی شخص سے بھلایا نہیں جا سکتا۔ یہ سلسلہ ایک تہائی صدی تک پھیلا ہوا ہے، جو ہمیشہ دِلوں میں منقش اور زندہ جاوید رہے گا۔ حضرتؒ کی تصنیفات ویسے تو سب کی سب قابلِ تعریف وستائش ومفید برائے عوام وخواص ہیں، تاہم ان کی کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ حضرت مرحوم فرقۂ باطلہ کے عقائد میں اسپیشلسٹ تھے، ان کا قلم ہر باطل کی سرکوبی کے لئے ''سیفِ خالد'' کا کام دیا کرتا تھا۔

قاضی حسین احمد مرحوم (امیر جماعت اسلامی)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی ایک بین الاقوامی شہرت کے بلند پایہ فقیہ اور عالمِ دِین تھے۔ لاکھوں لوگ ان سے اپنی ذہنی اُلجھنوں کو شریعتِ اسلام کی روشنی میں دُور کرنے کے لئے رُجوع کرتے تھے۔ روزنامہ ''جنگ'' میں مسائل کا کالم پورے ملک کے قارئین کے لئے روشنی اور علمی پیاس بجھانے کا ذریعہ تھا۔ وہ ایک عالم باعمل اور درویش صفت انسان تھے، عمر کے اس حصے میں شہادت ان کے نصیب میں تھی، ورنہ ایک ضعیف العمر درویش صفت عالمِ دِین پر گولی چلانا کسی انسان کے لئے تو ممکن نہیں ہے، یقیناً وہ وحشی درندہ تھا جس نے مولاناؒ پر گولی چلائی۔

مولانا محمد قاسم قاسمی (جامعہ قاسم العلوم فقیر والی)

مرجع الخلائق، عالمِ اسلام کی عظیم رُوحانی ومذہبی شخصیت، ولیٔ کامل، حکیم العصر، محدثِ وقت، شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی وفات کا علم ہوکر قلب شق ہوا چاہتا تھا، دِلِ غم کے آنسو رو رہا ہے، قلب ودماغ پر گھنگور گھٹائیں چھائی

ہوئی ہیں، حضرت کو ''مرحوم'' لکھتے ہوئے قلم چلنے کا نام نہیں لیتا، اس عظیم شخصیت کی وفات پر جتنا بھی غم کیا جائے کم ہے۔

ایسی نابغۂ روزگار شخصیتیں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں، وہ بیک وقت ایک عظیم محدث بھی تھے، مفکر بھی، وہ ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، ان کی زبان فیض ترجمان سے لاکھوں لوگوں کو اِیمان واِیقان کی روشنی ملی، ان کی تحریروں کو پڑھ کر ہزاروں افراد نے راہِ ہدایت پائی، ہر باطل فتنے کے مقابلے میں آپ سدِّ سکندری اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے۔ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں آپ کی خدمات رہتی دُنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔ ان کی تصانیف میں سے ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' نے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل دیں اور رُسوم و بدعات سے ان کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ ان کی افغان جہاد کے سلسلے میں بھی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، ان کی جدائی پر یوں تو ہر شخص مغموم ہے، مگر جامعہ قاسم العلوم فقیروالی، ضلع بہاولنگر کے مفتی عبداللطیف صاحب فاضلِ دیوبند، اور دیگر انتظامیہ بھی بہت زیادہ افسردہ اور غمگین ہے، کیونکہ حضرت مرحوم نے جامعہ قاسم العلوم میں تعلیم حاصل کی ہے، ان کے اساتذہ میں ان کے واحد اُستاذ جو اس وقت حیات ہیں وہ جامعہ کے مفتی عبداللطیف صاحب ہیں، جو اس وقت احقر کے ہمراہ تعزیت کے لئے تشریف لائے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالمالک کاسی (مرکزی وزیر صحت پاکستان)

خدا شہادت ہر آدمی کو نصیب نہیں کرتا۔ مولانا شہید کی شہادت سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالمِ اسلام ایک بہت ہی بڑے عالم سے محروم ہوگیا، یہ کام نہ صرف دُشمنِ پاکستان نے بلکہ دُشمنانِ اسلام نے کیا ہے۔

محمد عمران پشاوری

زندگی میں ایک یہ دِن بھی دیکھنا پڑا کہ بدر اللیل کو گرہن لگ گیا اور کراچی تاریکی

فہرست

میں ڈُوب گیا اور لوگ حضرت کی زیارت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے، وہ ہنستا مسکراتا چہرہ ہزاروں لوگوں کو رُلا کر چلا گیا۔

بجھا چراغ، اُٹھی بزم، کھل کے رو اے دِل!
وہ سب چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

جب ختمِ نبوّت کے منکرین نے عقائدِ مسلمین پر شب خون مارا تو یہ بدرالليل آفتابِ نبوّت کی پرتو لے کر مسلمانوں کے دِلوں کو ٹھنڈی میٹھی روشنی سے منوّر کرنے لگا اور اپنی روشنی سے مکروفریب کی تاریکی میں مسلمانوں پر کئے گئے وار کو واضح کر دیا۔ اس شخص کی محنت نے اس موجِ غلط کا رُخ موڑا اور لوگوں کو اس فتنے خصوصاً قادیانی فتنے کی تباہی سے بچایا، اور رفتہ رفتہ قافلہ در قافلہ آپ کا مساعد بن گیا، اور ایک ہجوم عصمتِ نبی پر مر مٹنے کے لئے تیار ہو گیا۔ کتنے ہی لوگ دِینی اور دُنیاوی اعتبار سے ان کے ممنون ہیں، مسلمانوں کے لئے دردِ دِل رکھنے والے، کفار کے لئے ننگی تلوار، مصیبت زدوں کے لئے مرہم اور مصلیٰ پر ایک درویشِ کامل، تشنگانِ علمِ نبوّت کے لئے اَبرِ علم، اور ختمِ نبوّت کی حفاظت کا ضامن بہت ہی کم لوگوں کا نصیب ہوتا ہے۔

حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ (سینٹرل جیل کراچی)

حضرتِ والاؒ کی شہادت سے جہاں عالمِ اسلام کا نقصان ہوا وہاں سنی قوم کا بھی نقصان ہوا، اور یہ نقصان علماء وسنی قوم کے لئے ناقابلِ تلافی ہے، لیکن میں جس چیز سے محروم ہوں وہ ایک صاحبِ دِل اللہ والے کی دُعاؤں سے، ہمارے لئے اور ہمارے حق میں بارگاہِ ایزدی میں ان کی طرف سے پیش کی جانے والی نیک آرزوؤں اور اِلتجاؤں سے ہم محروم ہو گئے۔ بالیقین یہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ جس کا اِزالہ ناممکن ہے۔

اسداللہ بھٹو (امیر جماعت اسلامی سندھ)

عقیدۂ ختمِ نبوّت کے تحفظ اور اِشاعتِ دِین واِقامتِ دِین کے لئے شہیدؒ کی

خدمات ہماری تاریخ کا سنہری باب ہے۔ ایک طرف امریکا و مغرب کی فکر و تہذیب کی یلغار ہے، اور دُوسری طرف اُمتِ مسلمہ کو معاشی وفوجی وسیاسی غلام بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ مولانا شہیدؒ نے پاکستان کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر امریکا اور مغرب کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے بہت کام کیا ہے، قادیانی فتنے کے سدِّباب کے لئے آپ کی جدوجہد قابلِ تعریف ہے۔

سردار عتیق احمد خان (آزاد کشمیر)

مرحوم دورِ حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ آپ کی علمی، دِینی، تحقیقی اور بالخصوص ختمِ نبوّت کے حوالے سے خدمات کو دیر تک اِحترام اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہے گا۔

سردار بشیر اللہ عباسی (چیئرمین الخیر یونیورسٹی)

مولانا لدھیانوی مرحوم ایک جید عالمِ دِین ہی نہیں ختمِ نبوّت کے عظیم سپاہی تھے۔ ان کی موت عظیم سانحہ ہے اور پورے عالمِ اسلام کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

سردار فاروق احمد لغاری مرحوم (سابق صدرِ پاکستان)

مولانا لدھیانوی صاحبؒ کی شہادت ان کی ذات کے لئے تو سعادت بنی، لیکن پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ ہم سب غم میں مبتلا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سربسجود۔

مولانا محمد امیر خسرو (فاضل دارالعلوم دیوبند)

وقت کے عالمِ بے بدل، عالمِ ربانی، عالم باعمل، شیخِ وقت، خادمِ ختمِ نبوّت سے دُنیا خالی ہوگئی، جس کی وجہ سے قیامت برپا ہونے کا جلد خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

جناب انیس احمد والد محترم قاری نفیس احمد (مسجد فلاح کراچی)

فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کی خبر سن کر میرے والد محترم جناب انیس احمد صاحب انڈیا سے فون پر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے رو پڑے اور فرمایا کہ اُمت کا نقصان عظیم ہے اور فرمایا کہ حضرت جنیدِ وقت تھے۔ حضرتِ والاؒ نے باطل مذاہب کے خلاف جو قلمی جہاد کیا ہے، وہ ہمارے لئے ایسا محفوظ راستہ ہے جس پر ہم بے خوف وخطر چل سکتے ہیں اور وہ ہمارے لئے ڈھال ہے۔ والد صاحب نے حضرتؒ کی زندگی میں مجھ سے فرمایا تھا: ''حضرتِ والا کے قریب سے قریب تر رہنے کی کوشش کرنا، حضرت کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت کو قوی نسبت حاصل ہے، حضرت کی اس پورے خطے پر بہت برکات ہیں۔''

محمد یوسف طیبی (لشکرِ طیبہ)

حقیقت ہے علمائے کرام کا قتل پوری اُمت کے قتل کے مترادف ہوتا ہے، اور یہ بات بہت سوچنے والی ہے اور اپنی ترجیحات میں رکھنے والی ہے کہ اہلِ دِین اور علماء حضرات مل بیٹھ کر اس ناسور کا مقابلہ کرنے کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی جائے۔ بہرحال ہمیں تو یوں محسوس ہورہا ہے کہ علمائے کرام کی اپنی مصروفیات کی بنا پر میدانِ قتال میں جانے کے مواقع کم ہوتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو درجات سے نوازنا چاہتا ہے تو ایسے ہی کسی دُشمنِ دِین واصلہ سے قتل کروادیتا ہے۔

آفاق احمد (چیئرمین ایم۔کیو۔ایم)

اعلیٰ حضرت ایک جید عالم اور باعمل انسان تھے، جو ہمارے لئے مشعلِ راہ تھے اور آئندہ بھی رہیں گے۔ ان کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اسے کسی بھی صورت پُر تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان کی تقلید کرکے ان کے مشن کو ضرور آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

فہرست

کیپٹن حلیم صدیقی (پاکستان مسلم لیگ، سابق مرکزی صوبائی وزیر)

حضرت علامہ لدھیانویؒ ایک ممتاز عالمِ دِین تھے، جن کی شخصیت نہ صرف پاکستان بلکہ عالمِ اسلام کے لئے مشعلِ راہ تھی۔ انہوں نے زندگی بھر دِین کی خدمت کی، وہ ایک عالم باعمل تھے، ان کی خدمات کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔ اس سانحہ پر جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ قوم اور ملک اس عظیم شخصیت کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا، اس غم میں پوری قوم برابر کی شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ اور بلند درجات سے نوازے۔ میاں محمد نواز شریف بھی حضرت لدھیانوی کے اس غم میں ان کے لواحقین کے ساتھ شریک ہیں، اور پوری قوم کو اس سانحہ پر غم ہے۔

کرنل داؤد (سیکورٹی انچارج جنرل مشرف)

فہرست

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب ایک قومی پایہ کی شخصیت تھے، ان کی ناگہانی موت سے ساری قوم کو ایک ایسا دھچکا محسوس ہوا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ ان کے جانے کا غم ہمیں ہمیشہ ستاتا رہے گا۔

مولانا نذیر احمد تونسوی شہیدؒ (امیر عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کراچی)

حضرت شہیدؒ کی اپنے ہاتھوں تدفین کے باوجود آج تک یقین نہیں آتا کہ حضرت ہم سے جدا ہوگئے۔ دُشمنانِ اسلام سن لیں حضرت مرے نہیں، حیاتِ جاودانی پاگئے۔ ان شاء اللہ! حضرت شہیدؒ کی عظمت کا ہر جاں نثارِ ختمِ نبوّت، گیت گاتا رہے گا۔

حاجی مسعود پاریکھ (چیئرمین ختمِ نبوّت حج کمیٹی)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ مسلکِ حق کے ترجمان اور ہم سب کے مشفق ومہربان بزرگ تھے۔ بڑی سے بڑی مصیبت آپ کی ایک مسکراہٹ اور آپ کے ایک دُعائیہ جملے سے ختم ہوجاتی تھی۔ مسلکِ حقہ کی جو خدمت آپ نے کی، وہ صدیوں تک یادرکھی جائے گی۔

نعمان مصطفی (کارڈیف، برطانیہ)

حضرت اقدس کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار میرے لئے الفاظ میں ممکن نہیں۔ میرے لئے ان کی حیثیت ایک شفیق باپ، مرشدِ رُوحانی، سرپرستِ لاثانی اور عالمِ ربانی کی تھی۔ آپ کی مظلومانہ شہادت سے میں باپ کی سی شفقت رکھنے والے مرشدِ رُوحانی سے محروم ہوگیا۔ آپؒ کی سرپرستی میرے لئے ڈھارس تھی، آپؒ کا علم ہمارے لئے مشعلِ راہ تھا، آپؒ کا تقویٰ ہمارا رہنما تھا، آپؒ کی قیادت کارکنانِ ختمِ نبوّت کو باطل کے خلاف عزم وحوصلے سے ڈَٹ جانے کا درس دیتی تھی، آپؒ کی مسکراہٹ دِلوں کو آپ پر فدا کردیتی تھی، اور آپ کی صحبت باطن کو رذائل سے پاک کردیتی تھی۔ افسوس! آج ہم اس شخصیت سے محروم ہوچکے ہیں جس کے ذریعے سے ظاہرِ دِین کی حفاظت ہورہی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول ومحبوب بندے کے طفیل ہم شکستہ دِلوں سے بھی راضی ہوجائے۔

شفیع الرحمٰن احرار (جنرل سیکرٹری مجلس احرارِ اسلام کراچی)

یوں تو حضرت کی لاتعداد تصانیف سے اُمتِ مسلمہ مستفید ہورہی ہے، مگر ''تحفۂ قادیانیت'' اور ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' نے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیا۔ آپؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' مینارۂ نور کی طرح اُمت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ شہیدِ ختمِ نبوّت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مشن، محاسبۂ قادیانیت کو علمی حیثیت سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ایم منصور باقر (لاہور)

جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ناقابلِ تلافی نقصان ہے، قوم ایک انتہائی مخلص، شفیق، دُعاگو اور باعمل بزرگ ہستی سے محروم ہوگئی۔ مولاناؒ نے بہت سے شہداء تیار کئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے اِنعام میں شہادت بخشی۔

فہرست

محمد اکرام راہی (گلاسگو)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی زندگی کا زیادہ حصہ ختمِ نبوّت کے فرائض کی انجام دہی میں گزرا، اور انہوں نے ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بھی بچایا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جب تک زندہ رہے، حق وصداقت کی قندیل روشن رکھی، حق گوئی سے منہ نہیں موڑا۔ ان کی شہادت ملک وملت کے لئے ایک المیہ ہے۔

علماء کا وجود اس اُمت کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ علماء ہی صحیح معنوں میں انبیاء کے وارث ہیں، اور آج ان کی بدولت مساجد، مدارس اور دِینی مجالس میں اسلام زندہ ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ! قیامت تک زندہ رہے گا۔ ایک عالم کا دُنیا سے اُٹھ جانا، ایک عالَم کا بہت بڑا نقصان ہے۔ ایسے عظیم لوگوں کی وفات پر دِل چلا اُٹھتے ہیں، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی بے پناہ قربانیاں آسانی سے بھلائی نہیں جاسکتیں، ان کا نام تاریخ میں اِن شاء اللہ! ہمیشہ زندہ وجاوید رہے گا۔

ڈاکٹر سیّد علی حیدر شاہ (سابق مشیر حکومت سندھ)

مولانا صاحب نے دِین کی بڑی محنت کی اور دِن رات اللہ پاک کے دِین کے لئے کام کرتے رہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے ختمِ نبوّت کے لئے جو کام کیا ہے، وہ بھی بڑا عظیم کام تھا، جس کے لئے مولانا نے اپنی پوری زندگی لگادی۔

قاری ہلال احمد ربانی (صدر اسٹوڈنٹس ویلفیئر آرگنائزیشن)

مجھے حضرت کی زیارت پہلی مرتبہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ۱۹۷۴ء میں تحریکِ ختمِ نبوّت کے دوران ہوئی، اور پھر حضرت کی شہادت تک یہ تعلق بڑھتا ہی رہا۔ قادیانیت کے رَدّ میں، میں نے حضرت شہیدؒ سے بڑھ کر کسی کو اتھارٹی نہ پایا۔ ان کی شخصیت اتنی بارُعب تھی کہ پہلے پہل تو ان کے سامنے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا، لیکن جو شخص ایک دفعہ حضرت کی مجلس میں بیٹھ جاتا پھر وہ آپ سے محبت کرنے لگتا، وہ مسلکِ حقہ

کے مسلّمہ مفتی تھے۔''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' کی تالیف کے ذریعے انہوں نے جس حسنِ اعتدال سے مسلکِ حقہ کی نشاندہی کی وہ انہی کا خاصہ تھا۔ان کی شہادت نے ایک عالم کو رنجیدہ کر دیا۔

مولانا اخلد (مدینہ منوّرہ)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شفقتیں اور عنایتیں ہر وقت سامنے رہتی ہیں۔حضرت شہید کی خدماتِ جلیلہ کو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

مولانا شہید الاسلام (بنگلہ دیش)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ہم پر ایک خوشگوار سایہ کی حیثیت رکھتے تھے، دِین کے ہر کام کی سرپرستی فرماتے، آپ کی شہادت سے ہم ایک شفیق سے محروم ہو گئے۔

مولانا رَبّ نوازؒ (برادرِ کبیر حضرت جلالپوری شہیدؒ) (حیدر آباد)

حضرت اقدس شہیدؒ مسلکِ حقہ کے وہ عظیم ترجمان تھے جن پر فلک ناز کرتا تھا، اہلِ حیدر آباد خوش نصیب تھے کہ ان کے مواعظ سے مستفید ہوتے۔ ہماری بدقسمتی کہ ہم آپ کے فیوض سے محروم ہو گئے۔

مولانا نور الحسن (شیخ الحدیث جامعہ محمودیہ کراچی)

ہمارے حضرت کی شہادت پوری اُمتِ مسلمہ کی عظیم محرومی ہے۔

محمد سعید قریشی (مدینہ منوّرہ)

حضرت شہیدِ اسلامؒ کی طرف سے میں روزانہ روضۂ اقدس پر سلام پیش کرتا تھا۔ آپ کی شہادت کی خبر نے ہماری زندگیوں کو خوشیوں اور مسرتوں سے خالی کر دیا۔آپ کی یاد ہر وقت تازہ رہے گی۔

فہرست

منظوم خراج عقیدت

قبائے نور سے سج کر.....

جناب سیّد شاہ نفیس الحسینیؒ صاحب (لاہور)

قبائے نور سے سج کر لہو سے باوضو ہوکر
وہ پہنچے بارگاہِ حق میں کتنے سرخرو ہوکر

فرشتے آسماں سے ان کے استقبال کو اُترے
چلے ان کے جلو میں باادب باآبرو ہوکر

جہانِ رنگ وبو سے ماورا ہے منزلِ جاناں
وہ گزرے اس جہاں سے بے نیازِ رنگ وبو ہوکر

جہاد فی سبیل اللہ نصب العین تھا ان کا
شہادت کو ترستے تھے سراپا آرزو ہوکر

وہ رہباں شب کو ہوتے تھے تو فرسان دِن میں رہتے تھے
صحابہ کے چلے نقشِ قدم پر ہو بہو ہوکر

مجاہد سر کٹانے کے لئے بہت بے چین رہتا ہے
کہ سر افروز ہوتا ہے وہ خنجر در گلو ہوکر

سر میداں بھی استقبالِ قبلہ وہ نہیں بھولے
کیا جامِ شہادت نوش انہوں نے قبلہ رُو ہوکر

زمین و آسماں ایسے ہی جانبازوں پہ روتے ہیں
سحابِ غم برستا ہے شہیدوں کا لہو ہوکر
نفیسؔ ان عاشقانِ پاک طینت کی حیات و موت
رہے گی نقشِ دہر اِسلامیوں کی آبرو ہوکر

***

عاشق عقبیٰ

جناب سیّد امین گیلانیؒ (لاہور)

اے قحبہ دُنیا! ترے قابو میں نہ آیا
وہ عاشقِ عقبیٰ ترے قابو میں نہ آیا
سو مکر کیئے تو نے کہ قابو میں وہ آئے
یوسف تھا ''زلیخا''! تیرے قابو میں نہ آیا
تو نے تو بہت دام بچھائے اری دُنیا
جنت کا پرندہ ترے قابو میں نہ آیا
تو کہتی تھی یوسفؑ تو فرشتہ ہے فرشتہ
دیکھا وہ فرشتہ ترے قابو میں نہ آیا
انسان کی ہستی تو ہے اک سائے کی مانند
ہاں ہاں! وہی سایہ ترے قابو میں نہ آیا
اے دِل تھی مہینوں سے ملاقات کی خواہش
اے دِل وہی لمحہ ترے قابو میں نہ آیا

بہہ نکلے ہیں تیرے غمِ یوسف میں جو آنسو
یہ درد کا دریا ترے قابو میں نہ آیا
کتنے ہی بزرگوں کی امینؔ میتیں دیکھیں
تقدیر کا لکھا ترے قابو میں نہ آیا
یوسفؒ تجھے ملنا تھا جو اِنعام لکھا تھا
قدرت نے شہیدوں میں ترا نام لکھا تھا

***

سالارِ ختمِ نبوّت شہیدِ اسلام

جناب شاہین اقبال اثرؔ

شہادت کی دُعاؤں نے اثر دِکھلا دیا اپنا
بالآخر راہِ حق میں خون تک بکھرا دیا اپنا
گزاری زندگی ختمِ نبوّت کی حفاظت میں
اور اپنی جان دے کر بھی مشن پھیلا دیا اپنا
جلے تو شان سے یا پھر اسے گل کر دیا جائے
ہوا کے رُخ پہ کچھ یوں رکھ دیا جلتا دِیا اپنا
نفاذِ دِینِ حق کی سربلندی جب نہیں دیکھی
تو فرطِ غم میں سر ہی آپ نے کٹوا دیا اپنا
جہاں بھر کے گلوں پہ گرچہ ہے پژمردگی چھائی
شہیدِ ناز نے لیکن چمن مہکا دیا اپنا

جو دِینِ حق کے داعی ہیں کفن بردوش ہوجائیں
لہو کے دوش پر پیغام یہ کہلا دیا اپنا
یہ سچ ہے جیتے جی اُمت نے پہچانا نہیں ان کو
جہاں سے جاتے جاتے مرتبہ بتلا دیا اپنا
فقیہِ وقت، بحرِ علم، شیخ و مرشدِ کامل
فراقِ حضرتِ اقدس نے دِل دہلا دیا اپنا
زمانہ محوِ حیرت تھا اس اخلاص و تواضع پر
کہ اک شاگرد کو بھی ہاتھ جب پکڑا دیا اپنا
یہاں بھی خلق میں محبوب بن کر مرتبہ پایا
وہاں بھی پرچم مقبولیت لہرا دیا اپنا

***

اِفتخارِ دیوبند!

جناب سیّد سلمان گیلانی

حضرت یوسف تھے ناز و اِفتخارِ دیوبند
وہ تھے شانِ اہلِ سنت اور وقارِ دیوبند
وہ اِمامِ زاہداں تھے عارفوں کے سربراہ
آسمانِ علم پر چمکے وہ مثلِ مہر و ماہ
پُرعزیمت اور عظمت سے ہے جن کی داستاں
وہ انہی اسلاف کے تھے پاسباں و ترجماں

فہرست

کیا کہوں ان وارثانِ انبیاء کا میں مقام
ان کی عظمت کو فرشتے بھی کریں جھک کر سلام

کیسے ان اسلاف کی ہوں عظمتیں مجھ سے بیاں
ہے قلم معذور میرا اور عاجز ہے زباں

پیکرِ علم و عمل تھا یوسفِ لدھیانویؒ
اس کے دِل پر منکشف تھے سب علومِ تھانویؒ

مجلسِ ختمِ نبوّت کا تھا وہ نائب اِمام
خواجہ خان محمد کے تھا بعد اس کا مقام

گمرہوں نے راہ پائی اس کی تصنیفات سے
جاہلوں نے علم سیکھا اس کی تعلیمات سے

عاشقِ سنت تھا وہ دیوانۂ قرآن تھا
اہلِ باطل کے لئے اللہ کی وہ برہان تھا

اس کی کوشش تھی مٹا دے دہر سے باطل پلید
لیکن اس کو چند خود غرضوں نے کر ڈالا شہید

وہ تو فردوسِ بریں میں ہو گیا خود جاگزیں
پر ہماری زندگی ہے بار، بر رُوئے زمیں

کون ظالم تھا یہ کس نے ہم پہ ڈھایا ہے ستم
پوچھتے ہیں اس کے بچے، حاکمو! باچشمِ نم

سرپرست اِقرأ کا یکدم ہی کہاں غائب ہوا
اس طرح لگتا ہے سر سے آسمان غائب ہوا

پوچھتا ہے غم سے بوجھل دِل لئے مفتی جمیلؔ
کس کو میں منصف کروں کس کو بناؤں میں وکیل

فہرست

صبر تو کرلیں گے لیکن یہ بھی سن رکھیں حضور!
خونِ یوسفؒ لائے گا اک روز رنگ اپنا ضرور
اے خدا! سلمان گیلآنی کی ہے تجھ سے دُعا
فکر اس کی زندہ رکھنے کا ہمیں دے حوصلہ

***

نقیبِ حق

مولانا مفتی رضاء الحق (دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ)

تحریر کے امیر، ہر اک دِل میں جاگزیں
خُلدِ بریں کے حضرتِ لدھیانویؒ مکیں
تاریکیوں کے دور میں وہ تھے نقیبِ حق
اب بن گئے ہیں اَہلِ فلک کے وہ ہم نشیں
اَخلاق دِل پسند تھے اعمال بھی بلند
تحریر میں چھپا ہوا تھا ذوقِ انگبیں
ان کے قلم کے پھول تھے ہر طبقے میں قبول
اَفکار کی بلندیاں اَفلاک کی قریں
مرقد میں دوستوں نے اُتارا نہیں انہیں
اُتری ہے آج جرأتِ اظہار دَر زمیں
کتنے مریضِ رُوح شفایاب آپ سے
کتنوں کے دِل کے ظرف میں پیدا ہوا یقیں

فہرست

صفحاتِ ''بینات'' کی سطریں ہیں غم زدہ
اور جامعہ کی خون سے ہے تربتر جبیں

حضرتؒ کے سر پہ تاجِ خلافت تھا ضوفشاں
دِن رات کر رہے تھے وہ اصلاحِ تائبیں

افسوس! قاتلوں کے ظلم کی ہے انتہا
گونجا فغان و شور کہ قاتل ہیں بدتریں

حضرتؒ کی ذات ''ختمِ نبوّت'' کی پاسباں
تحریر ان کی ختمِ نبوّت پہ دل نشیں

صفحاتِ ''جنگ'' روزِ جمعہ یاد آ گئے
مخلوقِ حق کو آپؒ دِکھاتے تھے راہِ دِیں

عبدالرزاق شیخ ہیں مجروح و غم زدہ
مفتی جمیل بھی ہیں شب و روز اب حزیں

دے دی حیات، عشق کو بخشی حیاتِ نو
دار و رسن کو چوم لیا تو نے آفریں

روشن ہوا زمانہ ''بصائر'' کے نور سے
یوسفؒ تھے دوم، یوسفِؒ اوّل کے جانشیں

کیا خوب تزکیہ تھا، تھی تقریر دل پذیر
تدریس عالی شان تھی، تصنیف بہترین

اللہ سے دُعا ہے عطا کردے مغفرت
جنت میں منتظر ہو تیرے حورِ نازنیں

دِن رات کام کرنے میں ان کا سکونِ دِل
باطل کے انتقاد میں چلتی رہی مشیں

فہرست

حضرتؒ کی زندگی میں تھا ماحول پُر بہار
پُر نور مجلسیں تھیں صحافت تھی مہ جبیں

عشقِ نبی کا نغمۂ شیریں تھا بر زباں
ہاتھوں سے پھیلتی رہی خوشبوئے عنبریں

آوازِ حق تھی شیخؒ کی باطل شکن رضاؔ
ان کے قلم کی نوک میں تھا نورِ آتشیں

***

فہرست

اخبارات وجرائد کی نظر میں

روزنامہ ''جنگ'' کراچی

جید عالمِ دِین، شیخ الحدیث اور شیخ القرآن، بلند پایہ محقق اور ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی جمعرات کی صبح دہشت گردوں کے ہاتھوں شہادت، انتہائی اندوہناک واقعہ اور اُمتِ مسلمہ کا ناقابلِ تلافی نقصانِ عظیم ہے۔ مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی شخصیت اور ان کا تحقیقی کام پوری دُنیائے اسلام میں نہایت اِحترام وعقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے لاکھوں ارادت مند نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نہ صرف ایک نہایت بلند پایہ عالمِ دِین تھے، بلکہ وہ ایک نہایت عظیم محبِ وطن تھے۔ وہ کسی بھی حوالے سے پاکستان کو کسی بھی طرح سے کوئی نقصان پہنچنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ مولانا شہیدؒ نے اپنی زندگی کے پچاس سے بھی زائد سال تعلیم وتدریس اور تحقیق وتبلیغ اور ترویج واشاعتِ اسلام میں صَرف کئے، اور تادَمِ آخر اسی مشن پر تھے۔ مولانا کی پوری زندگی میں غیرمصروف رہنے کا تصور نہیں تھا۔ انہوں نے خود بھی ہر لمحہ دِینی مصروفیت میں اور کام کرتے گزارا اور وہ یہی چاہتے تھے کہ ارتقاء کا پہیہ زندگی کے کسی شعبے میں بند نہیں ہونا چاہئے۔ (ہفتہ ۱۵؍صفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰؍مئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''جسارت'' کراچی

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر

تھے۔ وہ کسی طرح کی فرقہ ورایت میں ملوث نہیں تھے، اور شیعہ سنی گروہوں میں مفاہمت کے لئے کوشاں تھے۔ ان کی شخصیت نہ صرف غیر متنازعہ تھی بلکہ تمام حلقوں میں ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ (ہفتہ ۱۵رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''عوام'' کراچی

ممتاز عالمِ دِین، محدث، محقق اور ''مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جمعرات کی دوپہر نامعلوم افراد کی فائرنگ سے شہید ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ملک میں اہم دِینی اور مذہبی حیثیت رکھنے کے ساتھ ایک غیر متنازعہ شخصیت تھے۔ ان کے تلامذہ اور عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ روزنامہ ''جنگ'' میں عوامی مسائل کے حل پر مبنی ان کا کالم ۱۹۷۸ء سے شائع ہو رہا تھا اور جس کے سبب عوام سے ان کی وابستگی اور اس کے جواب میں عوام کی طرف سے ان سے محبت وعقیدت میں گراں قدر اضافہ ہوا تھا۔ علمِ حدیث اور دیگر علمی، مذہبی اور دِینی موضوعات پر ان کی ۳۰ سے زائد کتابیں مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ تحفظ ختمِ نبوّت کے لئے مولانا نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ایک اُستاذ کی حیثیت سے انہوں نے رُشد وہدایت کی شمع روشن کر رکھی تھی اور ہزاروں طلبہ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایسی علمی شخصیت کا ہمارے درمیان سے اُٹھ جانا ایک قومی المیہ ہے اور ان کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا بھرنا آسان نہیں ہوگا۔

(جمعہ ۱۴رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۱۹رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''ایکسپریس'' کراچی

مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی شہادت سے اشاعتِ دِین اور علومِ اسلامیہ کی ترویج کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ مولانا مرحوم ممتاز عالمِ دِین، محقق، اسکالر، محدث اور ''عالمی

مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی نائب امیر، اِقرأ روضۃ الاطفال کے سربراہ، جامعہ بنوری ٹاؤن کے اُستاذِ حدیث، ممتاز رُوحانی شخصیت اور پاکستان کے سینکڑوں مدارس کے سرپرست تھے۔ پاکستان کے علاوہ امریکا، کینیڈا، برطانیہ، جرمنی اور جنوبی افریقہ سمیت دُنیا بھر میں مولانا کے مریدین کا وسیع حلقہ موجود ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے عقیدۂ ختمِ نبوّت اور دیگر علمی موضوعات پر بیسیوں کتابیں لکھیں، جن میں کئی کتابوں نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور کئی زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔ ان کی زیرِ اِدارت ماہنامہ ''بینات''، ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' اور ماہنامہ ''لولاک'' شائع ہوتا رہا۔ مولانا مرحوم کی شہرت ولیاقت اور عالمانہ فضیلت کا چرچا دیگر ممالک تک بھی پھیلا ہوا تھا۔

(ہفتہ ۱۵ رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰ رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''اُمت'' کراچی

ممتاز عالمِ دِین اور ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی نائب امیر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جمعرات کی صبح نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ شہادت ان کی دِلی آرزو تھی، جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگئی۔ لیکن جن ظالموں نے عالمِ اسلام کو ایک عالمِ بے بدل سے محروم کردیا، وہ دُنیا و آخرت ان شاء اللہ! دونوں جگہ بدترین عذاب سے دوچار ہوں گے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ درجنوں کتابوں کے مصنف اور درجنوں ہی دِینی مدارس کے سرپرست تھے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی بے شمار دِینی خدمات میں اہم ترین ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے پلیٹ فارم سے قادیانیوں کے خلاف ان کا قلمی جہاد تھا۔ انہوں نے بڑے عام فہم اور مدلل انداز میں عقیدۂ ختمِ نبوّت کے منکر قادیانیوں کے خلاف سینکڑوں مضامین اور متعدّد کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کے انگریزی تراجم بھی شائع ہوتے رہے۔

(ہفتہ ۱۵ رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰ رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''ریاست'' کراچی

ممتاز مذہبی اسکالر، صفِ اوّل کے عالمِ دِین، ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور ان کے ڈرائیور کو شہید کردیا گیا۔ قوم ایک ایسے مذہبی رہنما سے محروم ہوگئی جس کی شخصیت ایک سایہ دار درخت کی مانند تھی۔ دِینی اور فقہی مسائل کے لئے جب بھی لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا، وہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے رہنمائی حاصل کر کے مطمئن ہوتے۔ مولانا ناموسِ رسالت کے علم بردار تھے۔ منکرینِ ختمِ نبوّت ان کے نام سے لرزہ براندام تھے۔ مرحوم نے اپنی درجنوں تصانیف کے ذریعے ختمِ نبوّت اور اِسلام کی عظمت کی جو وکالت کی، وہ ہماری دِینی تاریخ کا روشن پہلو ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جیسے اسکالر صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی المناک موت سے جو خلا پیدا ہوا ہے شاید وہ کبھی پُر نہ ہو۔

(ہفتہ ۱۵ رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰ رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''جرأت'' کراچی

عالمِ اسلام ایک مفسرِ قرآن وحدیث سے محروم ہوگیا۔ بلاشبہ مولانا مرحوم کی شہادت عالمِ اسلام کے لئے ایک المیے سے کم نہیں۔ مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ جیسے بلند پایہ عالمِ دِین یقیناً ہماری قوم کے لئے سرمایہ تھے۔ انہوں نے ختمِ نبوّت کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کیا، متعدّد کتابیں تصنیف کیں۔ یقیناً عالمِ اسلام کے لئے ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین!

(ہفتہ ۱۵ رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰ رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''اساس'' کراچی

دِین کا ایک عالم زمین پر اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ ایک عالم کا یوں اُٹھ جانا ایک برکت سے محرومی کے مترادف ہے۔ ایک جید عالمِ دِین کی شہادت ایک قومی سانحہ سے کم

نہیں، اور یہ بات سچ ہے کہ اس نقصان کی تلافی مدتوں نہیں ہو سکے گی۔ مرحوم ایک قومی اخبار کے دِینی صفحے سے مدتوں وابستہ رہے۔ اخبار میں جہاں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے وہاں دِینی مسائل کے حوالے سے لوگوں کے مسائل کے دِینی حل بھی بتاتے رہے۔ مولانا جہاد کے زبردست داعی تھے۔ (ہفتہ ۱۵رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰رمئی ۲۰۰۰ء)

روزنامہ ''خبریں'' کراچی

ممتاز عالمِ دِین مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے قتل سے پورے ملک میں فضا سوگوار ہے۔ ان کی شخصیت کبھی متنازعہ نہیں رہی، وہ ہمیشہ درس وتدریس کے اُمور میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی ذات سے کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے سیاست سے الگ تھلگ رہنے کا تہیہ کر رکھا تھا اور اپنے اس عزم پر مرتے دم تک قائم رہے۔ صرف دِینی اُمور میں دِلچسپی رکھتے تھے اور دِینی تعلیم کے حوالے سے ان کی شخصیت قابلِ احترام تھی کہ انہیں نقصان پہنچانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ (ہفتہ ۱۵رصفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۲۰رمئی ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند

مولانا محمد یوسف لدھیانوی بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے، آپ کے مذہبی مضامین ہندوستان اور پاکستان کے رسائل واخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ وہ صرف پاکستان کی امانت نہ تھے بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کا بھی ورثہ تھے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کی شخصیت طبقۂ علماء میں معروف ومشہور تھی۔ حضرت مرحوم کی علمی دِینی خدمات کی وجہ سے علمائے اسلام میں ان کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ملتِ اسلامیہ ان کی تالیفات وفتاویٰ سے خوب خوب استفادہ کرتی رہی اور اِن شاء اللہ! کرتی رہے گی۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم نے مختلف موضوعات پر عالمانہ ومحققانہ تصنیفات

فہرست

چھوڑی ہیں۔خصوصاً ''تحفظِ ختمِ نبوّت'' اور ''رَدِّ قادیانیت'' کے موضوع پر مفتی صاحب مرحوم کے رسائل کی چھ ضخیم جلدیں ''تحفۂ قادیانیت'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں، جو رَدِّ قادیانیت پر کام کرنے والوں کے لئے قیمتی مواد پر مشتمل ہیں۔حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نامور شاگرد حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ حضرت مفتی محمد یوسف لدھیانوی مرحوم پر بھرپور اعتماد فرماتے تھے۔خداوند کریم حضرت مفتی صاحب مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔آمین! (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''آئینہ'' مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی پاکستان کے نامورَ عالمِ دِین، فقہ وفتاویٰ کے نیرِ تاباں، سلوک وطریقت کے درخشندہ ستارے، مختلف علمی، فقہی، معاشرتی اور اصلاحی تقریباً تین درجن کتب کے مصنف، ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے بے باک ایڈیٹر، حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مریدِ باصفا، اور عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ اور محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ خاص، اور حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے منظورِ نظر تھے۔

علمی ذوق وشوق کے ساتھ تھانوی اور مدنی ذوق کا حسین اِمتزاج، حنفی المشرب اکابر واسلاف کا نمونہ، تقویٰ وطہارت، سلوک وتصوف اور مختلف صفات وخصوصیات سے متصف ہونے کے باوصف زبان وقلم کے بادشاہ اور اپنی بات کے استدلال میں بے مثال تھے۔فِرَقِ باطلہ بالخصوص قادیانیت کے حق میں شمشیر برہنہ تھے، انہوں نے قادیانیوں سے متعدّد بار کامیاب مناظرے بھی کئے تھے، اور مختلف کتب بھی تحریر فرمائی تھیں۔ان کے علاوہ ہندوپاک کے مختلف اخبارات ورسائل میں بھی قادیانیت کی سرکوبی اور مذمت کی اور سادہ لوح عوام کو قادیانی کے دجل وفریب سے آگاہ وباخبر فرمایا تھا۔''اِختلافِ اُمت اور

صراطِ مستقیم'' لکھ کر باطل فرقوں اور شیطانی ٹولوں کے دانت کھٹے کردیئے تھے اور ان کی اس کتاب کا باطل عقائد وافکار اور مسموم خیالات ونظریات رکھنے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ غرض حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ تقریباً چار درجن علمی تحقیقی کتب کے مصنف تھے اور دُنیا بھر میں عقیدت واحترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

(جون، جولائی ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک

گزشتہ دِنوں ملک کے معروف ومشہور عظیم عالم وفاضل، ادیب، اِنشا پرداز، صحافی، ناصح، زاہد، مدرّس، مربی، مفتی اور برگزیدہ ہستی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو دِن دہاڑے ہنگاموں کے شہر کراچی میں بے دردی کے ساتھ شہید کردیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

مرحوم کی ہشت پہلو شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مرحوم کا وجود علم وعمل کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ آپ کی ہر سانس، ہر صدا، اور قلم کی ہر جنبش علم وفضل کی ترقی، اسلام کی سربلندی اور اُمت مسلمہ کی نشأۃِ ثانیہ کے لئے بے تاب اور سرگرمِ عمل تھی۔ زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے جس پر آپ نے تنہا کئی اِداروں سے بڑھ کر کام نہ کیا ہو؟ تصنیفات وتالیفات اور تحقیقی مضامین کا ایسا ذخیرہ آپ نے وراثت میں چھوڑا ہے کہ اُمتِ مرحومہ کو تشنگی کا شکوہ ہی نہ رہے۔ افسوس! کہ درندہ صفت قاتلوں نے ایک ایسے گوہرِ نامدار کو ہم سے چھین لیا جس کی اس مفلس اور غریب قوم کو اس وقت کافی ضرورت تھی۔

مولانا لدھیانویؒ کے قلم کا یہ اعجاز تھا کہ جس موضوع پر بھی قلم اُٹھاتے خواہ وہ علمی، تحقیقی، تاریخی، ادبی، تنقیدی اور جیسا بھی مغلق موضوع ہوتا آپ اس پر ایسا مواد پیش کرتے کہ موضوع کا حق ادا ہوجاتا تھا۔ علاوہ ازیں ِ فرقِ باطلہ کے تعاقب میں آپ نے مختلف علمی مضامین، تحقیقی مقالات لکھ کر ان کو بے نقاب کیا۔ خصوصاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور

پرویزی فتنے، قادیانیت، شیعیت اور دیگر فرقوں کا مؤثر مقابلہ کیا۔ اسی طرح اِصلاحِ اُمت کے لئے تبلیغی مضامین پر مشتمل کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔ آپ کی شخصیت مجمع البحرین تھی، شریعت اور طریقت کے آپ ایک حسین اِمتزاج تھے۔ آخری عمر میں تو آپ تصوف کے رنگ میں مکمل طور پر ''وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً'' کی تصویر بنے ہوئے تھے، اور بے شمار پڑھے لکھے لوگ اور نامور علمائے کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرکے تزکیۂ نفس کے مراحل طے کئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدماتِ عالیہ کو آپ کے لئے آخرت کا توشہ بنائے، آمین!

ماہنامہ ''الخیر'' ملتان

واسفاہ! اہلِ دِل واہلِ عزیمت، نمونۂ اَسلاف ورہنمایانِ ملت، حاملینِ شریعت وپیکرِ سنت جس سرعت سے اس دُنیا سے اُٹھتے جارہے ہیں، دُنیا ایک وحشت کدہ معلوم ہونے لگی ہے۔ ابھی عالمِ اسلام کی محبوب شخصیت نادرۂ روزگار اور جامع کمالات ہستی حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی قدس اللہ سرہٗ کی دردناک جدائی پر آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ ایک اور المناک سانحہ اور جاں گداز المیے نے پوری ملتِ اسلامیہ کو سوگوار کردیا ہے۔ مادرِ علمی جامعہ خیرالمدارس کے مایہ ناز فرزند اور اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ کے تلمیذِ رشید، صلابت وثقاہت کے اِمام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کسی شقی القلب کے ہاتھوں خلعتِ شہادت پاکر ربّ کے حضور سرفراز ہوگئے۔ ''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾'' اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ!

یوں لگتا ہے جیسے زمانے نے زبردست کروٹ لی ہے، ۱۳؍صفر ۱۴۲۱ھ، ۱۸؍مئی ۲۰۰۰ء جمعرات کا دِن مسلمانانِ برصغیر بلکہ پوری اسلامی دُنیا کو ایک المناک حادثے کی یاد دلاتا رہے گا۔ حریمِ نبوّت کا پاسبان، اَسرارِ شریعت کا نکتہ رَس اور علم ومعرفت کا آفتاب دُنیا کے اُفق سے غائب ہوگیا، علم وفقاہت کی مجلس اُجڑ گئی، ملت ایک صاحبِ

فہرست

بصیرت اور متاعِ دِین ودانش سے محروم ہوگئی، یوسفِ کارواں رُخصت ہوگیا، محدثِ وقت علامہ بنوریؒ کی روایات کا امین اوران کی یادگار ''بینات'' کا سرپرست محتشم پوری ملت کو اُداس وبے یارومددگار کرگیا، مسلمان اس یوسفِ گم گشتہ پر مدتوں آنسو بہائیں گے:

الکرب مجتمع والصبر مفترق

القلب محترق والدمع مستبق

کسی ایسی ہستی کے بارے میں قلم اُٹھانا جو میراثِ نبوّت سے سرفراز اور بے شمار خصائص کی حامل ہو اور جس سے اللہ رَبّ العزّت نے اپنے دِین کا غیر معمولی کام لیا ہو، نہایت مشکل مرحلہ ہے۔ مولانا ایسی جامع صفات کے مالک تھے جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ اپنے اعلیٰ اوصاف اور بزرگانہ کمالات کی وجہ سے ملک کے جید علمائے کرام کے حلقے میں یکساں محبوب ومحترم اور صائب الرائے سمجھے جاتے تھے۔ نسلِ نو کی اسلامی خطوط پر فکری اور ذہنی تربیت کے لئے مولاناؒ نے زندگی کا ایک بڑا حصہ صَرف کیا، وہ طبقۂ علماء میں اپنی محبوب وہر دِل عزیز شخصیت کے باعث اپنی الگ پہچان رکھتے تھے، مولاناؒ کی علمی خدمات کا دائرہ زمان کے اعتبار سے نصف صدی کو محیط ہے، جس میں انہوں نے مسندِ تدریس کو رونق بخشنے کے علاوہ عصرِ حاضر کی چکا چوند کرنے والی زندگی میں رستہ بھٹکنے والے بے شمار خاندانوں اور ہزارہا نوجوانوں کو اِسلامی اَحکامات اور تعلیمات سے آگاہ کیا، فکری تعصّبات کو رفع کیا، اور نظریاتی وتحقیقاتی تضادات کا اِزالہ کیا، حق تعالیٰ شانہٗ نے انہیں اسلامی تعلیمات کو سہل اور دِل نشین انداز میں بیان کرنے کی حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا، مولاناؒ کی تصنیفات وتالیفات کا عدد ۱۰۰ تک پہنچتا ہے، جن میں چند صفحات کے پمفلٹ سے لے کر دس جلدوں تک کی ضخیم کتابیں بھی ہیں۔ عصرِ حاضر میں مولاناؒ کے قلم نے کفر واِلحاد اور دجالی فتنوں کے خلاف ایک مجاہد کی تلوار کا کام کیا، وہ مسلمانوں کے فروعی اختلافات پر نہایت دِل سوزی کے ساتھ ناصحانہ انداز میں لکھتے تھے، جس میں کسی کی تحقیر وتضحیک یا

فہرست

دِل آزاری کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا، مگر باطل فرقوں بالخصوص ختمِ نبوّت اور عظمت و ناموسِ صحابہ کے منکرین کے خلاف ان کا قلم سیفِ بے نیام تھا، دُشمنانِ دِین کو ان کے مقابلے میں ہمیشہ شکست و ہزیمت اُٹھانا پڑتی تھی، اور شاید انہی قوتوں نے علم و عمل کے اس روشن مینار کو زمین بوس کرکے اپنی ذِلت و رُسوائی کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

مولانا مرحوم آج ہم سے جدا ہوچکے ہیں، لیکن انہوں نے اس دور کی جاہلیتِ جدیدہ کی تاریکیوں میں علم و فضل کی جو قندیل روشن کی ہے، وہ مدتوں فروزاں رہے گی اور نشانِ منزل کا پتا دیتی رہے گی۔ مولانا مرحوم بلند قامت دِینی شخصیت، بے مثال محقق اور عظیم النظیر مصنف ہونے کے باوجود تواضع و انکسار کا پیکر تھے۔ (ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی

فہرست

ملک کے معروف صاحبِ قلم اور صاحبِ نسبت بزرگ، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے نائب صدر، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اُستاذِ حدیث اور اپنے وقت کے ناموَر عالمِ ربانی مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کو ۱۳ر صفر ۱۴۲۱ھ، مطابق ۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء بروزِ جمعرات سفاک قاتلوں نے شہید کردیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان کی زندگی اِتباعِ سنت کی تجلیات سے منوّر تھی، وہ اپنے شگفتہ قلم اور مشفقانہ تکلم سے دِینِ حنیف کی خدمت میں شبانہ روز سرگرمِ عمل رہتے تھے، ان کی متواضع شخصیت اور شیریں گفتگو اپنی طرف کھینچتی تھی اور ان کا حکیمانہ اندازِ تخاطب و نگارش دِلوں میں گھر کرتا تھا۔ مرحوم، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں سے بے چین رہتے تھے اور مجاہدانہ جذبے سے ان کی سرکوبی کے لئے آمادۂ پیکار رہتے تھے۔ ناموسِ رسالت کے تحفظ کا معاملہ ہو، حضراتِ صحابہؓ کے تقدس کا دفاع ہو، یا معاشرے میں منکرات و بدعات کی وجہ سے پھیلی ہوئی ظلمتوں کا مقابلہ!

ہر میدان میں مولانا مرحوم سینہ سپر رہتے تھے، اور بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ باطل کے مقابلے میں حق بات ذہن نشین کراتے تھے۔ مختلف فتنوں کی حقیقت جاننے کے لئے ان کی وقیع تصانیف سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔

حضرت مولانا ''عالمی تحریک مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب سرپرست بھی تھے، اور ہر سال برطانیہ جاکر قادیانی اور مرزائی فتنے کی شرانگیزی کے خلاف وہاں کے مقیم مسلمانوں کو خبردار کرتے رہتے تھے۔ یہ برطانیہ ہی تھا جس نے اسلام اور مسلمانوں کی دُشمنی میں اس فتنے کی تخم ریزی کی تھی اور اب عالمِ کفر میں برطانیہ ہی وہ واحد ملک ہے جس نے قادیانیت کے علم برداروں کو پناہ دی ہوئی ہے، اور کافرانہ فتنے کا یہ شجرۂ خبیثہ انگریز ہی کی حفاظت میں اب تک زندہ ہے، جب کہ بحمداللہ! پاکستان میں اس کے برگ وبار سوکھ رہے ہیں۔ حضرت مولاناؒ کفرستان میں جاکر اس فتنے کے لیڈروں کو للکارتے تھے تاکہ یہ لوگ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکا نہ ڈال سکیں۔

اسلام اور پاکستان کے دُشمنوں سے ان کا وجود برداشت نہیں ہوا اور اندرونی و بیرونی دُشمنوں نے اس روشن چراغ کو گل کردیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایسے دیدہ ور کی وفات پاکستان کے مسلمانوں کے لئے بڑا سانحہ ہے۔ ''وان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ، وخلفا من کل فائت وإنّا للہ وإنا إلیہ راجعون!''

(''البلاغ'' جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور

مولاناؒ کی شہادت سے عالمِ اسلام خصوصاً اہلِ پاکستان ایک عظیم مذہبی اسکالر

سے محروم ہوگیا۔ قحط الرجال کے اس دور میں مولاناؒ کی شہادت ایک عظیم سانحہ ہے۔ مولانا لدھیانویؒ نے اپنی ساری زندگی تعلیم وتدریس، تحقیق، تبلیغ، ترویجِ اسلام واشاعتِ اسلام میں گزاری، آپؒ کی شخصیت اور آپؒ کا علمی تحقیقی کام پوری دُنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مولانا لدھیانویؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، شاید وہ کبھی پُر نہ ہوسکے۔ مولانا لدھیانویؒ کے اندر دِینی حمیت بہت تھی، مسلکِ حق کا دِفاع کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر تھے، اور رَدِّ قادیانیت پر گراں قدر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اس کے باوجود داخلی فتنوں: رافضیت، مودودیت اور خارجیت کی خطرناک چالوں سے بھی بے خبر نہ تھے، اور ان کے تعاقب اور مسلکِ حق کے تحفظ کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ (جون ۲۰۰۰ء)

فہرست

ماہنامہ ''لولاک'' ملتان

فقیہ العصر، دِین کے ماہِ درخشندہ، علم کے نیرِتاباں، پیکر عجز ونیاز، قاطعِ مرزائیت، معروف رُوحانی شخصیت اور ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو ۱۸رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات صبح دس بجے سرِبازار درندہ صفت دہشت گردوں نے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کرڈالا۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ایک اچھے اور کامیاب مدرّس ہونے کے باعث متأثر کن واعظ اور خطیب تھے، زبان وبیان کی سادگی سامعین کو بات سمجھانے میں خاص مددگار ثابت ہوتی تھی، اس خوبی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کو قلم پر مکمل دسترس بھی ودیعت فرمائی تھی، رَدِّ قادیانیت کے ضمن میں مولانا کی قلمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ قادیانی فتنے کے عقائد وعزائم اور مذہبی احتساب میں مولاناؒ کی قلمی جراحت کو نمایاں حیثیت حاصل رہے گی، مرزائیت کے قلمی احتساب کے ضمن میں

حضرت لدھیانویؒ بلاشبہ وقت کے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ قادیانی فتنے سے متعلق مولاناؒ کی فکرمندی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پہلا مضمون ہی قادیانیت کی تردید کے ضمن میں لکھا تھا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ دِین کے مبلغ، داعی اور اسکالر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشقِ رسول بھی تھے، جب سروَرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر آتا تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی، چہرہ اشکبار ہوجاتا، ان کا وجود عجز و نیاز اور محبت وعقیدت کے پیکر میں ڈھل جاتا۔ جن حضرات نے مولاناؒ کا آخری دیدار کیا وہ گواہی دیں گے کہ چہرے پر طمانیت اور عجب تبسم شفاعتِ خداوندی کا ثبوت دے رہا تھا۔ (ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ ''الحسن'' لاہور

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے خلیفہ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے تلمیذِ خاص اور مسترشد، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی نائب امیر، جامعہ زکریا الخیریہ کے مہتمم، جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مایہ ناز اُستاذِ حدیث، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے معتمدِ خاص، ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے مدیر، روزنامہ ''جنگ'' کراچی، ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' اور ماہنامہ ''اِقرأ ڈائجسٹ'' کے ممتاز کالم نگار، سینکڑوں مضامین، بیسیوں رسائل اور چالیس سے زائد ضخیم کتب کے مصنف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو اِنتہائی سفاکانہ اور ظالمانہ طریقے سے شہید کردیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کی المناک شہادت پوری ملت کے لئے شدید ترین المیہ اور افسوسناک سانحہ ہے۔ حضرت محض ایک بلند پایہ عالمِ دِین ہی نہ تھے، بلکہ اس دور کے عظیم دانشور، ادیب، مفکر، محقق، مصلح اور رہنما تھے۔ آپ خاموشی سے لیکن بہت ہی دِل سوزی اور ہمہ گیری کے ساتھ مختلف محاذوں پر عملی، اصلاحی، دِینی اور

فہرست

رُوحانی خدمات انجام دے رہے تھے۔ آپؒ کی تحریریں، بیانات، تصانیف اور اِصلاحی مواعظ ملت کے ایک بڑے طبقے کی دِینی رہنمائی اور اِصلاح کا ذریعہ تھے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے سے لے کر نیم خواندہ عوام تک سب آپؒ کی تحریروں کے گرویدہ اور آپؒ کی مشفقانہ شخصیت کے عقیدت مند تھے۔ خصوصاً ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ جو مغرب زدہ اور مغرب کی مادّی وسائنسی ترقی سے مرعوب ہے، حضرتؒ کی نگارشات پر بہت اعتماد اور آپ کے سنجیدہ ومتین قلم کو بہت پسند کرتا تھا۔ حضرتؒ کی شہادت سے صرف ان کے متعلقین، تلامذہ اور مریدین کو ہی صدمہ نہیں پہنچا، تمام دِینی جماعتوں اور دِین دار عوام کو دھچکا لگا ہے۔ ایسی بابرکت ہستیوں کا کسی معاشرے سے اُٹھ جانا اور پھر اس مظلومانہ طریقے سے، بہت ہی خطرناک علامت ہے اور پوری قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے! (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''الصیانۃ'' لاہور

حضرت لدھیانویؒ قحط الرجال کے اس دور میں چند ایک مغتنم ہستیوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں بے شمار خوبیاں اور بہت سے بزرگوں کی نسبتیں اور برکات جمع کر رکھی تھیں۔ مولانا لدھیانویؒ نے اپنے رواں اور زوردار قلم کو دِین کی سنجیدہ دعوت واشاعت، جدید اِلحادی فتنوں کی گرفت اور خصوصاً قادیانیت کی تردید اور اس فتنے کی تلبیسات کی نقاب کشائی کے لئے استعمال کیا۔ آپ ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر تھے اور عموماً اس طرح کے تنظیمی عہدوں کی وجہ سے انسان میں حُبِّ جاہ اور بالخصوص ''اخباری'' بننے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے، لیکن حضرتؒ کی زندگی اور کردار میں اس طرح کی باتوں کا دُور دُور تک کوئی تصور نہیں تھا۔ آپؒ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وفات کے بعد بھی آپ کی تصویر اخبارات کو اِشاعت کے لئے نہ مل سکی۔ دِینی حمیت وغیرت آپ کو اپنے بزرگوں بالخصوص حضرت بنوریؒ سے ملی تھی۔ آپ کم گو اور کم آمیز مزاج کے مالک تھے، وقت کے

قدردان اور فضول اور لایعنی سے کوسوں دُور، لیکن اس وصف کے باوجود آپؒ میں خشکی اور درشتی کا نام ونشان نہیں تھا۔ حضرت مولاناؒ کی شہادت صرف ان کے اہلِ خاندان، شاگردوں اور متعلقین کے لئے ہی نہیں، تمام مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے۔ ''اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ!''

(جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''سلوک واحسان'' کراچی

یوں تو ہر شخص کے لئے اس عالم میں فنا مقدر ہے، اور قسامِ ازل نے ہر جن واِنس بلکہ ہر ذرّہ کائنات کے لئے وجود سے قبل ہی فنا تجویز کر رکھا ہے، اس سرائے دہر میں روزمرّہ انسانوں کی آمدورفت عرصے سے جاری ہے، جو بھی آیا، جانا اس کے لئے لازمی قرار پایا، بقاودوام صرف اور صرف ایک ذات واحد وقہار کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن بعض ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کی رحلت ہزاروں دِلوں کو سوگوار اور ہزاروں آنکھوں کو اَشک بار کرجاتی ہے، یہ وہ مقربینِ بارگاہ شخصیات ہیں جو نہ صرف خود عشقِ الٰہی سے سرشار ہوتی ہیں بلکہ ان کے طفیل ہزاروں قلوب اس نورِ محبت سے منوّر ہوتے ہیں۔ ان کی کیمیائی نظر قلوب کو رزائل سے صاف کر کے نورِ باطن سے منوّر کردیتی ہے، اور قلوب حرص وہوس، کبرونخوت، ظلم ومعصیت اور حُبِّ جاہ ومال سے خالی ہوکر زُہدوقناعت، صبروتوکل، خشیت وانابت اور تعلق مع اللہ سے معمور ہوجاتے ہیں، ان کی زندگی کا ہر لمحہ مخلوقِ خدا کی رُشد وہدایت اور ان کی اصلاحِ ظاہروباطن کے کام میں مصروف ہوتا ہے۔ ظاہری اجسام کے اعتبار سے وہ اس عالم میں چل پھر رہے ہوتے ہیں، لیکن قلب ورُوح کے اعتبار سے وہ حضوریٔ بارگاہ رَبّ العزّت کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں، دُنیوی مال ومتاع ان کی نگاہ میں بے وقعت ہوتے ہیں، ان کا دِل محبوب کے لئے تڑپتا اور بے قرار رہتا ہے، اور جب یہ بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو انہیں اس وصال کا پروانہ مل جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

فہرست

’’من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ۔‘‘

حضرتِ اقدسؒ کا وجود مدارسِ دِینیہ، تزکیہ وتصفیۂ قلوب کی مجالس کے لئے رحمت، رَدِّ فتن، خصوصاً پرویزیت، قادیانیت، اہلِ بدعت اور رافضیت کے لئے صاعقۂ آسمانی تھا۔ دُوسری طرف اِعلائے کلمۃ الحق میں جہادِ طالبان، جہادِ کشمیر وغیرہ کا آپؒ سہارا تھے۔ کتنے ہی مدارس اور خانقاہیں آپؒ کی زیرِ سرپرستی قائم تھیں، اور کتنے ہی فتنِ قدیمہ وجدیدہ کا رَدّ آپ کے قلم سے مختلف تصانیف کی صورت میں ظاہر ہوکر ہزاروں، لاکھوں انسانوں کی ہدایت اور ان کے قلوب کی طمانیت کا ذریعہ بنا۔ ان ساری اعلیٰ دِینی خدمات کا حسنِ ختام شہادت کے مرتبے پر جا کر ہوا۔ (اگست ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ’’الحماد‘‘ کراچی

یوں تو دُنیا جگہ ہی آنے اور جانے والوں کی ہے، کوئی آتا ہے اور کوئی جاتا ہے، اور یہی دُنیا کی زندگانی اور حیات کی حقیقت ہے، کسی کا آنا اور کسی کا جانا معمول کا ایک حصہ ہے اور ’’كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ‘‘ اور ’’كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ‘‘ کے اٹل قدرتی فیصلے کی تصدیق وشہادت ہے۔

والدِ محترم پیرِ طریقت حضرت مولانا عبدالواحد دامت برکاتہم نے حضرت شیخ کے متعلق اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’حضرت اقدس مولانا لدھیانویؒ کی باکمال شخصیت کو کوئی تقریر کے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، البتہ شاعر کا یہ شعر آپؒ کی ذات وصفات کی کچھ ترجمانی کرتا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شاید اب ہمیں ہزار سال تک حضرت لدھیانویؒ جیسی شخصیت کا انتظار کرنا پڑے،

ایسے جوہرِ یکتا زمانے میں کمیاب بلکہ نایاب ہیں، جو بیک وقت علم وعمل، تحریر وتقریر، تدریس وتعلیم، جہاد وتصوف اور افتاء کے پیکر ہوں۔“ (ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ ”التجوید“ فیصل آباد

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ کو شہید کر دیا گیا۔ مرحوم بڑے نیک دِل اور پارسا انسان تھے، مدت العمر جامعہ بنوری ٹاؤن میں درسِ حدیث دیتے رہے، وہ بڑے قلمکار تھے، انہوں نے بیسیوں کتابیں لکھیں، ان کا شمار پاکستان کے چوٹی کے علماء میں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے عمر بھر ”قال اللہ وقال الرسول“ کا پیغام عام کیا۔ ان سے حدیث کی روایت کرنے والے سینکڑوں نہیں ہزاروں، ملک میں ہی نہیں بیرونِ ملک بھی ہیں۔ وہ شخص قلم اُٹھاتا تو اختلافی مسائل میں اِعتدال کی راہیں تلاش کرتا، انہوں نے مسندِ رسول کی حفاظت کو زِندگی کا ہدف بنایا۔ اہلِ دل کہتے ہیں کہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی کا قتل نہیں ہوا، قتل تو اِنسانیت کا ہوا ہے، خونِ محبت کا بہا، رواداری کا گلا گھونٹ دیا گیا، سوال یہ ہے کہ اس انسانیت کا قاتل کون ہے؟ حارث، محاسب، محتسب؟ ان شاء اللہ! سب ”یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ“ سے دوچار ہوں گے، میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں...؟ (مئی، جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ”البنوریہ“ کراچی

۱۸رمئی ۲۰۰۰ء کا دِن مسلمانانِ پاکستان کے لئے خصوصاً اور عالمِ اسلام کے لئے عموماً ایک سیاہ اور تاریک دِن ثابت ہوا۔ اس دِن اسلام کا ایک بطلِ جلیل، شریعتِ مطہرہ کا مایہ ناز سپوت، ناموسِ رسالت کا عظیم سپاہی، تحفظِ ختمِ نبوّت کا بے باک مجاہد، طریقت کے میدان کا بلند وبالا مینار، کلامِ الٰہی کا بہترین مفسر، احادیثِ رسول کا کامیاب شارح،

عوام کی دِینی اُلجھنوں کا بآسانی سلجھانے والا، ہر دِل عزیز، رُوحانی امراض کا سرجن، صحافت کے میدان کا سرخرو صحافی، ادب کی دُنیا کا شہسوار، وقت کا بہترین نباض، علمی دُنیا کا بحرِ ذخار، اُمت کے غموں کا اتھاہ سمندر، مایوس لوگوں کے لئے اُمید کا وسیع جزیرہ، خطابت کا بے تاج بادشاہ، عظیم مفکر، مدبر، دانشور، وَرَع وتقویٰ کا پیکر، شفقتیں بکھیرنے والا پاکستان کا ''علی میاں'' دہشت گردی کے نتیجے میں لقمۂ اَجل بن گیا۔

بے شمار مدارس کی سرپرستی بھی مولاناؒ کی خدمات کا ایک عظیم حصہ ہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ نہ صرف محبت رکھتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی ان کے ساتھ شریک رہے، غرض کہ مولاناؒ نے دِینی خدمات کے تمام شعبوں کو بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ اپنایا ہوا تھا اور اپنی دِین دارانہ صلاحیتوں کو نہایت دیانت داری کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک استعمال فرماتے رہے۔ ماہنامہ ''البنوریہ'' اس المناک، اندوہناک حادثے پر عالمِ اسلام کے اس عظیم اور ناقابلِ تلافی نقصان پر نہایت مغموم دِل کے ساتھ اپنی پوری دِینی وعلمی برادری اور مولاناؒ کے خاندان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''انوارِ ختمِ نبوّت'' لاہور

پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ۱۸ر مئی کو دِن دہاڑے، بھرے بازار میں دہشت گردی کی اندوہناک واردات میں ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے مرکزی نائب امیر، پاکستان کے نامور عالمِ دِین، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید کردیئے گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ !

مولانا لدھیانوی مرحوم ایک جید عالمِ دِین اور عظیم رُوحانی شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ وہ بیک وقت بلند پایہ محدث، محقق، مفکر، مدبر، مدرّس، مصنف اور مبلغ بھی تھے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت، ان کے علمی، تحقیقی اور تبلیغی کام کو پاکستان ہی نہیں بلک دُنیائے اسلام میں

نہایت احترام وعقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ان کی شہادت سے نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام ایک ممتاز اور نامور عالمِ دِین سے محروم ہوگیا ہے، ان کی شہادت سے پیدا ہونے والا خلا پُر ہونا مشکل ہے۔ (صفر، ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ)

ماہنامہ ''الارشاد''

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت سے عالمِ اسلام میں جو رُوحانی وعلمی خلا پیدا ہوا ہے، اس کا مستقبل میں پُر ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ہم حضرت اقدس شہیدؒ کے پسماندگان اور تمام اہلِ حق کے غم میں برابر کے شریک ہیں، غم شہادت کا نہیں، ان کی جدائی کا ہے کہ نہ صرف علماء اور طلبہ بلکہ مجاہدین بھی ایک شجرِ سایہ دار سے محروم ہوگئے ہیں۔ (جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ ''الاحرار'' لاہور

۱۸رمئی کی صبح ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر اور معروف وممتاز عالمِ دِین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو چند سفاک دہشت گردوں نے سرِ بازار شہید کردیا۔حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جیسی غیرمتنازعہ علمی ودِینی شخصیت کا بہیمانہ قتل صرف پاکستان کا نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کا نقصان ہے، اور ایسا نقصان جس کی تلافی کبھی نہ ہوسکے گی، مولانا جیسی دِینی وعلمی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں، ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، انہوں نے علم وعمل کے جو چراغ روشن کئے ہیں، وہ ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔

ماہنامہ ''المسعود'' راولپنڈی

۱۸رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات کو ملکی تاریخ میں ایک سیاہ باب کا اضافہ ہوا، جب

فہرست

دُشمنانِ اسلام نے عالمِ اسلام کے عظیم اسکالر، اُستاذ الحدیث، ''عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت'' کے نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی پر اندھا دھند فائرنگ کرکے انہیں شہید کردیا۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اسلام کے ہیرو تھے، ان کی خدمات کا شمار ممکن نہیں، جہاں وہ روزانہ درسِ حدیث سے تشنگانِ علوم حدیث کی پیاس بجھاتے، وہاں وہ ہر وقت ہر لمحہ عالمِ اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کو بے نقاب کرنے میں مصروف رہتے۔ آپؒ نے فتنۂ قادیانیت کے رَدّ میں وہ دلائل وبراہین دیئے کہ قادیانیوں کے لئے ان کا جواب دینا ممکن نہ رہا۔ آپؒ کے دست حق پرست پر ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ (جون ۲۰۰۰ء)

''تعمیرِ حیات''، لکھنؤ

فہرست

ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے اس اندوہناک خبر نے پورے برصغیر کے دِینی وعلمی طبقے کو سکتے میں ڈال دیا کہ ۱۸؍مئی ۲۰۰۰ء کی صبح کو پاکستان کے مشہور ومعروف عالمِ دِین اور بزرگ مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو سفاکانہ طور پر شہید کردیا گیا، اور اس طرح ملتِ اسلامیہ کو ایک عظیم قیمتی سرمائے سے اس وقت محروم کردیا گیا جب کہ اس کو اس کی اور زیادہ ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علّیّین میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا کرے۔

وہ ایک سنجیدہ اور بُردبار دِینی رہنما، مصنف ومحقق اور کم ازکم پاکستان میں صفِ اوّل کے اکابرین میں تھے، تین ماہ بھی نہیں گزرے کہ ان کے متوازن قلم سے حضرت مخدوم ومربی مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ پر محبت وعقیدت اور عظمت سے بھرپور شذرہ ''بینات'' کراچی میں جس کے وہ مدیر تھے سامنے آیا تھا۔ جس میں انہوں نے اپنے ممدوح مرحوم کے بارے میں تحریر کیا تھا کہ جن پانچ شخصیتوں سے میں زیادہ متأثر ہوا، اور ان کی عظمت

ہمارے دِل میں رچ بس گئی، ان میں سے ایک یہی حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ تھے۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ محبِ مخلص صادق اپنے محبوب ومخدوم سے اتنی جلدی جا ملے گا۔

مولانا مرحوم دِلِ دردمند رکھنے والے اور قوم وملت کی فکر رکھنے والے عالمِ دِین تھے۔ اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کے لئے مصروفِ عمل رہتے ہوئے وہ اپنے رفیقِ اعلیٰ کے حضور جا پہنچے، جہاں ان کو اب اپنی خدمات ومساعی کا بہتر سے بہتر بدلہ ملنا ہے، اور اس سے اچھا بدلہ دے ہی کون سکتا ہے! لیکن یہ ضرور افسوس اور شرم کی بات ہے کہ اس دورِ قحط الرجال میں کہ جس میں سچے، مخلص اور باحمیت و باعمل لوگ کمیاب ہی نہیں نایاب ہوتے نظر آرہے ہیں، ایسے نابغۂ روزگار لوگوں کی ایسی ناقدری کی جائے۔ (۲۵/جون ۲۰۰۰ء)

ہفت روزہ ''فرائیڈے اسپیشل'' کراچی

کراچی کی گلیوں، سڑکوں نے یوں تو نہ معلوم کتنے ہی بے گناہوں کا خون اپنے اندر جذب کیا ہے، لیکن ۱۸/مئی ۲۰۰۰ء کی صبح ایک ایسا مردِ قلندر کراچی میں جاری دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ گیا جو اپنی ذات میں انجمن تھا۔ صفات میں محسن و مستحسن تھا، آفتابِ علم وحکمت تھا، اس نے بہترین قرآن سیکھا اور تادَمِ آخر اپنے عمل سے دُوسروں کو سکھاتا رہا۔ حق اور باطل میں فرق واضح کرنے کا اُسلوب اس قدر سادہ اور جامع تھا کہ معمولی سے معمولی علم رکھنے والا بھی ان کی طرف سے ابلاغ کی گئی بات پوری طرح سے سمجھ لیتا تھا۔

(۲۶/مئی ۲۰۰۰ء)

***

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

www.shaheedeislam.com